Late Allama Akbar Mashi

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

Is Qur'an Really A Miracle?

By
Allama Akbar Mashi

تنویرُ الاُذہان

فی

فصاحت القُرآن

مسئلہ اعجازِ قرآن کے مختلف پہلوؤں پر بحث

از۔ سلطان القلم علامہ اکبر مسیح مرحوم

1959

دیباچہ

دنیا کی تمام مقدس کتابوں کے ساتھ ان کے حامیوں اور قدر دانوں نے فرطِ محبت میں اکثر نادانستہ دشمنی کی یعنی ان کو اس سے زیادہ سمجھ لیا جتنا خدا نے ان کو بنایا تھا اور ان میں اس سے زیادہ ڈھونڈا جتنا ان کے مصنفوں نے ان میں رکھا تھا اور نتیجہ یہ ہوا کہ علماء دین نے ان کو خواہ نخواہ ایسا درجہ دیا کہ لوگوں کو ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ کتابیں دنیا کے سمجھنے کے لئے نہیں آئیں وہ ہاتھ کی لکیریں یا نوشتہ تقدیر تھیں۔ جنہیں کوئی پڑھ نہ سکا اور جو پڑھا سمجھا نہ سکا۔

ایک زمانہ تھا جب عالم کی راہیں بند تھیں۔ لوگ اپنے اپنے گاؤں میں کنوئیں کے مینڈک کی طرح رہا کرتے تھے۔ ع۔ جہاندیدہ بسیار گوید دروغ کا بڑا موقع تھا۔ قاف میں پریاں بستی تھیں، سیمرغ چالیس ہاتھی روز کھاتا تھا۔ اب لڑکے بھی مڈل کلاس میں جغرافیہ پڑھ کر چپہ چپہ دیکھ آئے قاف میں پری رہی نہ جن۔ سیمرغ کا گھونسلا مدتیں ہوئی اجڑ گیا۔

وہ بھی زمانہ تھا جب وید کو کاشی جی کے چند برہمن دیوتا پڑھ سکتے تھے۔ اور کسی کی مجال نہ تھی کہ پاس پھٹک جائے۔ قرآن شریف کی پیشانی پر لایمسہ الا المطھرون ثبت کردیا گیا۔ اس وقت اوم کی اکار مکار کی شان میں جو پنڈت مہاراج نے فرمادیا حق تھا اور الف لام میم کی شان میں مولویوں نے بھی عجیب عجیب قیاس آرائیاں کیں۔ لیکن اب نہ وید ہماری دسترس سے باہر رہا نہ قرآن اور نہ قاف۔ اگر اب بھی وہی باتیں کہی جاتیں جنہیں غریب اگلے زمانے والے بے چون وچرا سن لیا کرتے تھے تو بہت ہی بے محل ہوں گی۔

کتاب کا موضوع تو نام ہی سے روشن ہے۔ مگر چھاپنے والی ایک مسیحی سوسائٹی ہے جس سے فرض کرلیا جائے گا کہ جو لکھا گیا قرآن واسلام کی مخالفت میں ہوگا حالانکہ اگر قرآن مصدق الذی بین یدیہ ہو تو مصنف اس کا منکر نہیں اور اگر اسلام تمام انبیاء کا مشترک دین ہو تو انا کنا من قبلہ مسلمین پھر ہم اپنی کتاب کے اندر پڑھتے ہیں کہ خدا کے مقدس انبیاء گذرتے آئے جب سے دنیا شروع ہوئی۔(انجیل شریف بہ مطابق حضرت لوقا ؑ رکوع 1 آیت 70)۔ تو عرب کے یا ہندوستان کے نبیوں کی عزت کرتے ہوئے ہم کو کوئی قلق نہیں معلوم پڑتا بلکہ ہم تو دلی خوشی سے ان میں اسی "حقیقی نور" کا استقبال کرتے ہیں۔" جو دنیا میں آکر ہر ایک شخص کو منور کرتا ہے۔" (انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنا رکوع 1آیت 9)۔ پھر جب ہم یہ لکھا پاتے ہیں۔" ہر ایک صحیفہ جو خدا کے الہام سے ہے وہ تعلیم اور الزام اور اصلاح اور راستبازی میں تربیت کرنے کے لئے فائدہ مند بھی ہے۔ (انجیل شریف خط اول تمیتیس رکوع 3آیت 16)۔ تو قرآن کو بھی الہامی ماننے کے لئے ہم اس میں ان لازمی صفات سے زیادہ کے طلبگار نہیں پس ہم قرآن شریف کے ہر گز نہیں بلکہ اس کی نسبت صرف مسلمانوں کے ایک قدیم اور محبوب مگر غلط خیال کی مخالفت کرنے والے ہیں جس کو ہم قرآن فہمی میں عارض سمجھتے تھے۔

کسی کتاب کو آسمانی کہہ دینا اس کو ازلی مان لینا جبکہ وہ زمین وزمین میں ہم کو ملی یا شاعرانہ مبالغہ ہے یا عوام کی تسخیر کا چٹکلا بہ مرگش بگیر تا بہ تپ راضی شود۔ مبادا لوگ اپنی کتابوں کے اندر وہمی چیزیں ڈھونڈھنے میں مصروف ہوکر کلام کی باتوں سے غافل رہ جائیں ہم نے اپنے خیالات اس کتاب میں ظاہر کئے جس میں ہمارے مخاطب بظاہر مسلمان ہیں لیکن حقیقت میں سب دین والے کیونکہ وہی ایک غلطی جو قرآن کی نسبت اہلِ اسلام کررہے ہیں۔ ہر دین والا اپنی اپنی کتابوں کی نسبت کرچکا اور کرتا جاتا ہے اور ہمارا مقصود اس سے زیادہ نہیں کہ ان مقدس کتابوں کے اصلی معنوں تک لوگوں کو رسائی ہو جنہوں نے بنی آدم کے اخلاق سدھارے اور اپنی کسی حقیقی خوبی کی وجہ سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے۔

دنیا کی ساری کتابیں مقدس وغیر مقدس ایک ہی طرح وجود میں آئیں۔ اور آپس میں مقابلہ کا امتحان دے کر فیل یا پاس ہوئیں اور سب ایک ہی قانون تفسیر کی تابع ہیں جس طرح تم کریما کے معنی دریافت کرسکتے ہو اسی طرح وید کے اور قرآن کے اور انجیل کے بھی۔ کیا اچھا ہو جو ان کتابوں پر سے خام خیالیوں خوش اعتقادیوں اور مقلدانہ شخص پرستیوں کے جو بہت سے خلاف چڑھا دیئے گئے ہیں وہ اتر جائیں تاکہ ان کا ذاتی جوہر عیاں ہوجائے۔ پس یوں ہماری کتاب کسی دین کی تحقیر کی خاطر نہیں لکھی گئی بلکہ تمام دینوں کی واجبی عظیم بحال رکھنے کو۔

قرآن شریف کی فصاحت وبلاغت کے اعجاز کی بحث میں اردو میں مجھ کو صرف مولوی سید محمد صاحب کی کتاب تنذیہ الفرقان ملی جس میں وہ سب کچھ سنادیا گیا جو اگلے بزرگ کہتے آئے۔ اس کے سوا اور جو کتابیں دیکھی گئیں وہ اسی سے ماخوذ تھیں اس لئے میں نے اسی کو پیش نظر رکھا ہے۔دو کتابوں کے نام سے مجھ کو دھوکا بھی ہو گیا ۔ایک "اعجاز التنزیل قرآن مجید کے لفظاً ومعناً کلام اللہ اور معجزہ ہونے کے ثبوت میں۔" مصنفہ خلیفہ سید محمد حسن صاحب بالقابہ وزیر اعظم ریاست پٹیالہ۔ دوسری اعجاز القرآن مصنفہ مولوی ابوالحسن صاحب صدیقی ناظم دیوانی حیدرآباد۔

پہلی کتاب محض سیرت نبوی پر ہے جس کو اعجاز قرآن کی بحث سے کوئی لگاؤ نہیں پھر بھی کہیں کہیں میں نے اس کا حوالہ دیا ہے ۔ دوسری کتاب کی مجھ کو اس لئے جستجو رہی کہ اس کے مصنف صاحب انگریزی دان ہیں اور میرا خیال تھا کہ شاید اس میں کسی آزادانہ تنقید سے کام لیا گیا ہو مگروہ ایسے وقت میرے ہاتھ آئی جب میرا کل مضمون شائع ہوچکا تھا اور مجھ کو اس کا افسوس بھی نہیں کیونکہ اس کا طرز استدلال نرامولویانہ ہے۔ انگریزیت کا خدا نخواستہ اس پر کوئی اثر نہیں ۔ بقول شخصے مرادنے است بہ کفر آشنا کہ چندیں بار بہ مکہ بروم وہم چوں برہمن آوردم ۔ لیکن چونکہ مصنف کو معلوم تھا کہ " ہماری قوم کے اکثر مقدس بزرگ جو پرانی لکیر کے فقیر ہیں میری ان تحریرات کو مجذوب کی بڑسمجھیں گے اور میرا طرز استدلال ان کی سمجھ میں نہ آوے گا۔" ہماری دانست میں آپ نے برا کیا جو اہل مغرب اور نئے روشنی والوں کی مذاق کی پروا نہ کرکے اپنی کتاب کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کی زحمت اٹھائی۔

لائق مولوی صاحب قبلہ رو دوڑرہے تھے اور انہیں لوگوں کے ہم دوش جنکے دل عجائبات کے سننے سے کبھی سیر نہیں ہوتے اس لئے ہم کو آپ کی زبان سے یہ شکایت سن کے تعجب ہوا کہ " رسالہ ہذا کی اشاعت اول کے بعد میرے ایک قدیم دوست نے میری نسبت یہ فرمایا تھا کہ میں نے زبان عربی ہی کب پڑھی تھی جو ایسے سترگ کام کی جسارت کی ان کی خدمت میں باادب گذارش ہے کہ ایسے کاموں کے لئے زیادہ علمیت کی ضرورت نہیں بلکہ العلمہ حجاب الاکبر کا مقولہ صادق آتا ہے۔ علاوہ اس کے اب قرآن کے ترجمے اردو فارسی انگریزی زبانوں میں بھی موجود ہیں۔" ہم کو اس سے سبق لینا چاہیے اگر اعجازِ قرآن کی تائید میں لکھنے والے سے "پرانے اسکول کی تعلیم یافتہ۔" یوں برہم ہوگئے تو ہم سے وہ جتنا بھڑکیں اور خفا ہوں حق ہے اور کم ہے کیونکہ ہم نے تو ان کے مذاق کی مطلق خوشامد نہیں کی اور سچ پوچھو تو ہمارا روئے سخن بھی ان کی طرف نہیں۔

زمانہ بہت بدل گیا- دین کے مسائل مسجدوں کے حجروں اور راہبوں کی خانقاہوں سے نکل کر ریل کے اسٹیشنوں اور دفتر خانوں میں منظرِ عام پر آگئے-اب محض عربیت سے کام نہیں چلنے کا پبلک مولوی نہیں بنے گی بلکہ مولویوں کو اپنا بہت سے پڑھا لکھا بھلانا پڑے گا تاکہ وہ نئے پود سے ہم کلام ہونے کی قابلیت حاصل کریں۔ اب مطلق ضرورت نہیں کہ وہ جو اعجاز قرآن کی تائید میں لکھے یا وہ جو اس کی تردید میں وہ مولویوں سے لائسنس حاصل کرکے لکھے۔ قرآن اب ملک عام ہو گیا جزدانوں سے باہر نکل آیا ترجموں میں پڑھا جاتا ہے اور اچھی طرح پڑھا جاتا ہے اور حضرت صدیقی کا فرمانا بہت بجا ہے گو اس سے ان لوگوں کی نخوت کو صدمہ پہنچے جن کا جہل ان کے علم کی بدولت ہے۔

"اکبر مسیح ۔"

فہرست مضامین

تنویر الاذہان
فی
فصاحت القرآن

باب اوّل
آیا انسان کی زبان محل اعجاز ہو سکتی ہے ؟

زبان کیسے ایجاد ہوئی اور اس کا کام کام

علم لسان انسان کی تمدنی حالت کا ایک لازمہ ہے جس میں روز بروز ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اگر کوئی چاہے کہ اس علم کی تاریخ سے آگاہ ہو تو وہ بچہ کی قوت گفتار کے نشوونما پر غور کرے کہ کس طرح وہ غوں غاں کے بعد ایک دو سادے لفظوں سے شروع کرتا ہے جو صرف ہونٹوں کی حرکت سے پیدا ہوتے ہیں اور پھر اپنے خیالات کی روز افزوں ترقی کے مقابلہ میں الفاظ کی کمی کو ہاتھوں کے اشاروں اور چہرے کی حرکات وسکنات سے پورا کرتا ہے۔ حتیٰ کہ مثل ہمارے صرف نحو کی تمام پیچیدگیوں کو حل کر کے اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے جس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

انسان نے اپنے لئے طرح طرح کے اوزار اور آلے کیوں بنائے جن سے شکار کرتا ہے، قتل کرتا ہے، زمین جوتتا ہے، لکڑی کاٹتا ہے، کپڑے بُنتا اور سیتا ہے عمارتیں بناتا ہے خشکی اور تری کو طے کرتا ہے تاکہ اپنا پیٹ بھرے، اپنے بدن کی حفاظت کرے، اپنے جان ومال کو دشمنوں سے بچا کر جئے۔ بجنسہ اسی قسم کی ضرورتوں اور احتیاجوں نے اس کو اپنے خیالات کے اظہار کے لئے بہت سے

آلات وضع کرنے پر مجبور کیا جن کو الفاظ و کلمات کہتے ہیں۔ دنیا کی تمام زبانیں ایک ہی اصول کے ساتھ وضع کی گئیں ایک ہی اصول کے ساتھ ترقی پاتی گئیں ۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح انسان اپنی تلوار دستا، یا پاپوش کا خالق ہے اسی طرح وہ اپنی بولی کا ہے جس میں نہ معجزہ کو دخل ہے نہ خرق عادت کو، بلکہ صرف اس کی آسائش اور زکاوت کر۔

پس جو قومیں ابتدائی منازل تہذیب میں رہ گئیں ان کی زبانیں ناقص رہیں۔ جو تمدن وتہذیب کی معراج کو پہنچ چکیں ان کی زبانیں بھی شائستگی وکمال کے زینے پر بہت بلندی تک پہنچیں جس طرح کٹھ گڑھے سے رتھ بن گیا۔ اور پھر ریل گاڑی ۔ جس طرح لکڑی کے انگھڑ کندوں سے ڈونگی بنی پھر ناؤوجہاز اور اب اسٹیمر ۔ اسی طرح ان بولیوں سے جو اصوات حیوانات سے مشابہ تھیں وہ زبان بن گئی۔ جس میں سسرو اور ڈما ستھینیز نے بول کر پتھروں کو پانی کردیا اور کالید اس نے مضامین کے نئے زمین وہ آسمان پیدا کرکے خدائے سخن کا خطاب حاصل کیا۔

ہم نے جو کہا کہ انسان اپنی زبان کا آپ خالق ہے اسی کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس کی زبان ناقص ہے اور ترقی پذیر ہماری زبان ہمارے خیالات کے ہمدوش نہیں چل سکتی لنگڑی ہے۔ان کی دولت کے مقابلے میں یہ مفلس ہے ۔ ہمارے پاس کافی الفاظ نہیں کہ ہم اپنے خیالات کو پوری طرح ادا کرسکیں ۔ یہی سبب ہے کہ ہم ایک لفظ کو کئی کئی بلکہ اکثر متضاد معنی میں بولتے ہیں۔ دوسری زبانوں سے الفاظ مستعار لیتے ہیں۔ سینکڑوں تشبیہوں اور استعاروں کا استعمال کرتے ہیں۔ انہیں پرانے لفظوں کے اوپر نئے نئے معنی کا ملمع چڑھاتے ہیں۔ اور الفاظ میں نہ صرف اپنی آواز اور حسن ادا سے جان ڈالتے ہیں بلکہ ان کو اپنے دست بازو سے تقویت دیتے ہیں۔ آنکھوں کی جنبش سے ناک بھوں چڑھانے سے چہرے وسر کی حرکات وسکنات سے ۔ یہ کیوں ؟ محض اس لئے کہ ہم اپنی زبان کے کٹھل آلہ کو تیز کریں اور اس کی کمی کو پورا کریں۔ مگر پھر بھی ہم اپنے خیالات کو دوسروں پر اس طرح ظاہر کردینے پر قادر نہیں ہوتے جس طرح وہ ہمارے دل میں گونج رہے ہیں۔ تمام غلط فہمیاں ہمارے نقص زبان سے پیدا ہوتی ہیں۔ حضرت غالب نے کوئی بڑی نادر بات کہنا چاہی تھی۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

مگر اسی نقص زبان کے باعث غلط فہمی ہوگئی اور ہم کو کیا احمد حسن شوکت کو بھی۔ زبان کی یہ کوتاہی دیکھ دیکھ کر بعض کو گمان ہوا ہے کہ انسان کا سکوت اس کے بیان سے زیادہ گویا ہے ۔ بسا اوقات انسان اپنے مافی الضمیر کی ایسی تصویر بن جاتا ہے کہ بغیر لب ہلائے دوسرے پر اپنا مدعا روشن کردیتا ہے۔ اس باریکی کو عرفی نے خوب ادا کیا ہے۔

نہ گفت ومن بشنودم ہر آنچہ گفتن داشت
کہ درمیان نگش کرو، برزبان تقدیم

بلکہ حق تو یہ ہے کہ ہماری زبان اس درجہ قاصر ہے اور ایسی لنگڑی کہ بہت مضامین جو عالم بالا کے ہیں اور نہایت اعلیٰ وہ کبھی کسی سے ادا ہی نہیں ہوسکتے اور ایسے نادر مضامین کے لئے ہم کو ہمیشہ یہی بیان کرنا پڑا کہ ہماری زبان عاجز ہے اور ہمارا نطق قاصر۔ درثنائش زبان ناطقہ لال انگلستان کے بلکہ تمام جہان کے فخر الحکماء ۔لارڈ بیکن نے فرمایا ہے کہ "انسان کے تصورات لامحدود ہیں۔ لیکن اس کی زبان محدود۔ اس لئے وہ اپنے خیالات ادا نہیں کرسکتا۔"

بشپ برکلے کے سے نازک خیال فلاسفر نے گفتار کی ہجو کی اور لفظ کو معنی کا قید خانہ بتلایا۔ ایک فرانسیسی عارف یہاں تک کہہ گیا کہ بہشت ثنا ومحبت کا ایک ابدی سکوت ہے۔ اس کی ثنا الفاظ کے دائرہ سے پرے ہے اور اس کی محبت الفاظ سے مستغنی ۔

سب سے بڑا نقص ہماری زبان کا یہ ہے کہ اس میں گروہ بندی ہے چینی کی زبان عربی نہیں سمجھ سکتا۔ عربی کی جرمن نہیں جرمن کی فارسی نہیں فارسی کی ہندی نہیں۔ زمانہ حال کا تمدن یہ ہے کہ تمام جہان گویا ایک شہر ہوگیا اور ممالک گویا ایک ہی شہر کے محلے ۔ سامانِ سفر آسان ہوگیا۔ دوران باخبر درحضور نہ تجارت نے بیگانوں اور اجنبیوں کو یگانہ اور ہمسایہ بنادیا ۔ اب لوگ اس فکر میں ہیں کہ کوئی عالمگیر زبان ایسی ایجاد کرلیں کہ تبادلہ خیالات میں اختلافِ زبان کا حجاب معدوم ہوجائے ۔ سب ایک ہی زبان سمجھنے لگیں اور یہ ضرورت اس درجہ تک محسوس ہورہی ہے کہ ایک دو صدی کے اندر اندر تمام جہان والے کوئی زبان مثل اسپیر نیٹو کے ایسی بولنے لگیں گے جس طرح آج کل ہندوستان میں انگریزی عام آلہ تبادلہ خیال مابین الاقوام بن گئی ہے۔

ہماری زبان الہیٰ بولی نہیں بن سکتی

پس جب ہم اپنی زبان کے ان قصائص پر غور کرتے ہیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا کہ کیونکر ہماری زبان الہیٰ معجزہ کا محل قرار دی جاسکتی ہے۔ ہم کو یہ بات خدا کی عظمت کے شایاں نہیں معلوم ہوتی ہے کہ وہ ہماری زبان کو اپنی مرضی کے اظہار کا ایک مستقل آلہ بنا رکھے۔ وہی زبان جو ہمارے اپنے خیالات کے کماحقہ ادا کرنے میں اس درجہ قاصر ہے کہ ہم وقت پر گویا گونگے رہ جاتے ہیں کیونکر ممکن ہے کہ الہیٰ تصورات کے اظہار کا معقول ذریعہ بن سکے جبکہ وہ زبان فی الحقیقت الہیٰ تصورات کے اظہار کے لئے موضوع ہی نہیں کی گئی تھی۔

ہاں ہم مانتے ہیں کہ اگر دراصل اعجازی طریق سے خدا اپنے بندوں کو ہم کلام کرے تو وہ دو طریق ہمارے ذہن میں آسکتے ہیں یا وہ ہمارے لئے ایک نئی اعجازی زبان خلق کرے جس کو سب بول سکیں اور سب سمجھ سکیں کیونکہ اس کی سچائیاں سب کے لئے عام ہیں۔ یعنی ایسی زبان جس میں وہ نقائص نہ ہوں جن سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں یا الہیٰ دست اندازی سے وہ کم از کم ہماری زبان کے انہیں نقصوں کو مٹادے جو غلط فہمیوں کا ایک باروار باعث ہوتی ہیں یعنی ہماری زبان کی اس طرح اصلاح کردے کہ آئندہ ہم اس کو زیادہ آسانی سے سیکھ سکیں، عمدگی سے استعمال کریں اور غلطیوں سے محفوظ رہیں مگر ہم کو خوب معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ نے بنی آدم کے لئے کوئی ایسی عالمگیر زبان پیدا نہیں کی، جس کے ذریعے وہ اپنی مرضی تمام بنی نوع پر یکساں ظاہر کرے جس کی نعمت سب کے لئے عام ہو، اور نہ اس نے ہماری زبان میں کچھ تصرف کیا بلکہ زبان کے انہیں لازمی عیوب کے ساتھ وہ کلام بھی ہم کو پہنچا جو اس کہا جاتا ہے گویا اس نے انسان کو بالکل آزاد کردیا کہ وہ اپنی زبان کو جس طرح چاہے بلاروک ٹوک بلا الہیٰ دخل کے استعمال کرے۔

سامی زبان کا فطرتی عیب اور ایرین زبان کا حسن

خوب غور کرنا چاہیے کہ اگر خدا اپنی قدرت کاملہ کا نمونہ دکھلاتا ہے اور کسی کتاب کو انسانی زبان کا معجزہ بناتا اور اس کو اپنی مرضی کا آخری اظہار قرار دیتا ہے جیسا کہ قرآن شریف کی نسبت دعویٰ کیا جاتا ہے تو وہ پاک ذات جو کامل ہے ایک کامل طریق بھی اختیار کرتا اور جس طرح کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام ہر بچہ کے دل کو وہ مسلمان پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح وہ ہر بچہ کی زبان کو بھی عربی بناتا تا کہ اس کی قدرت کو اور اس کی کتاب کے اعجاز کو ہر فرد و بشر ہر قرن و ہر ایک میں یکساں مشاہدہ کرسکتا اور صرف یہی ایک صورت تھی جس میں قرآن شریف ایک معجزہ مستمرہ بن سکتا تھا۔

مگر حالت بالکل برعکس ہے، زبان عربی میں بعض فطرتی عیوب ہیں جو ان تمام زبانوں میں مشترک ہیں جن پر لفظ سامی کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس میں ایسی آوازیں ہیں جن کا عجم کی زبان پر جاری ہونا دشوار ہے اور بہت سی پیاری آوازیں جو عجم کی زبان میں مروج ہیں عرب میں ندارد اور یہ عیوب ایسے ہیں کہ نہ صرف عربی زبان بلکہ سامی زبانوں میں سے کوئی ایک بھی یہ صلاحیت نہیں رکھتی کہ عالمگیر زبان یا انسان کے کسی بڑے طبقے کی زبان بن سکے بلکہ کتابی الہام کے لئے جو ایک خاص بات لازمی تھی وہی ان زبانوں میں مفقود ہے جس سے یہ زبانیں کتابت میں کسی کمال کے ساتھ آہی نہیں سکتی۔ گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبانیں کتابت کے لئے موضوع ہی نہیں ہوئی تھیں۔ ان کا رسم خط اس درجہ ناقص ہے کہ دراصل ان کا لکھنا ان پر ظلم کرنا تھا۔ اور میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر خدا کو لسانی معجزہ دکھلانا ہوتا تو بجائے کسی زبان مثل عبرانی یا عربی کے وہ سنسکرت سی کسی ایرین زبان کو منتخب کرتا جو باعتبار نوشت خواند کے دنیا کی تمام زبانوں سے نسبتاً کامل ہے۔ اور عیوب سے پاک۔ خصوصاً اگر خداوند کریم کو یہ منظور ہوتا کہ جو کچھ میں کلام کروں وہ تحریر میں آئے اور کتاب بن جائے کیونکہ ان زبانوں کا رسم خط ان زبانوں کی کتابت کے لئے بدرجہ کمال موضوع ہے شاید اسی قدر کافی ہوگا کہ میں یہاں علامہ سید علی بلگرامی کے چند خیالات کو ناظرین کے روبرو پیش کروں جو انہوں نے کسی اور موقع پر اپنے دیباچہ " تمدن عرب " میں ظاہر فرمائے:

"ان آریوی زبانوں کے خط میں بہت مفید امر یہ ہے کہ ان میں اعراب حروف کے ذریعے سے ظاہر کیا جاتا ہے برخلاف اس کے سامی ( ) زبانوں میں اعراب چند اختراعی علامات کے ذریعے سے دکھایا جاتا ہے۔ جن کو زبر، پیش ، اور تنوین کہتے ہیں۔ یعنی ایک زبان میں تو اعراب لفظ کا جزہے اور کتابت میں التزاماً لکھا جاتا ہے اور دوسری میں ایک اعراب ایک خارجی علامت ہے جس کا لکھنا یا نہ لکھنا کاتب کی مرضی پر موقوف ہے اور حوانی الواقع ہمیشہ متروک ہوا کرتا ہے۔

اس تشریح سے معلوم ہوگا کہ بلحاظ خط کے آریوی زبانوں میں عبارت کا پڑھنا بمقابل سامی زبانوں کے کس درجہ آسان ہے۔ یعنی آریوی زبان میں ہر ایک لفظ ایک ہی طرح پڑھا جاسکتا ہے اور اس کے تلفظ میں دوسری کوئی شق نہیں ہوتی۔ برخلاف اس کے محض خط کے لحاظ سے سامی لفظ کو تین چار بلکہ اس سے بھی زیادہ طریقوں میں پڑھ سکتے ہیں۔ مثلاً عربی میں کَتَبَ کے لفظ پر اعراب نہ دیں تو اس کو کَتَبَ یا کُتِبَ یا کُتُبُ پڑھ سکیں گے اور ان تینوں صورتوں میں سے کسی خاص صورت کا قرار دینا سیاق عبارت پر موقوف ہوگا برخلاف اس کے اگر ان الفاظ کو سنسکرت یا یونانی یا رومی حروف میں لکھا جائے تو مطلق شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہے گی اور ان تینوں میں سے جو لفظ مقصود ہوگا وہ صاف وصریح طور پر اور بلا احتمال غلطی پڑھا جاسکے گا بلکہ اس کا کسی دوسری طرح پڑھنا ناممکن ہوگا۔ اسی وجہ سے بلا صرف ونحو اور لغت سے واقف ہوئے عربی کی عبارت کا صحیح پڑھنا محالات سے ہے برخلاف اس کے ایک بچہ بھی صرف حروف شناسی کے بعد سنسکرت یا یونانی یا لاطینی کی عبارت کو بلا تکلف اور بغیر معنی سمجھے ہوئے پڑھ سکتا ہے۔

"جب کہ سامی خط کی یہ حالت ان زبانوں میں ہے جن کے لئے وہ خط ایجاد ہوا اور جن کے ساتھ اس کو خاص مناسبت ہونی چاہیے تو وائے برحال ان السنہ کے جو اردو اور فارسی کی طرح آریوی ہیں جن سے اس خط کو مطلق مناسبت ہی نہیں اور جن پر وہ خط صرف عربوں کی ملکی اور تمدنی حکومت کی وجہ سے مسلط ہوگیا ہے۔ ایسی صورت میں ہر ایک لکھا ہوا لفظ متعدد وطرح پڑھا جاسکتا ہے اور جب تک پڑھنے والے کو اس لفظ کا علم پہلے سے نہ ہو۔ وہ ہر گز اس کے درست تلفظ پر قادر نہیں کرسکتا۔ یہ کہنا چاہیے کہ ہر ایک لکھاہوا لفظ ایک خاص خیال کی تصویر ہے جس کی آواز کو اس کے اجزائے ترکیبی سے کوئی تعلق نہیں اور ہے تو بہت ہی خفیف۔

"بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس ناجنس خط نے اردو کی پڑھائی کو کس درجہ مشکل کردیا ہے اور کچھ تعجب کی بات نہیں کہ ہمارے مکتبوں کے بچوں کو محض درست عبارت خوانی کرنے کے لئے دو سال درکار ہوتے ہیں۔ اس اشکال کا بہت بڑا اثر ہم مسلمانوں کی تعلیمی ترقی پر پڑرہا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو طبقات امم انسانی ہیں ہمارے طبقے کی کسی قوم میں ناخواندگی ہر گز اس درجہ عام نہیں ہے جیسی ہم میں اور خواندہ اشخاص کی تعداد انہیں مسلمانوں میں زیادہ ہے جنہوں نے اپنے کو اس ناجنس خط کی زنجیر سے چھڑالیا ہے۔ یعنی سندھ اور بمبئی اور مشرقی بنگال کے مسلمان جو اپنی زبان کو سندھی اور گجراتی اور بنگالی کے آریوی خطوط میں لکھتے پڑھتے ہیں۔" (دیباچہ مترجم صفحہ 61و62)۔

عربی رسم الخط کی خرابی اور اس کا اثر قرآن شریف پر

پچھلے زمانہ میں قرآن کی کتابت کی صحت کے لئے مصنوعی بندشیں کی گئیں ہیں۔ جن کی وجہ سے ان مسلمانوں کی آنکھوں سے یہ عیوب اوجھل ہوگئے اور زمانہ حال کے مطبوعہ قرآن پڑھنے کے عادی ہیں۔ اگر ان عیوب کو ہم سلف کی آنکھوں سے دیکھیں تو وہ جو اب ذرّہ نظر آتا ہے پہاڑ سا دکھائی دے گا۔ اس رسم خط کی خرابی نے ہزاروں اختلافات قرات پیدا کردئے جو کبھی بھی نہ مٹیں گے۔ ملاُ حسین واعظ اپنی تفسیر کے دیباچہ میں فرماتے ہیں کہ " قرات جائز التلاوۃ بہت ہیں اور قاریوں کا اختلاف حروف والفاظ میں بے شمار۔ میں نے ان اوراق میں اس معتبر قرات کو اختیار کیا ہے۔ جس کی روایت بکر نے امام عاصم رحمتہ اللہ سے کی ہے جو اس ملک میں بہت مشہور ہے۔ اور قابل اعتبار قرار دی گئی ہے اور بعض کلمات کی طرف جس میں حفص نے اختلاف کیا اور جس کے باعث قرآن کے معنی میں پورا تغیر ہوجاتا ہے جا بجا اشارہ کیا گیا ہے۔"

یہ تو اسلامی تاریخ کے زمانہ متوسط کا حال ہے۔ اگر اس کے ابتدائی زمانے کا حال دیکھا جائے اور وہاں کا اختلاف قرات سنا جائے۔ تو الامان اس کی تفصیل ہم رسالہ تاویل القرآن باب سوم فصل دوم میں کرچکے۔ ضرورت اعادہ نہیں جس کی اصلاح بھی نہ ہوسکتی تھی اور مصلحین کو سوائے اس کے

کوئی تدبیر نہ سوجھی کہ ان اختلافات کو جبراً مٹائیں اور محو کردیں علاوہ اس کے یاد رکھنا چاہیے کہ اور بھی دقتیں ہیں جن سے بچنا محال ہے۔

توریت خدا کا کلام ہے چاہے جس معنی میں ہو اس کی نسبت تو لوگوں کو غلط فہمیاں ہورہی ہیں۔اہل اسلام قرآن کو خدا کا کلام مانتے ہیں۔ یہاں جو اختلاف ہورہا ہے کسی پر پوشیدہ نہیں اور اختلاف بھی عوام کے درمیان نہیں بلکہ علما کے درمیان اور وہ اختلاف بھی ایسا کہ حشر تک مٹنے کا نہیں۔ قرآن خود بتلاتا ہے کہ اس میں بعض آیات محکمات ہیں بعض متشابہات۔ متشابہات وہ جن کی تاویل انسان کے امکان علم سے باہر ہے جن کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ مایعلمہ تاویلہ الا اللہ۔ بلکہ جن کی نسبت سوچ بچار سے بھی لوگوں کو بازرکھا اور ڈرادیا کہ جو ان کے معنی کے درپے ہوں وہ فتنہ کے پیچھے لگے ہیں۔ کلام متشابہ کا ماخذ انسان کی زبان کا اصلی نقص ہے اس میں کلام کرکے گویا کلام کو ضائع کردیا اور اس کی قیمت صفر رہ گئی اور مقصود فوت ہوگیا۔

الہام کی حقیقت

پس جب ہم اس حقیقت پر غور کرتے ہیں کہ خدا نے نہ تو ہمارے لئے کوئی نئی عالمگیر زبان خلق کی جو بڑا معجزہ بلکہ خالص معجزہ ہوتا۔ نہ اس نے ہماری زبان کے عیوب کی اصلاح کی جو مشابہ معجزہ ہوتا اور صرف یہی دو طریقے تھے کہ جن سے ہماری زبان الہیٰ معجزہ کا محل بن سکتی تو اب صرف ایک ہی طریقہ باقی رہ گیا جو معجزہ تو ہے مگر زبان کا معجزہ نہیں بلکہ دل کا معجزہ اور حقیقت میں صرف اسی کو خدا نے اپنی مرضی بندوں پر ظاہر کرنے کے لئے منتخب کیا ہے۔ علمہ الانسان مالمہ یعلمہ جس سے اس نے انسان کو وہ کچھ سکھلادیا جو وہ ہر گز نہ جانتا تھا۔ جس تک پہنچنے کی اس کو طاقت نہ تھی۔

صاحبِ اعجاز التنزیل کسی جگہ سے بشپ مڈلٹن کا یہ قول اپنے خیال کی تائید میں پیش کرتے ہیں کہ "یونانی توریت اور انجیل سے بالکل جہالت اور وحشیانہ پن ظاہر ہوتا ہے اور جملہ عیوب سے جن کا کسی زبان میں پایا جانا ممکن ہے بھری ہوئی ہیں۔" مگر ہم کو ازروئے فطرت کے خود بخود یہ توقع ہوتی ہے کہ الہامی زبان کو سلیس ولطیف اور عمدہ پر اثر ہونا چاہیے اور اس کا عام کلام کی قوت اور اثر سے بھی متجاوز ہونا ضرور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی چیز ایسی نہیں ہوسکتی جس میں کسی قسم کا نقص ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو افلاطون کی سی لطافت اور سسرو کی سی بلاغت کا متوقع ہونا چاہیے۔" صفحہ 168۔اگر ہم کو پتہ نشان بتایا جاتا ہے تو ہم جانچ لیتے کہ بشپ صاحب نے دراصل کیا کہا اور کس منشا سے مگر ہم اس رائے سے متفق نہیں ہوسکتے۔ توریت اور انجیل میں " جہالت ووحشیانہ پن" مطلق نہیں بلکہ فطرتی لطافت اور بلاغت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ گو وہ اس قسم کی نہ ہو جو افلاطون یا سسرو کی تھی۔ کلام کی قوت واثر جو ہے اس کو سارا عالم مانے ہوئے ہے انکار نہیں ہوسکتا جس کا عشر عشیر بھی افلاطون یا سسرو کو نصیب نہیں ہوا۔ پروفیسر حمید الدین نے جو شاید علم بلاغت پر کوئی عمدہ کتاب لکھوارہے ہیں خوب فرمایا ہے کہ " ایک عمدہ اور پر اثر مضمون نحو وصرف کی معمولی پابندیوں میں مقید رہ کر ادا نہیں ہوسکتا۔ اس حالت میں الفاظ مضمون کا حجاب بن جاتے ہیں اور اس وجہ سے مضمون اس حجاب کو چاک کرکے دل میں اتر جاتا ہے۔ حسن کلام الفاظ کا پابند نہیں اور کہ بلیغ دراصل مضمون ہوتا ہے نہ کہ الفاظ۔"

(الندوہ دسمبر 1905ء صفحہ 9)

مگر ہم پوچھتے ہیں کہ کیا انسانی توقع الہیٰ حقیقت کی معیار ہوسکتی ہے؟ اگر ہم کو توقع کرنے کی اجازت دی جائے تو ہم خدا کے کلام سے یہ توقع رکھیں گے کہ وہ لوح محفوظ پر وسط آسمان میں لکھا ہوا نظر آئے۔ بلکہ آسمان کے اوپر ستاروں کی روشنی میں کندہ پڑھا جائے۔ بلکہ اس کا لفظ لفظ بجلی اور گرج کی طرح روشن اور ناطق ہوتا اور اس کا مفہوم ایسا کھلا ہوا، جیسے بھوک پیاس کے درکار۔ مگر ہم خدا کے کلام میں ایسی کوئی صفت نہیں پاتے۔ خود باری تعالیٰ جس نے آفتاب کے وجود کو عالم پر بارز کیا اپنے وجود کو مستتر رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ آفتاب کے وجود کا انکار کرنے والا کوئی نہ ہوا مگر اس کا انکار کرنے والے لاکھوں۔ پس جو لوگ اپنی آرزؤں کے موافق الہام الہیٰ کو پانا چاہتے ہیں وہ خطا پر ہیں اور غلطی میں پڑینگے۔

اب غور کرنا چاہیے کہ انسان کو علم کے صرف تین ذریعے حاصل ہیں۔ جو کچھ وہ جانتا ہے یا تو اس نے دوسروں سے حاصل کیا بلاذاتی مشقت کے یا اس نے اپنے قوائے ذہنی پر زور ڈال کر خود کچھ نکال لیا یعنی جو اس کی اپنی دماغی محنت کا نتیجہ ہے یا وہ جو نہ دوسروں سے اس نے مستعار لیا نہ اپنے

قوائے عقلیہ کو ان کی تحصیل کے لئے کافی سمجھا اور حواس کو خود بخود کسی ساعت سعید میں مل گیا جب اس کے ذہن میں ایک بجلی سی کوند گئی اور تاریکی دور ہوگئی اور اس نے کچھ پالیا جس تک وہ اپنی قوت سے نہیں پہنچ سکتا تھا ، اسی کو الہام اور وحی کہتے ہیں۔ دینی صداقتیں سب اسی سے انسان کو حاصل ہوئیں۔خدا کی یہ نعمت بلکہ شاعری کی طرح عام ہے۔ جس پر کثرت سے نازل ہونے لگتی ہے وہ خدا کا نبی یا رسول کہلاتا ہے۔ خدا انسان کے دل پر اپنا فیض نازل کرتا ہے۔ اس کو اپنی معرفت سے پر کرتا ہے اور تب وہ اپنے دل کی بھرپوری کو اپنی زبان کے ذریعے اگلنے لگتا ہے۔ اور جس طرح شاعر کے کلام کو زیادہ خوبی سے وہ سمجھ سکتا ہے جس کی طبیعت کو شعر کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے اسی طرح نبی کے کلام کو بھی سمجھنے کی قابلیت اسی میں زیادہ ہوتی ہے جس کو اس کے ساتھ مناسبت ہو۔ یوں خدا اپنے بندوں کے دل پر اپنا معجزہ کرتا ہے اور بندے اپنی زبان کو آپ کام میں لاتے ہیں ۔ الفاظ بندے کے اپنے ہوتے ہیں نفسِ مضمون الہیٰ ہوتا ہے۔ مگر جب انسان ایک الہیٰ تاثیر کے نیچے ہو کر کلام کرتا ہے اور اس کا کلام الہیٰ مضامین کا ظرف واقع ہوتا ہے تو اسی کلام کو جو بندے کا کلام ہے مجازاً خدا کا کلام کہا جاتا ہے ۔ کہ ۔

"کتاب مقدس کی کسی نبوت کی بات کی تاویل کسی کے ذاتی اختیار پر موقوف نہیں کیونکہ نبوت کی کوئی بات آدمی کی خواہش سے کبھی نہیں ہوئی۔ بلکہ آدمی روح القدس کی تحریک کے سبب سے خدا کی طرف سے بولتے تھے۔"

(انجیل شریف خط دوم حضرت پطرس رکوع 1 آیت 20و21)۔

کلام وہی کرتے تھے او رکلام ضرور ان کا اپنا تھا۔ مگر اس کلام کی تہ میں ان کے نفس کی تحریک نہ تھی بلکہ روح القدس کی تحریک اور اسی الہیٰ اثر کے تحت میں وہ بولتے تھے۔

اس مطلب کو ہم قرآنی الفاظ میں یوں ادا کرسکتے ہیں۔ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الاّ وحی یوحی (سورہ نجم ع)وہ نہیں بولتا اپنی خواہش سے اس کا کلام بجز وحی نازل شدہ کے کچھ نہیں۔ چنانچہ اسی معنی کو دوسری جگہ زیادہ صفائی سے بیان کیا۔ نزلہ بہ الروح الامین علی قلبکہ لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین۔ لے اترا اس کو روح الامین اوپر تیرے دل کے تا ہوجاوے تو ڈرانے والوں میں کھلی عربی زبان میں۔اگر یہ سچ ہے تو پھر قرآن کیا ہے ؟ ایک آسمانی مضمون جس کو روح القدس نے تیرے دل کے اوپر نازل کیا تو تو کھلی عربی زبان میں مثل اور ڈر سنانے والوں کے لوگوں کو ڈروائے ۔ وحی کا محل اور روح القدس کی تحریک کا محل انسان کا قلب ہے۔ زبان انسان کی اپنی ہے۔ کلام وہ اپنا کرتا ہے۔ مگر مضمون اس میں الہیٰ ہوتا ہے۔ کلام الہیٰ نہیں، بلکہ انسانی ، مضمون آسمانی اور الہیٰ اور الہامی ہوتا ہے۔ خدا انسان کی بولی پر تصرف نہیں کرتا کیونکہ یہ تو انسان کی اپنی ایجاد ہے مگر دل جو خدا کا بنایا ہوا ہے خدا اس پر اپنا خاص تصرف کرتا ہے۔ یہ آیات جو انجیل وقرآن سے ہم نے پیش کیں یہ محکمات کی قسم سے ہیں جن کے معنی دریافت کرنا مشکل نہیں اور بہت صاف طور سے ہماری سمجھ میں آجاتی ہیں۔ اور اگر یہ مضمون ہمارے ذہن نشین ہوجائے تو پھر ہم کو اس کی حقیقت دریافت کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی جو قرآن میں لکھا ہے۔ ماارسلنا من رسول الابلسان قومہ ۔ ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اپنی ہی قوم کی بولی بولتا ہوا۔انسان کی زبانیں مختلف ہیں۔ انسان مختلف نہیں اور نہ ان کے دل مختلف ۔ سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ سب بھائی بھائی ۔ صوفیوں کی اصطلاح میں اطفال اللہ وعیال حضرت ، مسیحیوں میں ایک خدا کے فرزند ۔ کیوں خدا نے سب رسولوں کو ایک ہی زبان بولتا ہوا اپنے بندوں کے پاس نہیں بھیجا ؟ کیونکہ اس کو انسان کی زبان پر تصرف کرنا منظور نہ تھا۔مگر سب قوموں میں سے اپنے رسول اور پیغامبر بھیجے کیونکہ سب قومیں اس کی نگاہ میں ایک ہیں۔ سب کے دل ایک ہی طرح مہبط وحی والہام ہوئے ۔ جس طرح اور نبی اپنی اپنی قوم کی زبان بولتے آئے کوئی عبرانی بولا۔ کوئی سریانی کوئی یونانی اسی طرح قرآن میں عربی زبان سے کلام کیا گیا۔

جس طرح اور ملکوں کے رسولوں کے دل پر روح القدس نے تصرف کیا وہ اپنی اپنی زبان میں اپنی اپنی قوم سے بول اٹھے بجنسہ اسی طرح جب عرب کے رسول کے دل پر تصرف کیا تو وہ عربی زبان میں اپنی قوم عرب سے مخاطب ہوئے۔

زبان خدا کی نہیں بلکہ انسان کی ہے ۔ پس قرآن کی عربی بھی انسان کی عربی سے نہ خدا کی خدا کی زبان نہ عبرانی ہوسکتی ہے نہ سریانی اور عربی۔ بلکہ ایسا کہنا کہ خدا عربی بولا یا عبرانی بولا ایک بے معنی کلام ہے۔ خدا کی بولی وہ نہیں جو ہماری زبان اور ہونٹوں اور تالو کے باہم رگڑنے سے پیدا ہوتی ہے اور پھر ہوا کے ذریعے ہمارے کان کی جھلی پر موثر ہو کر آواز بنتی ہے۔ خدا روح ہے اور روح

کے اوپر تصرف کرتا ہے اور روحانی وسائل سے انسان کے دل کو اپنے قبضہ میں لاتا ہے نہ کہ اس کے کان اور زبان کو۔

مسلمانوں کی غلط فہمی قرآن کی نسبت

اگر ان باتوں پر ذرا بھی غور کیا جائے تو یہ کہنا کہ خدا عربی بولتا تھا یا اپنی عربی کو فصیح و بلیغ بناتا تھا یا وہ شعرائے عرب کے ساتھ مشاعرہ میں ان کو جیتنا تھا اور ان سے تحدی کرتا تھا بالکل کفر معلوم ہوگا۔ اور کہنا پڑیگا کہ جنہوں نے ایسا خیال کیا اب ان کو تضرع کے ساتھ اقرار کرنا چاہیے ۔ ماعرفناك حق معرفتك .

حقیقت تو یہ ہے کہ ہم کسی کلام کو جو اصوات اور حروف سے مرکب ہو خدا کا کلام کہہ بھی نہیں سکتے، اس کو صرف اس معنی میں خدا کا کلام کہتے ہیں کہ وہ ہم کو ایک ایسے شخص کی زبان سے ملا جو روح القدس کی تحریک قلبی کی وجہ سے خدا کا رسول کہلاتا تھا اور یہ کلام جو اس معنی میں خدا کا کلام ہے ضرور ہے ایک پہلو سے اپنی ذات میں بے مثل بھی ہوا اور کوئی بشر اس کی مانند نہ کہہ سکے یعنی جب تک روح القدس کا فضل اس کے شامل حال نہ ہو۔ پس ہر کلام جو تحریک روح القدس کی وجہ سے رسول یا نبی کے منہ سے نکل گیا خواہ سنسکرت میں ہو یا پالی میں یونانی یا عربی میں بے مثل ہے۔ ع

سخن کز بہر دیں گوئی چہ عبرانی چہ سریانی

اور بغیر تائید الہیٰ کے کوئی شخص اس کی مثل بنانے اور کہنے پر قادر نہیں ہوسکتا۔ دیکھو قرآن نے بھی تحدی کو قطعی نہیں کیا بلکہ مشروط رکھا واد عو شهداء كمه من دون الله واد عو امن استطعتم من دون الله۔ بلاؤ اپنے حامیوں سے جس کو چاہو سوائے خدا کے یعنی بلامدد خدا کے تم ایسا نہیں کرسکتے گو سب تمہاری مدد کریں ہاں اگر تم خدا کی مدد مانگو اور خدا تمہاری مدد کرے جس طرح اس نے میری مدد کی تو تم بھی قرآن کی مثل لاسکتے ہو۔ پس دنیا کی جتنی کتابیں الہامی ہیں چاہے جس زبان میں اپنے مضامین کے اعتبار سے بے مثل ہیں مگر باہم ایک دوسرے کی مثل۔

پس ان معنوں میں خلیفہ محمد حسن صاحب کا یہ قول درست ہوسکتا ہے کہ " جس کلام کو کلام خدا کہا جائے اس کے جانچنے اور پرکھنے کا یہی طریقہ ہے کہ دیکھا جائے کہ انسان سے اس کا معارضہ ممکن ہے یا نہیں اگر ناممکن ہے تو جان لینا چاہیے کہ وہ کلام، کلام خدا ہے۔" صفحہ 2۔

کلام کا اس طرح بے مثل ہونا من حیث المجموع ہوتا ہے۔ خاص کہ اس کی زندگی بخش تاثیر کے اعتبار سے جس کے باعث گو زمانہ میں انقلاب ہوجائے، مملکتیں تہ و بالا ہوجائیں قومیں مٹ جائیں شہر و ریاستیں نقش قدم کی طرح محو ہوجائیں مگر خدا کا کلام ابدی ہے اس کو ہمیشہ قرار ہے۔

وہ جو خدا کا کلام ہے وہ ابد تک برقرار رہتا ہے۔ اس کا دوام اس کا خاصہ ہے۔ جو کچھ انسان نے اپنی خواہش سے کہا وہ مثل انسان اور اس کی خواہش کے نیست و نابود ہوجاتا ہے۔ مگر جو اس کے ازلی ارادہ کے موافق اس کی روح کی تاثیر سے کہا گیا وہ اس تاثیر کی برکت سے ابدی ثابت ہوجاتا ہے۔ اور یہی معیار ہے جانچنے کا کہ کون کلام ہوا سے کہا گیا اور کون ماینطق عن الھوا۔

جو کچھ غلط فہمی اہل اسلام کو ہوئی وہ اس بات کے نہ سمجھنے سے ہوئی کہ کسی کلام کو کلام خدا کس معنی میں کہتے ہیں۔ انہوں نے ظاہرا ایک سیدھی سادی (مگر دراصل انتہا درجہ کی پیچیدہ اور مہمل) بات یہ سمجھ رکھی ہے کہ جس طرح دیوان حافظ لسان لغیب حضرت خواجہ حافظ شیرازی کا کلام ہے اسی طرح قرآن شریف خدا عزوجل کا کلام ہے اب راستہ آسان ہوگیا۔

جتنا ہی کوئی مصنف قابل ہوتا ہے اتنا ہی اس کا کلام بھی عمدہ و شائستہ ہوتا ہے۔ جب کوئی عرب کا شاعر کچھ کلام کہتا ہے تو وہ نہایت ہی فصیح و بلیغ ہوتا ہے۔ اگر خدا نے کلام کیا تو پھر اس کی فصاحت و بلاغت بھی سبحان اللہ، نہ خدا سے بہتر کوئی کلام کرسکتا ہے نہ اس سے بہتر کسی کا کلام فصیح و بلیغ ہوسکتا ہے۔ کلام الملوک ملک الکلام یہ تو مشہور مثل تھی جب قرآن خدا کا کلام مانا گیا تو اب اس کو ایسا فصیح و بلیغ ماننے میں کیا دیر کہ وہ طاقت بشری سے خارج ہو۔ نہیں اور ایک قدم آگے بڑھیں گے خدا ایک طاقت ذات قدیم ہے۔ اس کا کلام بھی قدیم ہوگا۔ پس قرآن کو جو کلام خدا مانا تو یہ بھی مان لیا کہ نہ صرف وہ اعجازی فصیح و بلیغ ہے بلکہ وہ قدیم بھی ہے۔

ان لوگوں کا قول کسی حقیقت اور واقعہ پر مبنی نہیں بلکہ ایک عقیدہ پر مبنی ہے بلکہ اس عقیدہ کی ایک غلط فہمی پر ۔ ان لوگوں نے نہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کو پرکھا تھا نہ قرآن کو جہان

کی کتابوں سے مقابلہ کرکے دیکھا۔ نہ فصاحت وبلاغت کے اصول پر غور کیا اور نہ کلام خدا کے قدیم ہونے پر۔ دیوانہ راہوئے بس است۔ چونکہ یہ فقرہ مان لیا کہ قرآن کلام خدا ہے پس اس کی بدولت یہ سب مان لینا کہ وہ اعلیٰ درجہ میں فصیح وبلیغ ہے اور قدیم بھی ہے مگر جب لوگوں کا جوش ٹھنڈا ہوا، صبر کرکے سوچنے بیٹھے تو بعضوں نے کہا کہ کیونکروہ کلام جوانسانی اصوارت وحروف سے مرکب ہے اور جو بشر کی خلقت کے بعد اس کی حالت تمدن کا نتیجہ تھا، کیونکروہ کلام قدیم ہوسکتا ہے ضرور ہم نے غلطی کی قرآن قدیم نہیں ہوسکتا۔ اب اسی طرح اس بات پر غور کرنے کا موقع ہے کہ جو کلام بشر کی زبان سے ہم کوملاوہ کیونکر طاقت بشری سے خارج ہوسکتا ہے۔ کلام خداوہ ایک روحانی اور مجازی معنی میں ہے۔ کچھ ضرور نہیں کہ وہ قدیم ہویا فصیح وبلیغ ہو۔ اگر فصیح ہو یا اعلیٰ درجہ میں فصیح ہو یا فصاحت میں لاثانی ہو تو فبہا۔ اگر نہ ہو تو شکایت نہیں۔ غیر فصیح ہو کر بھی کلام خدا رہیگا۔ جب قرآن نے صاف صاف بتلادیا کہ ہر نبی اپنی ہی قوم کی بولی بولتا آیا تو ثابت ہوگیا کہ سب سے پہلے وہ اپنی ہی بولی بولاہوگا۔ یعنی اگر نبی شاعر تھا تواس نےوحی الہٰی کوشعر میں ادا کردیا۔ اگر فصیح تھا تو فصیح عبارت میں اگراس کی یا اس کی قوم کی زبان غیر فصیح یا کرخت یا ناقص یامکروہ تھی تواس نےوحی کواسی قسم کی گنواری وخراب زبان میں ادا کردیا۔ غرضیکہ وحی مثل آسمانی پانی کے ہے جوہر قسم کے ظرف میں انڈیل دی گئی جس میں اس ظرف کا رنگ دبو بھی جھلکتا ہے۔

باب دوم

کوئی کلام خدا کا کلام کس معنی میں کہا جاسکتا ہے؟

قرآن کی نسبت شاہ ولی اللہ کا خیال

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے ایک نہایت عمدہ خیال ظاہر فرمایا تھا جس کو افسوس ہے کہ سرسید مرحوم نے رد کرنے کے لئے ان کی تفہیمات الہیٰہ سے نقل کیا۔" الفاظ قرآن توہی لغت عربی ہیں جن کو محمد ﷺ جانتے تھے اور جن کو خیال میں لاتے تھے لیکن معنی اس کے آپ کو غیب سے حاصل ہوتے تھے۔ لغرض تعلیم آنحضرت ﷺ کے اور بغرض ہدایت خلق کے۔ پس وہ الفاظ کلام اللہ ہوگئے کیونکہ بنی آدم کی خیر اندیشی آنحضرت میں مدت تک رہی۔ وہی تھی جس نے جمع کیا الفاظ کو اور قرآن کی نظم کو پھر اسی نظم میں مشغول رہے پھر اسی مضمون کو ایک ایسا لباس پہنایا جو جبروف کے مشابہ ہوا۔ پس اس وجہ سے وہ ہدایت الہیٰ ہوگیا اور اس کا نام کلام اللہ پڑگیا۔" (تحریر فی اصول تفسیر الاصل رابع صفحہ 3)۔

سرسید احمد کا خیال

سراحمد شاہ صاحب کے اس قول کو" عقل اور نفیس الامر دونوں کے مخالف" بتلاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ " میں : اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ صرف مضمون القا کیا گیا اور الفاظ آنحضرت ﷺ کے ہیں۔ جن سے آنحضرت نے اپنی زبان میں جو عربی تھی اس مضمون کو بیان کیا۔"

سید احمد صاحب نے دوآئتوں سے استدلال کیا۔ ایک تووہی جو ہم اوپر نقل کرچکے۔ نزلہ بہ الروح الامین علے قلبکہ ، دوسری سورہ یوسف کی آغاز کی انا انزلنا قراناً عربیاً لعلکمہ تعلقون ہم نے قرآن عربی میں نازل کیا شاید کہ تم سمجھ لو۔ یہ دوسری آیت بجنسہ وہی

مضمون ادا کرتی ہے جو ماارسلنا من رسول الا بلسان قومه ليبين لهمه ۔ ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر بولی بولتا اپنی قوم کی تاکہ ان کے لئے وہ (حکم الہیٰ) کھول کر بتائے ۔ (سورہ ابراہیم کا شروع) پس آیت کے معنی اس سے زیادہ نہیں کہ ہم نے محمد ﷺ کو تو اس کی قوم عرب کے پاس بھیجا کہ وہ ان کی زبان میں ہمارا حکم ان تک پہنچادے ۔

شاہ صاحب کے خیال کے مخالف عقلی دلیل سرسید احمد نے پیش کی کہ " کوئی مضمون دل میں مجروعن الالفاظ آہی نہیں سکتا ہے۔ اور نہ القا ہوسکتا ہے ۔ تخیل اور تصور کسی مضمون کا مستلزم ان الفاظ کے تخیل یا تصور کا ہے جن کا وہ مضمون مدلول ہے۔"

الفاظ تصورات کا فرق

تصور الفاظ سے مقدم ہے جیسے لفظ حروف سے ۔ الفاظ تصور کے اظہار کے لئے وضع ہوئے جیسے حروف الفاظ کی حفاظت کے لئے اور جوکچھ ایجاد زبان کے متعلق ہم کہہ چکے اس سے معلوم ہو گیا کہ تصور ہمیشہ مجروعن الالفاظ ہوتا ہے۔" تصور کو جوکچھ تعلق ہے وہ حقیقت اشیاء سے ہے نہ ناموں سے جن کو الفاظ کہتے ہیں۔ اگر بلاالفاظ تصور ناممکن تھا تو پھر گونگے اور بہرے جو لطف زبان سے فطرۃ بے بہرہ ہیں، وہ کیونکر سوچ سکتے ۔ تصور کے ساتھ الفاظ کی شرط لگانا ویسا ہی ہوگا جیسا کوئی کہے کہ تار بابو تمام اخبار کو ڈاٹ اور بار کی کھٹا کھٹ ہی کے ساتھ سوچتا ہے۔

الفاظ کی ضرورت صرف اس وقت لاحق ہوتی ہے جب ہم اپنا مانی الضمیر دوسروں پر ظاہر کرنا چاہتے ہیں ۔ بعض لوگ کئی کئی زبانیں جانتے ہیں تو کیا وہ اپنے خیالات کو مختلف زبانوں کے الفاظ میں سوچا کرتے ہیں جو ہر زبان میں ان کو ادا کردینے پر قادر ہوتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ مضمون دل میں مجروعن الالفاظ ہی القا ہوتا ہے اور ہم اس کے اظہار کے لئے مابعد کبھی نثر اور کبھی نظم کے الفاظ و ترتیب کی تلاش کرتے ہیں مضمون کی مرمت نہیں کرتے پھر بھی الفاظ کی مرمت کیا کرتے ہیں۔

شرح مواقف میں کلام خدا کے قدیم ہونے کی بحث پر قاضی عضدو علامہ سید شریف نے ایک بات کہی جو بالکل ہمارے اپنے خیال سے مطابق ہے اس کو بھی سرسید مرحوم نے تفسیر سورہ اعراف میں " حقیقت کلام خدا " کی ذیل میں بطور خلاصہ بغرض تردید نقل کیا ہے وہوہذا: ہم ایک امر ثابت کرتے ہیں اور وہ معنی ہیں قائم بالنفس جس کو لفظوں سے تعبیر کیاجاتا ہے ۔ وہی حقیقت میں کلام ہے اور وہی قدیم اور وہی خدا تعالیٰ کی ذات میں قائم ہے۔ پس دوسرے قیاس کا جو دوسرا جملہ ہے کہ خدا کا کلام لفظوں اور حرفوں کی ترتیب سے مل کر بنا ہے، اس کو نہیں مانتے اور ہم یقین کرتے ہیں کہ معنی اور عبارت ایک نہیں ہیں کیونکہ عبارت تو زمانہ میں اور ملک میں اور قوموں میں مختلف ہوجاتی ہے اور معنی جو قائم بالنفس ہیں وہ مختلف نہیں ہوتے۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ان معنوں پر دلالت کرنا بھی لفظوں ہی میں منحصر نہیں ہے کیونکہ ان معنوں پر کبھی اشارہ سے اور کبھی کنایہ سے اسی طرح دلالت کی جاتی ہے جیسے عبارت سے۔ اور مطلب جو کہ ایک معنی ہے قائم بالنفس وہ ایک ہی ہوتا ہے اور کچھ متغیر نہیں ہوتا باوجودیکہ عبارتیں بدل جاتی ہیں اور دلالتیں مختلف ہوجاتی ہیں۔ جو چیز متغیر نہیں ہوتی وہ تو معنی قائم بالنفس ہیں اور وہ اس چیز سے جو متغیر ہوجاتی ہے یعنی عبارت سے علیحدہ ہیں۔ جلد 3 صفحہ 83و84۔

یہ خیال فلسفیانہ ہے مولویانہ نہیں اور بہت سے اعتقادی امور کے مخالف سرسید فرماتے ہیں ۔" جو کچھ قاضی عضد وعلامہ سید شریف نے فرمایا ہے مذہب اہل سنت والجماعت کا ہے ۔" مگر اس بیان میں صریح نقص یہ ہے کہ اگر اس کو تسلیم کرلیا جائے تو جو الفاظ قرآن مجید کے ہیں وہ خدا کے لفظ نہیں رہتے بلکہ اس کے لفظ ہوتے ہیں جس میں وہ پیدا کئے گئے خواہ وہ جبرائیل ہوں یا نبی اور چونکہ وہ کلام انہیں لفظوں سے مرکب ہوا ہے تو وہ کلام بھی اسی شخص کا ہوا نہ خدا کا۔"

اور ہم کہتے ہیں کہ سچا قیاس وہی ہے جس کو سرسید احمد ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ قرآن کی تعلیم کے موافق صرف مضامین یعنی معنی الہیٰ ہیں اور الفاظ وعبارت غیر اللہ کی ایجاد خواہ وہ جبرائیل ہوں یا نبی حتیٰ کے صاف الفاظ میں لکھ دیا۔ انه لقوى رسول كريمه ماهو بقول شاعر (حاقہ ع2) کہ قرآن فی الحقیقت رسول کریم کا قول ہے کسی شاعر کا نہیں۔

مفسرین میں سے بعض نے رسول کریم سے نبی کی ذات مراد لی ہے۔ بعض نے جبرائیل۔ مگر یہاں اثبات ونفی کا تقابل ایسا برجستہ ہے کہ رسول سے مراد سوائے نبی کے اور نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ کفار کہتے تھے کہ محمد ﷺ شاعر ہے اور اسی حیثیت سے قرآن کہتا ہے۔ جواب دیا کہ محمد ﷺ نبی

ہے اور اسی حیثیت سے قرآن کہتاہے ۔مگر نبی بھی بشر ہے کیونکہ فرمایا۔ انما انا بشر مثلکمہ ۔ میں بھی مثل تمہارے ایک بشر ہوں۔

پس اگر قرآن قول رسول ہے تووہ ضرور قول بشر بھی ہے اور بایں ہمہ اس کو طاقت بشری سے خارج سمجھنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔

سرسید احمد کے خیالات میں تضاد

ہم کو اس بات پر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ سرسید احمد تقلید کے الجھاؤ سے نکل آنے کے بعد بھی بعض مقلدانہ خیال میں ایسے گرفتار رہے کہ ان کے تمام ابحاث میں تضاد واقع ہوجاتا ہے اور آپ ایک بڑی معقول بحث کے بعد بھی اصرار کرتے ہیں کہ " میرے نزدیک معانی اور الفاظ دونوں قائم بالنفس ہیں اور دونوں قدیم وغیرہ متغیر ہیں۔" سورہ اعراف صفحہ 158 اور لکھتے ہیں کہ " اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ قرآن مجید نہایت اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ فصاحت وبلاغت پر واقع ہے اور چونکہ وہ ایسی وحی ہے جو پیغمبر کے قلب نبوت پر نہ بطور مضمون ومعنی کے بلکہ بلفظ ڈالی گئی تھی جس کے سبب سے ہم اس کو وحی متلو یا قرآن یا کلام خدا کہتے ہیں اور یقین کرتے ہیں ۔اس لئے ضرور تھا کہ وہ ایسے اعلیٰ درجہ فصاحت پر ہو جو بے مثل وبے نظیر ہو۔"

(صفحہ 28 سورہ بقرہ)

اگر آپ کو یہی کہنا تھا توآپ ناحق فصاحتِ قرآن کے اعجاز سے منکر ہو بیٹھے ۔ وہ کچھ توآپ نے محققانہ انداز سے لکھا مگر میں یہ محض تقلیدی اور کمزور خیال ہے جو اس تعریف سے بدلائل باطل ہوجاتاہے جو آپ نے وحی اور نبوت کی ہم کو اپنی تفسیر قرآن میں سنائی ۔چنانچہ آپ فرماتے ہیں اور دلیل کے ساتھ فرماتے ہیں کہ " وحی وہ چیز ہے جس کو قلب نبوت پر بہ سبب اسی فطرت نبوت کے مبدء فیاض نے نقش کیا ہے وہی انتعاش قلبی کبھی مثل ایک بولنے والی آواز کے انہیں ظاہری کانوں سے سنائی دیتا ہے اور کبھی وہ ہی نقش قلبی دوسرے بولنے والے کی صورت میں دکھائی دیتاہے مگر بجز اپنے آپ کے نہ کوئی وہاں آواز ہے نہ بولنے والا۔"

اور آپ بلا تکلف کہتے ہیں کہ " نبی خود اپنا کلام نفسی ان ظاہری کانوں سے اسی طرح پر سنتاہے جیسے کوئی دوسرا شخص اس سے کہہ رہا ہے۔وہ خود اپنے آپ کو ان ظاہری آنکھوں سے اسی طرح پر دیکھتاہے جیسے دوسرا شخص اس کے سامنے کھڑا ہوا ہے۔" سورہ بقرہ صفحہ 24و25 بلکہ اس خیال میں آپ نے یہاں تک ترقی کی کہ آپ جبرائیل کو بھی کوئی وجود فی الخارج نہیں مان سکتے۔" یہ سب کام اسی فطری قوت نبوت کے ہیں جو خدائے تعالیٰ نے مثل دیگر قوائے انسانی کے انبیاء میں مقتضائے ان کی فطرت کے پیدا کی ہے اور وہی قوت ناموس اکبر ہے اوروہی قوت جبرائیل پیغامبر۔" اسی ملکہ نبوت کا جو خدا نے انبیاء میں پیدا کیا ہے جبرائیل نام ہے۔" اگر یہ حق ہے تو وہی خیال درست نکلا جو ہم بیان کررہے ہیں اور سوا اس معنی کے کسی دوسرے معنی میں قرآن خدا کا کلام نہیں ہوسکتا وہ کلام رسول کریم ہے حقیقتاً اور کلام خدا مجازاً جب بولنے والا بجز پیغمبر کے کوئی دوسرا اوجود خارجی نہیں تھا۔ جبرائیل تو محض ایک نام سے ملکہ نبوت کا ۔ پس ہم نہیں سمجھ سکتے کہ قرآن کو ایسی وحی کہنے سے کیا مراد ہوسکتی ہے۔" جو پیغمبر کے قلب نبوت پر نہ بطور معنی ومضمون بلکہ بلفظ ڈال گئی تھی۔" اب تو اس کلام کے لئے مطلق ضرور نہیں کہ وہ" ایسے اعلیٰ درجہ فصاحت پر ہو۔" یا کسی درجہ میں بھی فصیح ہوا گروہ فصیح ہو یا اعلیٰ درجہ پر فصیح ہو یا بیمثل فصیح ہو تو یہ محض ایک اتفاق ہوگا اور اگر مطلق فصیح نہ ہو تو بھی اس کے وحی ہونے میں شک نہ ہوگا۔ اس کی فصاحت دینی مسائل سے خارج ہوگئی محض ایک علمی مسئلہ ہوگیا جس پر بحث کرنا علم الہیٰ کامنصب نہیں بلکہ علم ادب کا رہ گیا۔

سرسید کے لئے تو اس مسئلہ کا حل کرنا نہایت آسان تھا کیونکہ اس بحث کے سلسلہ میں آپ نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ " توریت کی عبارت فصیح نہیں ہے بلکہ عام طور کی عبارت ہے اس لئے کہ علاوہ قومی دستورات وتاریخانہ مضامین کے جو اس کے جامع نے اس میں شامل کئے ہیں جس قدر مضامین وحی کے اس میں ہیں ان کا القاء بھی بلفظ شائد بجز ،احکام عشرہ توریت کے جن کو حضرت موسیٰ نے پہاڑ پر بیٹھ کر پتھر کی تختیوں پر کھودلیا تھا پایا نہیں جاتا۔" (صفحہ 28و29 سورہ بقرہ)۔

حالانکہ احکام عشرہ کی عبارت کا بھی کسی اعلیٰ درجہ فصاحت پر ہونا سر سید احمد تسلیم نہیں کرتے ۔ باوجودیکہ قرآن شریف نے توریت کو اس اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ میں کلام خدا ہونا تسلیم کرلیا جائے جو خود قرآن کو بھی نصیب نہیں جیسا ہم ابھی ثابت کریں گے ۔ پس اگر کلام خدا کے لئے فصاحت کا ہونا کچھ بھی ضرور ہوتا تو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ توریت شریف کو فصیح ہونا چاہیے حالانکہ بقول شما ۔" اس کی عبارت فصیح نہیں بلکہ عام طور کی عبارت ہے۔" پس حاصل یہ ہوا کہ اگر قرآن توریت سے زیادہ فصیح ہے تو اس لئے نہیں کہ وہ اس سے زیادہ کلام خدا ہے بلکہ محض اس لئے کہ محمد ﷺ موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ فصیح تھے اور جیسا ہم کہہ چکے یہ ایک اتفاق ہے اور بس۔

مسلمان یہودیوں کے مقلد

اب اگر تحقیق سے کام لیا جائے تو یہ ثابت ہوگا کہ قرآن نے بلفظ کلام خدا ہونے کا خیال جو مسلمانوں میں عام ہوگیا وہ محض اہل کتاب خصوصاً یہودیوں کے عقیدہ کی تقلید سے پیدا ہوا جو وہ توریت شریف کی نسبت رکھتے ہیں اور جس پر قرآن وحدیث نے جلی قلم سے صاد لکھ دیا۔ جب یہودیوں اور مسلمانوں میں مناظرہ ومخالفت کا بازار گرم ہوا تو مسلمانوں نے سوچا کہ اگر ہم بھی اپنے قرآن کو اسی معنی میں کلام خدا نہ مانیں جس معنی میں ہم توریت کو مان چکے تو یہودیوں کے مقابل ہماری بڑی توہین ہوگی اور وہ ہم کو فخریہ الزام دیں گے کہ تمہارا قرآن توریت سے خود بقول تمہارے گھٹیا ہے ۔ کیونکہ ہم تو اپنی توریت کو بہت کچھ مانتے ہیں اور جو کچھ مانتے ہیں تم اس کی تصدیق کرتے ہو۔ لیکن قرآن کو تم خود اتنا نہیں مان سکتے ۔ پھر ہم پر تمہاری حجت ناتمام رہی۔ اس اعتراض سے بچ جانے کی خاطر مسلمانوں نے بھی قرآن کو لفظی معنی میں کلام خدا مان لیا۔ پھر اس کو قدیم بھی کہا اور پھر اس کو لاثانی فصیح وبلیغ کہہ دیا مگر جیسا ضد کی تمام باتوں کا حال ہوتا ہے، ان میں سے کوئی ایک بات بھی حقیقت پر مبنی نہیں تھی بلکہ سب کی سب ہٹ وتعصب وجھوٹی فخر اور مخالفت اور فتح کی آرزو پر۔

توریت شریف کی شان

قرآن شریف میں لکھا ہے وکتبنا لہ فی الاحواح من کل شی (اعراف ع 17و19)۔ خدا کہتا ہے کہ ۔ہم نے لکھ دیا موسیٰ کے واسطے تختیوں پر ہر ایک شے کو۔ اور فی نسختھا ہدیً ورحمتہً اور اس کے لکھے ہوئے میں ہدایت تھی اور رحمت۔ اور مبادا کوئی شک کرنے والا اس کتاب کی نسبت بہکے ۔ حدیثوں میں وارد ہوا ہوا کہ حضرت آدم نے موسیٰ کو مخاطب کرکے کہا۔ انت موسیٰ اصطفا کہ اللہ بکلامہ و خط لکہ التوراۃ بیدۃ ۔ تو وہ موسیٰ ہے جس کو خدا نے بات کرنے کے لئے چن لیا اور تیرے واسطے اس نے لکھ دی توریت اپنے دست خاص سے (سنن ابی داؤد کتاب السنتہ باب فی تخیر بین الانبیاء اور مسلم کتاب القدر وبخاری پارہ 27 حجاج آدم وموسیٰ) اور مسلم کے اسی بات میں دوسری روایت ہے کہ حضرت آدم نے موسیٰ سے پوچھا. فیکمہ وحدت اللہ کتب التوارۃ قبل ان خلق قال موسیٰ باربعین عاماً ۔ کچھ تم کو معلوم ہوا کہ مجھ کو پیدا کرنے کے لئے کتنے زمانہ پہلے خدا نے توریت کو لکھا موسیٰ نے جواب دیا چالیس سال قبل۔ یہ خیال بھی دراصل یہودیوں کے علماء کا تھا چنانچہ ایک قول ہے کہ توریت شریف خلقت کے دو ہزار برس قبل سے موجود تھی۔ جیسا اڈرشائیم نے اپنی کتاب حیاتِ مسیح میں نقل کیا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اسلام کی تعلیم کے موافق توریت گویا قدیم ہے ۔یعنی تخلیق آدم کے بھی قبل لکھی ہوئی ۔ وہ لفظاً خدا کا کلام ہے اس کی تحریر اس کا خط الہیٰ کتابت ہے خدا کے ہاتھ کا لکھا ہوا۔ اب صرف یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن شریف بجنسہ اسی خیال کو مان لیا جو توریت شریف کے حق میں یہودیوں کا تھا۔

چنانچہ لکھا ہے کہ " جب خدا موسیٰ سے کوہ سینا پر کلام کرچکا تو اس نے موسیٰ کو شہادت کی دو تختیاں دیں۔پتھر کی تختیاں جو خدا کی انگلی کی لکھی ہوئی تھیں۔ (توریت شریف کتاب خروج رکوع 31 آیت 18)۔

توریت کے الفاظ صاف ہیں اور قرآن کے بھی صاف ہیں۔ اپنے ظاہرا معنوں پر دلالت کرتے ہیں۔حدیث کے الفاظ نے معترض کے منہ کو اور بھی بند کردیا بتلادیا کہ قرآن کے الفاظ ٹھیٹھ

عربی معنوں میں استعمال ہوئے پس مفسر کو جو قرآن یا توریت کے معنی کے کھوج میں ہے کچھ دقت نہیں۔مگر ہاں اس کے لئے بڑی مشکل ہے جو ان کتابوں کو اپنے خیالات کے مطابق کرنا چاہے یا مخالفین کے اعتراض دفع کرنے کی کوشش کرے۔

سرسید سورہ اعراف کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔" خدا کی شان اور اس کے تنزہ سے بعید ہے کہ وہ خود اپنے ہاتھ یا اپنی انگلی سے مثل ایک سنگ تراش کے پتھر پر عبارت کندہ کرے ۔" (صفحہ 193۔ اس کا حقیقی جواب یہ ہے کہ چونکہ توریت اور قرآن اور حدیث میں صاف الفاظ میں یہ خیال ظاہر کردیا پس ماننا پڑے گا کہ ان کے مصنفین اس امر کو " خدا کی شان اور تنزہ سے " قرین سمجھتے تھے۔ اگر اعتراض وارد ہوتا ہے تو ہونے دیجئے اگر اعتراض حق ہے تو حق کے متلاشی کو یہ کہنا پڑے گا کہ توریت اور قرآن دراصل بنی نوع کی طفولیت کے خیالات سے بالا نہ تھے اور ہمارے لئے ضروری نہیں کہ ہم اس کمزوری پر پردہ ڈالیں یا اس کے لئے عذر تراشیں ۔ سرسید احمد نے اپنے خیالات میں ایسے مستغرق ہوئے کہ انہوں نے قرآن کے صاف الفاظ اور قرینہ کی پروا نہ کی اور تاویل کی راہ نکالی اور قرآن کو اپنے خیالات کے مطابق کرنا چاہا چنانچہ آپ نے فرمایا۔" تمام قرآن مجید میں لفظ کتبنا کا جہاں آیا ہے اس سے خدا کی نسبت فعل کتابت کی مراد نہیں لی گئی بلکہ مقرر کرنے فرض کرنے کے معنی لئے گئے ۔" اور مثال میں آپ کتبنا فی الذبور کو پیش کرکے فرماتے ہیں ۔" یہ بات ظاہر ہے کہ زبور کا لکھنا یعنی فعل کتابت کسی نے بھی خدا کی طرف منسوب نہیں کیا۔ پس اس کے معنی یہی ہیں کہ فرضنا فی الزبور ۔" ہم کہتے ہیں کہ قرآن شریف کے وہ دوسرے مقامات اس آیت کے مفسر نہیں ہیں یہاں صرف کتبنا کا لفظ نہیں آیا بلکہ الواح کا لفظ بھی آیا اور پھر نسختہا کا لفظ بھی اور پھر لکھنے والے نے کتب کے معنی کی دوسرے لفظ خط سے تفسیر کی اور ید کا لفظ لا کر ایسی قطعی تشریح وتائید کردی کہ کتبنا فی الالواح کے معنی میں شک کی گنجائش نہیں رکھی۔ ہاں اگر قرآن شریف میں کتبنا کا لفظ ایسے معنی کے ساتھ دوسرے مقام پر آیا ہوا اور وہاں اس کے معنی فرضنا ہوں تو آپ کی حجت شاید درست ہوجائے۔ پس یاد رکھیئے کہ گو" زبور کا لکھنا یعنی فعل کتابت کسی نے بھی خدا کی طرف منسوب نہیں کیا ۔" مگر توریت کے لکھنے کو تو ضرور ضرور منسوب کیا۔ اور پھر جب ہم کو خوب معلوم ہے کہ جس کے ہاتھ سے قرآن ملاوہ خدا کو لکھنے والا اور کتاب میں لکھنے والا مانتا تھا۔ اور اس خیال میں اس کو کوئی دقت نظر نہ آتی تھی تو پھر کتبنا فی الالواح کی دوراز کار تعبیر کرنا فضول ہے۔ سنو بخاری پارہ 30 میں ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا لما خلق اللہ الخلق کتب فی کتابہ وھویکتب علی نفسہ وھو وضع عندہ علی العرش ان رحمتی تغلب غضبی۔ جب خدا نے خلق کو پیدا کیا تو اس نے اپنی کتاب کے اندر لکھا اور وہ لکھا کرتا ہے اپنی ذات پراور وہ رکھا ہوا ہے اس کے پاس عرش پر کہ میری رحمت غالب ہے میرے غضب پر۔

موسیٰ کلیم اللہ

قرآن کو اس طرح اپنے خیالات سے مطلق کرنے اور اس پرسے اعتراض کرنے کی کوشش نے سرسید احمد کو مجبور کردیا کہ آپ وکلم اللہ موسیٰ تکلیماً کی بھی ایک تاویل بعید کرڈالیں۔" یہ آواز کسی بولنے والے کی نہ تھی نہ خدا کی آواز تھی کیونکہ جیسا ہم نے ابھی بیان کیا خدا کے کلام میں آواز نہیں ہوتی۔ بیشک خدا نے یہ الفاظ جو کلام خدا تھے موسیٰ کے دل میں ڈالے اور خود موسیٰ کے دل کی آواز اس کے کان میں آئی جو خدا کے پکارنے سے تعبیر کی گئی ۔" صفحہ 189 اور بجنسہ وہی خیال ہے جو قرآن کے حق میں آپ نے بیان فرمایا جہاں جبرائیل کو ملکہ نبوت سے تعبیر کیا تھا مگر اس جگہ سرسید احمد بھولے ہوئے ہیں کہ خدا کا بات کرنا قرآن میں حضرت موسیٰ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ قال یا موسیٰ فی اصطفیتکہ علی الناس برسالاتی وبکلامی۔ اے موسیٰ میں نے تمام انسانوں سے تجھ کو اپنی رسالت اور کلام کے لئے چن لیا۔ اور پھر تلکہ الرسل فضلنا بعضھم علی بعض فنھم من کلمہ اللہ اور قربنہ نجیا۔

پس گو کہ خدا کا کلام سب کے پاس آیا وحی سب پر اتری مگر کلمہ اللہ موسیٰ تکلیماً یہ ایک خصوصیت ہے جس کی تاویل آپ کے لئے مشکل ہے جب تک آپ اپنے تبائن خیالات میں پھنسے ہیں جو نہ الہامات ہیں نہ فلسفہ بلکہ دونوں کی ملاوٹ۔

اگر مسلمان توریت شریف کی شان دریافت کریں تو ان پر یہ کھل جائیگا کہ صحیح یاغلط اسلام نے توریت کو ایک ایسے اعلیٰ درجے پر کلامِ خدا مانا ہے جس سے زیادہ قیاس میں نہیں آسکتا بلکہ

قرآن کو بھی اس مرتبہ پر تسلیم نہیں کیا۔ پس اگردراصل کلام خدا کے لئے فصیح وبلیغ بلکہ اعلیٰ بے مثل فصیح وبلیغ ہوناضرور ہوتا توسب سے پہلے یہ صفت ہم توریت میں پاتے اور اگر وہاں یہ صفت ہم کو نہیں ملی توپھر یہ ماننا پڑے گا کہ فصاحت جیسا مسلمانوں نے سمجھ رکھا کوئی خاصہ کلام خدا نہیں ہے۔ بلکہ جن لوگوں نے ایسا مانا ہے انہوں نے گویا کلام خدا کی صداقت کی دلیل کو ضعیف کردیا اور ایک ایسی دلیل پیش کی جو نقص رائے کے زمانہ میں چل سکتی تھی اور تحقیق کے آگے نہیں ٹھہر سکتی اور اسی قدیم غلطی کے رفع کرنے کے لئے ہم یہ مختصر رسالہ تحریر کررہے ہیں۔

باب سوم

آیا قرآن نے فصاحت وبلاغت کا دعویٰ کیا یا اس جہت سے بے مثل ہونے کا؟

صرف آیات ذیل میں جن کی بناء پر علماء اسلام نے مان رکھا ہے کہ قرآن کو نہ صرف فصیح وبلیغ یا بمثیل فصیح وبلیغ ہے بلکہ اس کی فصاحت وبلاغت طاقت بشری سے باہر یعنی اعجازی ہے۔ وہ آیات حسب ترتیب نزول (دیکھو قصیدہ برہان جعبری اتقان نوع سات) یہ ہیں:

آیات تحدی

(1) قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَى مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ (اے محمد)کھو کہ تم ہی لے آؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس جو (توریت اور قرآن)ان دونوں سےہدایت میں بہتر ہو کہ میں اس کی پیروی کروں (سورہ قصص آیت 49)۔

(2) قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَن يَأْتُواْ بِمِثْلِ هَـذَا الْقُرْآنِ لاَ يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (اے محمد)کھو کہ اگر آدمی اور جنات جمع ہوں کہ اس قرآن کی طرح کچھ لے آویں تاہم اس جیسا نہیں لاسکتے اگرچہ آپس میں سے ایک دوسرے کی مدد بھی کریں(سورہ بنی اسرائیل آیت 90)۔

(3) أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُواْ بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُواْ مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللّهِ (ترجمہ): کیا یہ کہتے ہیں کہ اسی (مرد)نے (قرآن کو) اپنے دل سے بنالیا ہے (اے محمد) کھو کہ تم بھی اسی طرح کی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ۔ اور خدا کے سوا جس کو تم سے بلائے بن پڑے بلالو۔ (سورہ ہود آیت 16)۔

(4) أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُواْ بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُواْ مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللّهِ(ترجمہ) کیا یہ کہتے ہیں کہ اسی (مرد)نے (قرآن کو) بنالیاہے (اے محمد) کھو کہ تم بھی ایسی ہی ایک سورۃ بنالاؤ۔ اور خدا کے سوا جس کو تم سے بلائے بن پڑے بلالو۔(سور یونس آیت 39)۔

(5) وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُواْ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُواْ شُهَدَاءكُم مِّن دُونِ اللّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُواْ وَلَن تَفْعَلُواْ فَاتَّقُواْ النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ (ترجمہ) اگر تم کو اس میں شک ہو کہ جو ہم نے اپنے بندہ پر اتارا ہے تو اسی جیسی ایک سورۃ تم بھی لے آؤ۔ اور اللہ کے سوائے جو تمہارے حمایتی ہوں اور ان کو بھی بلالو اگر تم سچے ہو۔ پس اگر یہ نہ کرسکو اور ہرگز نہ کرسکوگے تو اس آگ سے ڈرو۔ جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے جو منکروں کے لئے تیار رکھی ہے (سورہ بقرہ آیت 20و21)۔

ہم قرآن کی فصاحت وبلاغت کا انکار نہیں کرتے گو فصاحت وبلاغت کے اس کے اندر مدارج دیکھتے ہیں۔ ہم تو یہ بھی مانتے ہیں کہ الہیات کی یہ اکیلی کتاب بچ رہی جس سے عرب کی قوم آشنا ہوئی اور من الحیث المجموع عربی نثر کی تمام دینی کتب موجودہ میں ایک جہت سے بے نظیر ہے مگر ہم یہ ہرگز نہیں مان سکتے کہ اس کی ایسی بینظیری اس کو اعجاز کی حد تک پہنچا کر طاقت بشری سے خارج کردیتی ہے حتیٰ کہ اس کو کلام خدا ماننے کے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا۔ بلکہ ہم یہ بھی نہیں مان

سکتے کہ جس وقعت کی نظر سے قرآن شریف کو ما بعد کے لوگوں نے دیکھا کبھی معاصرین نے بھی دیکھا تھا یا یہ کہ قرآن شریف نے خود فصاحت یا بلاغت یا اعجازی کا کبھی دعویٰ کیا تھا۔

بقول سر سید احمد تحدی ازروئے ہدایت تھی نہ

ہم اپنے خیالات کے اظہار میں زیادہ تر اس لئے دلیر ہوئے کہ خود مسلمانوں کے اندر ایسے محقق مدقق موجود رہے اور اب بھی ہیں جو اپنی فہم وذکاوحق پسندی کے لحاظ سے فخر قوم ہوئے اور دینداری کے باعث قرآن کو لاثانی فصیح وبلیغ بھی مانتے تھے ۔تاہم ان کی نکتہ سنجی نے ان کو یہ ماننے کی اجازت نہیں دی کہ ان آیتوں کی تحدی فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے تھی اور عور وخوض کرنے کے بعد ان کو کہنا پڑا کہ " ان آیتوں میں کوئی ایسا اشارہ نہیں ہے جس سے فصاحت وبلاغت میں معارضہ چاہا گیا ہو بلکہ صاف پایا جاتا ہے کہ جو ہدایت قرآن سے ہوئی اس میں معارضہ چاہا گیا۔ یہ قول بزرگ سر سید احمد کا ہے اور ہم یہاں ان کی تفسیر قرآن سے پوری عبارت نقل کرتے ہیں ۔ یہ قول ہم کو ان کا آخری معلوم ہوتا ہے۔ جس نے اس سے پہلے کے تمام مخالف اقوال کو منسوخ کردیا۔

"جو لوگ قرآن پر خدا کی وحی ہونے میں شبہ کرتے تھے ان کا شبہ مٹانے کو خدا نے ان سے فرمایا کہ اگر تم اس کو خدا سے نہیں سمجھتے تو تم بھی اس کی مانند لاؤ۔"

"یہ مضمون کئی طرح پر قرآن میں آیا ہے۔اس مقام پر تو یہ فرمایا ہے کہ قرآن کے کسی ٹکڑے یا حصے کی مانند تم بھی لاؤ۔"

اسی طرح سورہ یونس میں فرمایا ہے کہ " کیا کافر قرآن کو کہتے ہیں کہ یونہی بنالیا تو تو ان سے کہہ کہ اس کے ٹکڑے یا حصہ کی مانند تم بھی بنالاؤ۔"

اور سورہ ہود میں فرمایا ہے کہ " کیا کافر قرآن کو کہتے ہیں کہ یوں ہی بنالیا ہے تو تو ان سے کہہ کہ اس کے دس ہی ٹکڑوں یا حصوں کی مانند تم بھی بنالاؤ۔"

اور سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے کہ " تو کہہ دے کہ اگر جن وانس ، اس بات پر جمع ہوں کہ اس قرآن کی مانند بنالائیں تو اس کی مانند نہ بنالاسکیں گے۔"

اور سورہ قصص میں فرمایا ہے کہ " تو ان سے کہہ دے کہ خدا کے پاس سے کوئی کتاب لاؤ۔جو توریت وقرآن سے زیادہ ہدایت کرنے والی ہو۔"

" ان سب آیتوں پر عور کرنے کے بعد اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ قرآن کی مانند سے کیا مراد ہے ۔ ہمارے تمام علماء ومفسرین نے یہ خیال کیا ہے کہ قرآن نہایت اعلیٰ درجہ فصاحت وبلاغت پر واقع ہوا ہے اور اس زمانہ میں اہل عرب کو فصاحت وبلاغت کا بڑا ہی دعویٰ تھا۔ پس خدا نے قرآن کے من اللہ ثابت کرنے کو یہ معجزہ قرآن میں رکھا کہ ویسا فصیح کلام کوئی بشر نہیں کہہ سکتا اور نہیں کہہ سکا۔ پس انہوں نے قرآن کی مانند سے فصاحت وبلاغت میں مانند ہونا مراد لیا ہے ۔مگر میری سمجھ میں ان آیتوں کا یہ مطلب نہیں ہے۔اس میں کچھ شک نہیں کہ قرآن مجید میں نہایت اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ فصاحت وبلاغت پر واقع ہے ۔اور چونکہ وہ ایسی وحی ہے جو پیغمبر کے قلب نبوت پر نہ بطور معنی ومضمون کے بلکہ بلفظ ڈالی گئی تھی جس کے سبب سے ہم اس کو وحی متلو یا قرآن یا کلام خدا کہتے اور یقین کرتے ہیں۔ اس لئے ضرور تھا کہ وہ ایسے اعلیٰ درجہ فصاحت پر ہو جو بے مثل وبے نظیر ہو۔مگر یہ بات کہ اس کی مثل کوئی نہ کہہ سکا یا کہہ سکتا اس کے من اللہ ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ کسی کلام کی نظیر نہ ہونا اس بات کی تو بلاشبہ دلیل ہے کہ اس کی مانند کوئی دوسرا کلام موجود نہیں ہے مگر اس کی دلیل ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے ، بہت سے کلام انسانوں کے دنیا میں ایسے موجود ہیں کہ ان کی مثل فصاحت وبلاغت میں آج تک دوسرا کلام نہیں ہوا مگر وہ من اللہ تسلیم نہیں ہوئے نہ ان آیتوں میں کوئی ایسا اشارہ ہے جن سے فصاحت وبلاغت میں معارضہ طلب کیا گیا ہو بلکہ صاف پایا جاتا ہے کہ جو ہدایت قرآن سے ہوتی ہے اس میں معارضہ طلب کیا گیا ہے کہ اگر قرآن کے خدا سے ہونے میں شبہ ہے تو کوئی ایک سورۃ یا دس سورتیں یا کوئی کتاب مثل قرآن کے بنا لاؤ۔جو ایسی ہادی ہو۔ سورہ قصص میں آنحضرت ﷺ کو صاف حکم دیا گیا ہے کہ تو کافروں سے کہہ دے کہ کوئی کتاب جو توریت اور قرآن سے زیادہ ہدایت کرنے والی ہو اسے لاؤ۔ توریت کی عبارت فصیح نہیں ہے بلکہ عام طور کی عبارت ہے ۔ اس لئے کہ علاوہ قومی دستورات وتاریخی مضامین کے جو اس کے جامع نے اس میں شامل کئے ہیں جس قدر مضامین وحی کے اس میں ہیں ان کا القا بھی بلفظ شاید بجز احکام عشرہ توریت کے جن کو حضرت موسیٰ نے پہاڑ پر بیٹھ کر پتھر کی تختیوں پر کھودلیا تھا پایا نہیں جاتا۔ پس ظاہر ہے

کہ قرآن گو کیسا ہی فصیح ہو مگر جو معارضہ ہے وہ اس کی فصاحت و بلاغت یا اس کی عبارت کے بے نظیر ہونے پر نہیں۔ بلکہ اس کے بے مثل ہادی ہونے میں ہے جو بالتصریح سورہ قصص کی آیت میں بیان ہوا ہے۔ ہاں اس کی فصاحت و بلاغت اس کے بے نظیر ہادی ہونے کو زیادہ تر روشن و مستحکم کرتی ہے۔

"ان آیتوں کے مخاطب اہل عرب تھے۔ پس جب قرآن نازل ہوا تو اس وقت جو عرب کا حال تھا اس کو ذرا اس طرح پر خیال میں لانا چاہیے کہ اس کا نقشہ آنکھوں کے سامنے جم جائے۔ وہ تمام قوم ایک قزاق، خانہ، بدوش قوم تھی جو خانہ بدوشوں کی طرح اپنا ڈیرہ گدھوں اور خچروں پر لادے پھرتی تھی۔ غیر قوموں نے " سارسین" جو لفظ" سارقین" کا محرف ہے خطاب دیا تھا۔ بغض وعداوت و کینہ جو بد ترین خصائص انسانی ہیں ان کے رگ وریشہ میں پڑے ہوئے تھے یہاں تک کہ وہاں کے جانور بھی کینہ میں ضرب المثل ہیں۔ (شتر کینہ) خوں، ریزی، بیرحمی، قتل اولاد ان میں ایسے درجے پر تھی جس کی نظیر کسی قوم کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ زنا کوئی مکروہ فعل نہ تھا۔ قوم کی قوم جاہل اور امی تھے۔ بجز شراب خوری اور بت پرستی کے کچھ کام نہ تھا۔ اور متمدن اقوام سے کوسوں دور تھے۔ اس قوم کا ایک شخص جس نے اپنی عمر کے چالیس برس انہی کے درمیان بسر کئے تھے۔ ربانی روشنی سے جو خدا نے بمقتضائے فطرت اس میں رکھی تھی منور ہو اور روحانی تربیت کے حقائق وقائق ایسے الفاظ میں جو عالم اور حکیم اور فلسفی اور نیچری دوہریہ سے لے کر اعم جاہلوں، بدوؤں، صحرا نشینوں کی ہدایت کے لئے بھی یکساں مفید تھے علانیہ بیان کئے۔ جو ممکن نہ تھا بغیر اس کے کہ وہ خدا کی طرف سے ہو بیان کئے جاسکتے۔ فطرت کے قائدہ کے مطابق ممکن نہ تھا کہ بغیر اس فطرتی نبوت کے جو خدا اپنے انبیاء میں ودیعت کرتا ہے ایسی قوم کے کسی شخص کے اس طرح کے خیالات اور اقوال و نصائح ہوں جیسے کہ قرآن میں ہیں یا ایسی تاریک وخراب حالت کی قوم کا کوئی شخص بغیر اس نور کے جو خدا نے اس کو دیا ایسی ہدایتیں بتائے جیسی کہ قرآن میں ہیں۔ یہ بجز خدا سے ہونے کے اور کسی طرح ہو نہیں سکتی۔ اس امر کی نسبت خدا نے فرمایا کہ اگر تم کو اس کے خدا سے ہونے میں شک ہے تو فاتوا بسورة من مثله . فان لمہ تفعلوا اور پھر فرمایا کہ اگر تم نہ کرسکے اور پھر بطور یقین کے فرمایا کہ نہ کرسکو گے۔ (کیونکہ ایسی قوم کے ایسے خیالات ہونے جیسے کہ قرآن میں ہیں ممکن ہی نہ تھے)۔ تو اس کو خدا کی طرف سے سمجھ لو اور عذاب سے بچو۔"

اب جو ہم کہتے ہیں کہ سارے قرآن میں عموماً اور ان آیات میں خصوصاً ہم کو بھی کوئی ایک لفظ نہیں ملتا جس سے یہ مفہوم ہوسکے کہ یہاں فصاحت و بلاغت میں معارضہ طلب کیا گیا اور کہ خاص فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے تحدی کی گئی ہے تو گو اہل اسلام ہم کو ناواقف وکم علم یا ذوق سلیم سے محروم سمجھیں مگر وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہماری رائے تعصب وعناد پر مبنی ہے کیونکہ اگر ہم غلطی کرتے ہیں تو ہم نے اس میں ایک بڑے صاحبِ غیرت حامی اسلام کا ساتھ دیا ہے 1*۔ اور ہم بڑے دعوےٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر الفاظ قرآن پر غور کیا جائے تو صاف ثابت ہے کہ تحدی محض باعتبار ہدایت دین کے تھی جس سے قوم عرب جو گمراہی وضلالت میں پڑی ہوئی تھی ضرور عاجز تھی۔ پس معلوم ہوا کہ ان آیتوں کو اہل اسلام کا اپنے مقلدانہ دعوے کی دستاویز قرار دے لینا بالکل غلط فہمی پر مبنی ہے۔ فصاحت و بلاغت قرآن کا دعویٰ جو صدیوں سے ان کے علما بے مثل فصاحت و بلاغت کے ساتھ ان کو سناتے رہے اس طرح ان کے کانوں میں بس ہوگیا۔ اور اس کی رنگینی پر مبصداق ع۔

بسا کین دولت از گفتار خیزو

ایسے فریفتہ ہوگئے کہ وہ اس کی تہ کو نہ پہنچے۔ اور اصلی مقصد سے دور رہے۔ پس اصلی معنی وہی ہیں جو سرسید مرحوم نے جگائے (پیدا کئے ہم اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ ہم کو خوب معلوم ہے کہ سرسید کے سب خیالات پرانے محققوں کے خیالات کا عکس ہیں) اور ہم بھی اسی پر صاد کرتے ہیں۔

1*۔ مولوی نورالدین بھیروی گو کوئی محقق یا صاحب فکر نہیں بلکہ ان لوگوں میں ہیں جو خام خیالی میں ڈوبکر مرزا (قادیانی) کے حواری بن گئے اور سنا جاتا ہے بڑے ادیب ہیں اور مرزا کی انشا پردازی کے روح رواں وہ بھی سرسید کی دلیل کو تسلیم کرنے میں بالکل تامل نہیں کرتے مان لیتے ہیں کہ " قرآن کی تحدی الفاظ کی بندش اور عبارت کی فصاحت کی بابت نہیں۔ قرآن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ کوئی کتاب ایسی لاؤ جس میں ایسی روحانی اخلاقی مکمل تعلیم ہو۔" فصل الخطاب جلد دوم صفحہ 108 پس جو لوگ زیادہ باشعور ہیں اور کم خام خیال ان کو تو اس رائے پر زور صاد کرنا چاہیے۔

خلیفہ سید محمد حسن کااعتراض

سرسید کی تقریر پر جرح ہوچکی اور جب تک ہم اس کا جواب نہ دیدیں وہی اعتراض ہم پر وارد ہوگا۔ خلیفہ سید محمد حسن صاحب بالقابہ اپنی کتاب اعجاز التنزیل کے شروع میں ہی فرماتے ہیں " یہ امر غور طلب ہے کہ ان آیتوں میں قرآن کی مثل وما نند سے کیامراد ہے تقریباً تمام علماء ومفسرین کی یہ رائے ہے کہ چونکہ زمانہ نزول قرآن میں اہل عرب کو فصاحت وبلاغت کا بڑاہی دعویٰ تھا۔ پس خدا نے قرآن میں من اللہ ثابت کرنے کو اس میں یہ معجزہ رکھا کہ ویسا ہی فصیح وبلیغ کلام کوئی بشر نہیں کہہ سکتا چنانچہ آج تک کوئی نہیں کہہ سکا اور اس بنا پر انہوں نے لفظ مانند سے " فصاحت وبلاغت" میں مانند ہونا قرار دیا ہے۔ مگر چونکہ ان آیتوں میں کوئی ایسالفظ نہیں ہے جس سے "فصاحت وبلاغت " میں معارضہ کا چاہا جانا پایا جائے اس لئے میرے محترم دوست آنریبل سرسید احمد خان بہادر سی۔ ایس۔آئی اس رائے کو نہیں مانتے۔" صفحہ 3۔

پھر فاضل مولف نے بتلایا کہ سرسید کی تقریر کا " خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ سورہ بقرہ وغیرہ سورتوں کی آیتوں میں تصریح نہیں ہے کہ کس چیز میں معارضہ طلب کیا گیا اور سورہ قصص کی آیت نے اس کی صراحت کردی ہے تو درست بات یہی ہے ۔ کہ معارضہ قرآن مجید کے بے مثل ہادی ہونے میں چاہا گیا نہ فصیح وبلیغ ہونے میں۔" صفحہ 6

ہم کو ایسی توقع ہوئی تھی کہ خلیفہ صاحب بالقابہ ہم کو برخلاف سرسید کے آیات متنازعہ میں کوئی ایسا قرینہ دکھلائیں گے جس سے ثابت ہوسکے کہ تحدی ان آیات میں ضرور فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے تھی۔ مگر انہوں نے ایسا کچھ تو نہیں کیا صرف یہ دکھلانے کی کوشش کی کہ آیت سورہ قصص آیت سورہ بقر کی تفسیر وتشریح میں قبول نہیں کی جاسکتی ۔ پس اگر یہ سچ ہو تو گویا انہوں نے سرسید کی دو دلیلوں میں سے صرف ایک دلیل کو رد کیا اور دوسری دلیل برقرار رکھی یعنی یہ کہ " ان آیتوں میں کوئی ایسا اشارہ نہیں ہے جس سے فصاحت وبلاغت میں معارضہ چاہا گیا ہو۔" اور کسی دعوےٰ کے لئے ایک دلیل بھی بس ہے ۔پہلے ہم سورہ قصص کی آیتوں کو پیش کرتے ہیں۔

"(اہل عرب) کہتے تھے اے ہمارے رب تونے کیوں نہ بھیجا ہماری طرف کوئی رسول کہ ہم تیری باتوں پر چلتے اور ایمانداروں میں ہوجاتے ۔ مگر جب پہنچ گیا ان کو حق ہماری طرف سے تو بولے کیوں نہ ملا اس کو جیسا ملا تھا موسیٰ کو؟ مگر کیا وہ اس کے بھی منکر نہیں ہوچکے تھے جو موسیٰ کو پہلے سے ملا تھا۔ (اب تو) انہوں نے یہ کہہ دیا کہ دونوں جادو ہیں۔ ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور کہنے لگے ہم ان سب کا انکار کرتے ہیں۔ (اے محمد) تو کہہ دے کے پھر تم ہی لے آؤ کوئی کتاب خدا کے پاس سے جو ان دونوں (توریت وقرآن) سے زیادہ ہدایت دیتی ہو تو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچ کہتے ہو" ع 5۔

خلیفہ صاحب فرماتے ہیں کہ " میں سورہ قصص کی آیت کو دوسری آیتوں کا جن کا اوپر ذکر ہوا مفسر نہیں سمجھتا۔ اوراس امر کو تسلیم نہیں کرتا کہ محل معارضہ قرآن کا صرف " بے مثل ہادی" ہونا ہے" نہ فصیح وبلیغ" ہونا۔ کیونکہ سورہ قصص کی اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشرکین عرب نے یہودیوں کے سکھانے سے یہ کہا تھا کہ " ہم اس وقت تک ایمان نہیں لانے کے جب تک کہ موسیٰ کی سی کتاب نہ لاؤ۔ جس کے جواب میں خدا نے الزاماً فرمایا جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ کیا کافروں نے موسیٰ کی کتاب کا انکار نہیں کیا؟ اور اس کو اور قرآن کو جادو کی کتابیں نہیں بتایا ؟ اور نہیں کہا کہ " ہم دونوں میں سے ایک کو بھی نہیں مانتے ۔اور فرمایا (اے ہمارے پیغمبر) ان سے کہہ دے کہ اگر تم اس بات میں سچے کرنے والی کوئی کتاب لاؤ۔" اور فرمایا" پھر اگر یہ اس بات کو قبول نہ کریں یا ایمان نہ لائیں تو جان لے کہ صرف اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہے جو خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش نفسانی کی پیروی اختیار کرے ۔" پس ظاہر ہے کہ اس سے موقعہ پر توریت (جس کی عبارت فصیح نہیں بلکہ عام طور کی ہے) اور قرآن کے سچے اور جھوٹے ہونے کی بحث تھی اس کو چھوڑ کر اپنے اثباتِ دعویٰ کے لئے صرف قرآن کی " فصاحت وبلاغت " میں معارضہ کا طالب ہونا بے محل اوراس معجزانہ بلاغت کے مقتضائے کے خلاف تھا جو اس کلام پاک کا خاصہ ہے اور کسی ایسی اجہل اور نامھذب اور نا تربیت یافتہ قوم کا جیسی کہ قوم عرب تھی قرآن مجید کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے حکیمانہ اور پراز دقائق معارف مضامین کے مقابلہ میں اس کی ایک سورۃ کی مانند بھی نہ لاسکنا اس کلام معجز کے لئے باعث فخرومباہات

نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ بقول جناب سرسید " جبکہ ایسی قوم کے ایسے خیالات ہونے ممکن ہی نہ تھے جیسے کہ قرآن میں ہیں تو اس کا قرآن مجید کے مقابلہ میں اس کی ایک سورۃ کی مانند بھی نہ لاسکنا کوئی بڑی بات نہ تھی۔"

ہمارا جواب بتائید سرسید

اب غور طلب امر یہ ہے کہ تحدی کی آیتوں میں یہ سب سے پہلی آیت ہے جس سے گویا ہم کو تحدی کے آغاز اور اس کے اسباب کا پتہ چلتا ہے اور اگر ہم اس مضمون کو حل کرلیں تو ساری بحث پانی ہوجاتی ہے۔ یہ آیت درحقیقت تمام دیگر آیتوں کی تفسیر ہے۔ پہلی بات جو روشن ہوتی ہے یہی ہے کہ تحدی کا شروع کفار کی طرف سے ہوا نہ آنحضرت کی طرف سے یہ کفار تھے جو کہتے تھے کہ "جیسے معجزے موسیٰ کو ملے تھے ایسے ہی اس پیغمبر کو کیوں نہیں ملے۔" بقول حافظ نذیر احمد " موسیٰ کی سی کتاب کیوں نہ لایا ۔" بقول خلیفہ صاحب آنحضرت کو جواب پر مجبور کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب موسیٰ معجزہ لایا تو کیا کفار نے مان لیا۔ جب وہ توریت لایا تو کیا اس کا انکار کفار نے نہیں کیا پس اگر میں تمہارا قول پورا بھی کردوں تو کیا حاصل ہوگا جیسا موسیٰ کا انکار کیا میرا کروگے۔ لیکن اگر دراصل تم موسیٰ سے بہت خوش ہو محض حجت منظور نہیں اور تم نے موسیٰ کی بات مان لی ہے تو پھر اسی کو ہدایت پر چلو اور اگر اس کی ہدایت مان لو تو میرا انکار بھی نہیں کرسکتے کیونکہ قرآن توریت کا مصدق ہے بلکہ اس کا مثل اور تمہاری اس آرزو کے جواب میں نازل ہوا کہ " اے ہمارے رب تونے کیوں نہ بھیجا ہماری طرف کوئی رسول۔" یہ نہایت متین تقریر تھی اور کفار کے اکثر عذرات کو قطع کرنے والی تھی۔ پس انہوں نے کہہ دیا کہ ہم نہ توریت اور نہ موسیٰ کو مانتے ہیں اور نہ قرآن اور محمد کو۔ یہ سب سحر یعنی لغو ہیں۔ مگر چونکہ کفار عرب میں سے بھی فہمیدہ اشخاص کے دلوں میں توریت اور اہل توریت کی عظمت تھی اس لئے اس سے فائدہ اٹھا کر ان سے پھر کہا گیا ۔ کہ تمہارے بڑے تو قائل ہیں کہ توریت ہدایت ہے جب قرآن مثل توریت کے ہوا تو تم کو لازم ہے کہ تم قرآن کو بھی مانو ورنہ تم توریت وقرآن دونوں سے بہتر ہدایت کی کوئی کتاب لے آؤمیں اس کو ماننے کو تیار ہوں۔ اس خوبصورتی سے کفار کی تحدی کا جواب دیا۔ انہوں نے محمد صاحب سے تحدی کی تھی آپ نے الٹی ان پر تحدی جمادی اور اسی تحدی کو مختلف الفاظ میں مختلف موقعوں پر دہرایا۔

اب خلیفہ صاحب ہی ہم کو بتلائیں کہ کفار کی یہ کہنے سے کیا مراد تھی کہ محمد کو " موسیٰ کی سی کتاب " لانا چاہیے۔ یقیناً فصاحت وبلاغت میں توریت کی مثل کے وہ طلبگار نہ تھے کیونکہ اول تو بقول شما توریت " فصیح نہیں بلکہ عام طور کی تھی" دوسرے اگر وہ فصاحت میں لاثانی بھی ہوتی تو ان بیچارے عربوں کو اس کا علم کیسے ہوسکتا تھا۔ تیسرے توریت عبرانی زبان میں تھی کسی عرب سے اس کی مثل اس معنی میں نہیں مانگی جاسکتی تھی۔ پس مثل توریت میں اگر وہ معجزات باہرہ داخل نہیں کڑک وبجلی وزلزلہ وتجلی ورفع طور جن کے ساتھ توریت بخیال قرآن نازل ہوئی تو مثل سے غالباً ہادی مثل توریت مراد ہوگی اور عرب توریت کی عظمت کے معترف تھے اور اہل یہود کو بڑی عزت ووقار کی نگاہ سے دیکھتے اور قرآن کو " اساطیر الاولین " کہتے تھے جس سے یہ مراد بھی تھی کہ وہ نقلِ مضامین توریت وغیرہ ہے یا اس کو افترا محض کہتے تھے۔ اور اصرار کرتے تھے کہ اگر تم پیغمبر خدا ہو تو پھر کیوں کوئی کتاب "مثل توریت" نہیں لاتے۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ قرآن تو مثل توریت ہے اور اگر اب بھی نہ مانو اور کہو کہ یہ دونوں کتابیں جھوٹی ہیں تو تم ان سے زیادہ سچی کوئی کتاب بنالاؤ اور اگر نہ بناسکو تو انہی کو سچی مانو ورنہ تمہارے جھوٹے ہونے میں کلام نہیں۔

قصہ کوتاہ یہ ثابت ہے کہ کفار کی تحدی فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے نہ تھی اور نہ اس کے جواب میں آنحضرت کی تحدی فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے ہوسکتی تھی۔

پس گو" اس موقع پر توریت اور قرآن کے سچے اور جھوٹے ہونے کی بحث " آگئی تھی اصل بحث تحدی پر تھی جس کا آغاز کفار کی طرف سے ہوا۔ اور اس جگہ فریقین کی تقریر میں اصل منشا تحدی قرآن منکشف ہوگیا جو مطلق اور آیتوں کی تحدی سے غیر نہیں اور یہی کھلی ہوئی تفسیر قرآن کے کل مضامین تحدی کی ہے جس کو سرسید نے اپنی روشن ضمیری سے دور سے پہچان لیا۔ اور ایک چوٹی کی ایسی بات کہہ دی جس سے صدیوں کی عالمانہ گردوغبار جو موتی کو چھپائے ہوئے تھی دم میں اڑ گئی اور اگر خلیفہ صاحب اس مطلب کو نہ پہنچے تو تعجب نہیں کیونکہ وہ مجھ کو نرے مقلدین میں کے ایک فرد معلوم ہوتے ہیں اور سرسید کا شمار محققین میں تھا جو مخالفوں کی سرزنش کی پروا کم کرتے تھے۔

لفظ مثل کا مطلب

پس برخلاف ان لوگوں کے جو مثل مولوی سید محمد صاحب کھتےہیں کہ " مثلہ " ، سے " مثل اس کے فصیح و بلیغ اور اسی نظم اسلوب کی کچھ عبارت " مراد ہے صفحہ 273۔ یہ ثابت ہو گیا کہ ان تینوں آیتوں میں کوئی ایسا اشارہ نہیں ہے جس سے فصاحت وبلاغت میں معارضہ چاہا گیا ہو۔" اب یہ امر بھی غور طلب ہے کہ ان میں جو ایک بڑے زور شور کی آیت تحدی سورہ بقر میں ہے اس کے اندر ایک لفظ ایسا وارد ہوا جو آیت کے معنوں کو مشتبہ کردیتاہے اور یہ یقینی نہیں معلوم ہوسکتا کہ معارضہ کلام سے کیا گیا متکلم سے۔اس جگہ میں مولوی انشاء اللہ ایڈیٹر وطن لاہور کی اس تفسیر قرآن سے ایک اقتباس کرتا ہوں جو ان کے اخبار کے ساتھ ہفتہ وار 1906ء سے شائع ہورہی ہے ۔

"من مثلہ کی ضمیر کے مرجع میں اختلاف ہے بعض مفسرین کا خیال ہے کہ مما کا ما اس کا مرجع ہے ۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ قرآن جیسی سورہ اس لئے کہ مثل پر جو من کا لفظ آیا ہے وہ پہلی مسلک کو ضعیف کرتاہے۔ اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر محمد جیسا کوئی امی کرسکتا ہے تو کوئی سورۃ لائے اور پیش کرے ۔"

امام رازی اس قول کو جسے یہاں "مذہب راجح" قرار دیا گیا نہیں قبول فرماتے مگر اپنی تفسیر میں انہوں نے ان نتیجوں کو خوب بیان کردیا جوان دونوں قولوں سے حاصل ہوتےہیں جس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ قول مخالف کو قبول کرنے پر مسلمان کو بیشتر اعتقادی امور نے آمادہ کیا ہے جس سے مبالغہ کرنے میں گنجائش زیادہ ہاتھ لگتی ہے ۔

امام صاحب فرماتے ہیں ۔" اگر ضمیر قرآن کی طرف راجع ہو تو اس کا مقتضا یہ ہوگا کہ وہ لوگ قرآن کی مثل لانے سے عاجز ہیں خواہ جمع ہو کر اس کی مثل لائیں یا تنہا۔ خواہ وہ پڑھے ہوئے ہوں یا بے پڑھے ۔ اور اگر محمد ﷺ کی طرف راجع ہو تو اس سے صرف ثابت ہوگا کہ ان میں سے جو بے پڑھے لوگ ہیں وہ قرآن کی مثل نہیں لاسکتے اس واسطے کہ محمد ﷺ کی مثل تووہی شخص ہوگا جو تنہا ہو اور بے پڑھا ہو۔ اور اگر وہ لوگ مجتمع ہو کر ایسا کریں اور پڑھے ہوئے ہوں تووہ محمد ﷺ کی مثل نہ ہوں گے اس واسطے کہ جماعت واحد کی مثل نہیں ہوسکتی اور نہ پڑھا ہوا بے پڑھے کی مثل ہوتا ہے۔

اور اس میں شک نہیں ہے کہ پہلی تقدیر کے اوپر اعجازِ قوت کے ساتھ ثابت ہوگا اگر ہم ضمیر کو قرآن کی طرف راجع کہیں تو قرآن کا معجزہ ہونا اس بات پر مبنی ہوگا کہ قرآن کی فصاحت کامل درجہ کے اوپر ہے اور محمد ﷺ کی طرف راجع کریں تو قرآن کے معجزہ ہونے کی بنا اس بات کے اوپر ہو گی کہ امی شخص سے ایسا ہونا بجز خدا کے پیغمبر کے ناممکن ہے اور اس سے بھی قرآن کا اعجاز ثابت ہوجائے گا۔ مگر محمد ﷺ کی ذات میں امی ہونے کا نقصان اعتبار کرکے اعجاز ثابت ہوگا۔ اس واسطے قرآن کی طرف ضمیر کا راجع کرنا اولیٰ ہے اگر محمد ﷺ کی طرف ضمیر کو راجع کیا جائے تو اس سے یہ شبہ پیدا ہوسکیگا کہ جو شخص امی ہونے میں محمد ﷺ کی مثل نہ ہووہ قرآن کی مثل لاسکتا ہے اور قرآن کی طرف راجع کیا جائے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوگا کہ قرآن کی مثل کوئی شخص نہیں لاسکتا ہے خواہ پڑھا ہوا ہو یا بے پڑھا۔

ماحصل اس تقریر کا یہ ہوا کہ من مثلہ کی ضمیر کا مرجع تعین کرنے میں بڑی ہی دقت ہے اگر ایک احتمال کی پیروی کی جائے تو معارضہ وتحدی میں کچھ جان رہتی ہے اور اگر دوسرے احتمال کی طرف جائیں تو تحدی ومعارضہ گویا بالکل ندارد ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ اگر تحدی امیوں اور ان پڑھوں سے کی گئی اور ان پڑھے جاہل عاجز ہوئے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو اہل طبقہ کے لوگ یعنی اوباء تھے وہ بھی عاجز رہے اور ان کاسکوت دلیل ان کے صرف عدم التفات کی ہو گی کیونکہ ان سے تحدی کی نہیں گئی۔

اس طرح اب دومشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ اول یہی نہیں معلوم کہ معارضہ کس امر میں چاہا گیا۔ دوم یہ بھی نہیں معلوم کہ تحدی میں مخاطب کون لوگ کئے گئے ۔ پس ثابت ہوا کہ ان آیاتِ تحدی میں متکلم اپنے مافی الضمیر کو اچھی طرح ادا نہیں کرسکا اور یہ کلام میں ایک عیب ہے جو کلام کو درجہ فصاحت وبلاغت سے گرادیتا ہے اور اس کے مقصود کو فوت کرتا ہے کیا تعجب کی بات نہیں کہ وہی آیت جس میں فصاحت وبلاغت سے معارضہ سمجھا گیا اسی میں ایسا بڑا اغلاق ہے جس سے اصلی مقصود ومشتبہ رہ گیا؟ اغلاق کا انکار ہو نہیں سکتا کیونکہ یہ امر واقعی ہے۔مفسرین کا اس امر میں مختلف ہونا اس پر شاہد ہے ۔ بعض لوگوں کو جو قرآن سے منکر ہیں یہ گمان ہوا ہے کہ یہ آیت چالاکی سے لکھی گئی تاکہ مخالفین دقت میں پڑیں یعنی اگر کوئی یہ سمجھ کر کہ آیت میں تحدی ہے قرآن کی مثل کچھ بنالائے تو

فوراً کہہ دیا جائے کہ ہماری مراد مثل سے یہ تھی کہ کوئی امی اس کی مثل بنا لائے تم تو لکھے پڑھے ہو تم نے یا تمہارے لکھے پڑھے دوستوں نے اگر اس سے افضل بھی بنالیا تو معارضہ اس معنی میں نہ ہوا جو ہمارا مقصود تھا۔

باب چہارم

آیا قرآن کی فصاحت قائم مقام معجزہ ہو سکتی ہے ؟

پیغمبر اسلام مدعی معجزہ نہ تھے

مسئلہ اعجازِ فصاحت قرآن ایک شاخ ہے اس بڑی بحث کی جو وجودِ معجزات پر کی جاتی ہے۔ اگر قرآن شریف پر غور کریں تو ظاہر ہے کہ اس میں وجودِ معجزہ کو تسلیم کیا اور معجزاتِ انبیائے سابقین کی مفصل حکائتیں سنائی گئیں۔ اور اس کی مطلق پرواہ نہ کی کہ کس مابعد کے زمانہ میں معجزات کے وجود سے بکلی انکار کیا جائے گا یا نہیں۔ اور جب ہم اپنی تحقیق اس سوال پر محدود کرتے ہیں کہ آیا آنحضرت نے کبھی معجزات کا دعویٰ کیا؟ تو ہم کو اس کا جواب نفی میں دینا پڑتا ہے سرسید احمد کے خیالات اس معاملہ میں غلط ہوں یا صحیح مگر ان میں تناقض نہیں ہے اور وہ آنحضرت ﷺ کے باب میں اپنی رائے بتا چکے کہ آپ نے کوئی معجزہ کیا نہ کسی معجزہ کا دعویٰ کیا اور نہ آپ کو کسی معجزہ کی حاجت تھی کیونکہ آپ کی تبلیغ قرین عقل تھی۔ عقل سلیم کی گواہی قبول حق کے لئے کافی تھی۔ بلکہ آپ بے محابا پکار چکے کہ " ہم کو اور اسلام کو تو فخر اس بات پر ہے کہ ہمارے رسول برحق پیغمبر خدا محمد ﷺ نے صاف صاف کہہ دیا کہ میرے پاس تو کوئی معجزہ و عجز نہیں۔ نہ لکڑی کو سانپ کر دکھایا نہ اپنے دست مبارک کو چمکایا نہ سچی بات پر کچھ پردہ ڈالا۔" سورہ اعراف صفحہ 159)۔ مگر خلیفہ محمد حسن صاحب بالقابہ کے خیالات مجھ کو کچھ پراگندہ سے معلوم پڑتے ہیں۔ آپ سر ولیم میور کو ڈانٹ رہے ہیں کہ " اللہ اکبر سر ولیم میور کو انیسویں صدی میں جو عقل و روشنی کا زمانہ کہلاتا ہے ۔ بانی اسلام علیہ والصلواۃ والسلام کی رسالت و نبوت پر اس محال دخلاف عقل امور کے بغیر اطمینان نہیں ہے جن کے مشرکین مکہ آنحضرت سے خواہشمند تھے۔" صفحہ 83)۔ افسوس تعصب و نفسانیت انسان کو کیسا اندھا بنادیتی ہے۔ کہ سر ولیم میور سا جلیل الشان فاضل حمقائے مکہ کا ہم زبان ہو کر اس روشنی و عقل کے زمانہ میں بھی ان امور کے کر دکھانے سے انکار کردینے کو جناب خاتم الانبیاء علیہ التحیتہ والثنار کے خلاف میں بطور حجت اور دلیل کے پیش کرتا ہے۔ جو اس زمانہ کے ایک کم سن لڑکے کے نزدیک بھی معقول اور ممکن الوقوع نہ تھے۔" صفحہ 84۔ اور پھر آپ باسورتھ اسمتھ کی رائے پر صاد کرتے ہیں کہ آنحضرت نے " اپنی رسالت کے اخلاقی ثبوتوں کو معجزوں پر ترجیح دی۔" صفحہ 310۔

ضرورتِ معجزہ

اور یہ بالکل سچ ہے کہ اس زمانہ کے سائنس دان لوگ معجزات کے وقوع کو حق شہادت میں قبول کرنے سے انکار کرتے بلکہ قبول حق میں مخل سمجھتے ہیں۔ اور ہمارے فاضل خلیفہ بھی معجزات کو کوئی "معقول" شہادت تسلیم نہیں کرتے اور پھر ہم پوچھتے ہیں۔ کہ معجزہ فصاحت کا طلبگار ہونا کون "معقول" بات ہے۔ اس "روشنی اور عقل کے زمانہ میں " ایک کم سن لڑکا بھی نہ کہے گا کہ جب تک قرآن کی صداقت میں کوئی معجزہ یا معجزہ فصاحت ثابت نہ ہوئیں اس کو حق نہ مانونگا۔ پس ہم کو کمال تعجب ہے کہ ایسی معقول بات کہہ کر فاضل خلیفہ کو یہ لکھتے ہوئے کیوں تامل نہ ہوا کہ " مقتضائے وقت کے لحاظ سے ضرور تھا کہ وہ کلام جو نہ صرف قوم عرب بلکہ تمام قوموں کی ہدایت اور تعلیم کے لئے نازل ہوا تھا اپنی معنوی خوبیوں اور روحانی برکتوں کے علاوہ لفظی لطافتوں اور ظاہری کمالوں سے بھی ایسا مملوا اور معمور ہو کر اس کی مثل کہہ لینا ناممکن ہو۔ تا کہ وہ قوم جاہل جو نکات اور دقائق علم مبدء ومعاد سے بالکل ناواقف و بیخبر اور صرف کلام کی ظاہری خوبی یعنی فصاحت و بلاغت کو ہی ایک بڑی چیز سمجھے ہوئے تھے اس کے معارضہ سے عاجز ہو کر اس کو کلام الہیٰ جانے اور ایمان لائے۔

میں نے ان خیالات کو پراگندہ اس لئے کہا کہ مجھ کو خلیفہ صاحب معجزآت کے مسئلہ کے باب میں " بین النوم والیقظہ" کی حالت میں معلوم ہوتے ہیں کبھی قرآن کو معقولیت کے ایسے

درجے پرمان لیتے ہیں کہ اس کو اعجازی امداد سے بالکل مستغنی سمجھتے ہیں اور کبھی اس کی تصدیق کے لئے بفقدان دیگر معجزات معجزہ فصاحت کو لازمی بتلاتے ہیں۔ اور یوں نہ تووہ " اس روشنی اور عقل کے زمانہ " اور والوں کو تسکین کرسکتے ہیں جو کل معجزات کو بمعہ معجزہ فصاحت کے مثل سرسید مرحوم "ناممکن اور خلاف عقل امور میں شمار کرتے ہیں۔" اور نہ وہ "حمقائے مکہ" کی تسکین کرسکتے ہیں جن کی وکالت پر سرولیم میور کھڑا ہو کر کہتا ہے کہ کیوں منہ مانگے معجزات ان کو نہ دیئے گئے جب ان کی مثل اگلے انبیاء کو مل چکے ۔کیوں ان کے سوا سوال کا معقول جواب نہ دیا گیا۔ لولا اوتی مثل ما اوتی موسیٰ ؟

ہم کو خلیفہ صاحب کی تقریر پر سخت تعجب ہے کہ آپ قرآن کو " نہ صرف قوم عرب بلکہ تمام قوموں کے لئے ہدایت اور تعلیم کے لئے نازل " مانتے ہیں اور پھر بھی صرف " لفظی لطافتوں" کا اہتمام دکھلاتے ہیں جن سے صرف امی " قوم جاہل" کی تسکین متصور ہوسکتی تھی جو مدت ہوئی کہ اپنے جہل کے ساتھ گذر گئی اور آپ ہم کو یہ نہیں بتاسکتے کہ دوسری " تمام قوموں" کی ہدایت کے لئے کون معقول انتظام کیا گیا جو فصاحتِ قرآن کی لطافتوں سے اس سے بھی بڑھ کر " ناواقف وبخبیر ہیں" جیسے وہ قوم "نکات ودقائق ، علم مبداومعاد" سے تھی۔ مگر ہمارا یہ تعجب اور بھی بڑھ جاتاہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عرب بحیثیت قوم کے قرآن کی فصاحت وبلاغت کی وجہ سے ہدایت پر نہ آیا جیسا ابھی ثابت کردیں گے ۔ پس ہم نہیں سمجھ سکتے کہ فصاحت وبلاغت کس کام آسکتی تھی اور کیوں ایسا بیکار معجزہ اختیار کیا گیا۔ اس سے توموسیٰ کی لاٹھی لاکھ درجہ بکارآمد تھی کہ اس پر ٹک بھی جاتی تھی۔ اس سے پتے بھی جھاڑ لیتے تھے ۔ اس سے دوستوں کی مدد کرتے نیز دشمنوں سے لڑائی اور اس کے سوائے اور بیسوں کام ۔لہذا معلوم ہوگیا کہ فصاحت کا وجود یا محض مفروضہ ہے یا بیکار جس سے نہ عرب کی تسکین ہوسکتی تھی اور نہ عجم کی ہوئی۔ عرب کی تو نہ ہونا تھی نہ ہوئی انہوں نے قرآن کی فصاحت کو کبھی تسلیم ہی نہیں کیا۔ رہا عجم سو خود خلیفہ ممدوح کو اعتراف ہے کہ " جو لوگ زبان عربی سے ناواقف ہیں یا اس میں ان کو کامل مہارت حاصل نہیں ہے اور اس کے فن معانی بیان وبدیع کو کامل طور پر نہیں جانتے وہ قرآن جیسے بلیغ ترین کلام کی فصاحت وبلاغت کو کسی طرح نہیں سمجھ سکتے اور نہ اس کے محاسن ولطائف کا اندازہ کرسکتے ہیں۔"صفحہ 503۔

اب آخر میں ہم پھر ناظرین کو یاد لاتے ہیں کہ ہمارے مخاطب نے اس وقت تک سرسید کے اس قول کے سقم کو نہیں دکھایا کہ " ان آیتوں میں کوئی ایسا اشارہ نہیں ہے جس سے فصاحت وبلاغت میں معارضہ چاہا گیا ہو۔" ہم اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ سارے قرآن میں کوئی ایک لفظ بھی نہیں جس سے معلوم ہوسکے کہ آنحضرت کو قرآن کی فصاحت وبلاغت کا کبھی وہم بھی ہوا تھا پس وہ کس طرح قرآن کی فصاحت وبلاغت کو اپنی نبوت پر معجزہ سمجھتے یا اس کو بطور معجزہ کے کبھی پیش کرتے ۔ جس سے اظہر ہے کہ اگر درحقیقت قرآن کی فصاحت اعجاز کی حد تک پہنچی ہوئی تھی تو آنحضرت ﷺ نے اسے محسوس نہیں کیا اور یہ ہوسکتا ہے کہ کسی کے ہاتھ میں کوہ نور آگیا ہو اور وہ اس کو بلور ہی سمجھے۔ خصوصاً جب کہ آنحضرت مذاقِ شعر سے بے بہرہ تھے اور قرآن مسلمہ ان کا کہا ہوا نہ تھا۔

فصاحت وبلاغت کے معاملہ میں قرآن کا سکوت

قرآن اپنی فصاحت وبلاغت کے باب میں اس درجہ ساکت ہے کہ جب کفارہ طلب معجزات کرتے تھے اور بکرات ومرات کہتے تھے لولہ نزل علیہ آیۃ من ربہ (انعام ع 4 یونس ع4 رعد ع1 و4 طہ ع8)۔ توآپ نے قرآن کو فصاحت وبلاغت کی طرف کبھی اشارہ تک نہیں کیا ورنہ اگر علمائے اسلام کا قیاس درست ہے کہ فصاحت قرآن کا خاص معجزہ ہے جو" مقتضائے وقت کے لحاظ سے ضرور تھا یا آنحضرت اس سے واقف تھے اور اس کو معجزہ مانتے تھے توآپ فوراً ان سب کا منہ بند کردینے کی غرض سے یہ کہہ دیتے کہ قرآن کی فصاحت خود معجزہ ہے بلکہ معجزہ مستمرہ۔ جس سے بڑھ کر کوئی معجزہ نہیں ہوسکتا۔ پھر یہ بات دوسری تھی کہ کفار کیا جواب دیتے۔ لیکن برخلاف اس کے آپ نے معجزات کی نسبت یہ کہہ کر ان کی امیدیں توڑ دیں ما منعنا ان نرسل بالایت الان کذب بھا الاولون (اسرائیل ع6)۔ اور بقول شما " اپنی رسالت کے اخلاقی ثبوتوں کو معجزوں پر ترجیح دی۔" اور فرمایا " کہتے ہیں کہ کیوں نہ اتری اس پر کچھ نشانی اس کے رب کی ؟ کیا ان کو بس نہیں کہ ہم نے تجھ پر اتاری کتاب کہ ان پر پڑھی جاتی ہے بیشک اس میں مہر اور سمجھانا ہے ان لوگوں کو جو مانتے

ہیں۔" (سورہ عنکبوت ع 5)۔ حالانکہ اس سے بہتر اور مناسب تر کوئی دوسرا مقام بھی نہ تھا جہاں موافق زعم علمائے اسلام کے آپ کو یہ فرمانا چاہیے تھا۔" بیشک اس میں فصاحت ہے اور بلاغت ان لوگوں کو جو ماہرین علم معانی وبیان ہیں۔" یہ آیت دوسری دلیل ہے اسی بات پر جو سرسید نے بحوالہ سورۃ قصص بیان کی کہ قرآن بے مثل ہے ازروئے ہدایت کے نہ ازروئے فصاحت وبلاغت کے۔

زبان قرآن میں فصاحت وبلاغت کی گرم

اب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں کہ آیا "مقتضائے وقت کے لحاظ سے ضرور تھا" کہ قرآن فصاحت وبلاغت میں طاق ہو اور اگر ضرور تھا تو کیا قرآن نے اقتضائے وقت کو پورا کیا۔ ہمارا فاضل مولف لکھتاہے کہ "اہل عرب نے اپنی زبان کو ایسی ترقی دی تھی اور فصاحت وبلاغت میں وہ کمال بہم پہنچایا تھا کہ ایک ایک فصیح تقریر جو خطیب کہلاتا تھا قبیلوں کے قبیلوں کو فقط اپنے کلام کے زور سے جس ارادہ سے چاہتا روک لیتا اور جدھر چاہتا تھا جھونک دیتا تھا۔اشراف خاندانوں کے بچے لطف زبان طوطی وبلبل ہزار داستان کی طرح گویا اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتے تھے۔مکہ معظمہ کے پاس عکاظ جو برسویں دن میلہ لگتا تھا اور تمام عرب کے لوگ آن کر جمع ہوتے تھے اس میں شعرا اپنے قصیدے اور اشعار پڑھتے تھے اور جو قصیدہ پسند ہوتا تھا تمام میلہ میں اس کی دھوم پڑجاتی تھی۔ صفحہ 11۔"

اور مولانا نذیر احمد صاحب سورہ بقرہ کی آیت فاتو ایسورۃ من مثلہ پر یہ فائدہ چڑھاتے ہیں۔" جن دنوں قرآن نازل ہوا عرب میں فصاحت وبلاغت کا بڑا چرچاتھا۔ شعر موزوں کردینا ان کے نزدیک ایک معمولی سے بات تھی ۔ لونڈیاں تک مختلف مضامین پر ایسے برجستہ اشعار کہہ دیا کرتی تھیں کہ آج اچھے سے اچھا ادیب ان کی مثل نہیں کہہ سکتا ۔" پس جہاں تک پتہ لگا یہی معلوم ہوا کہ ان دنوں شعر شاعری کا چرچا تھا اور فصاحت وبلاغت کو لوگ شاعری کا مترادف سمجھتے تھے۔جس کسی کو زبان کا جوہر دکھلانا ہوتا وہ شعر کہتا یا خطبہ بلکہ حق یہ ہے کہ بلند پروازیوں کا آسمان شعر ہی سمجھا گیا تھاچنانچہ بقیتہ السیف جاہلیت کا جوکچھ کلام ہاتھ لگاوہ شعرہی کی قسم سے ہے۔ اور اس شاعری اور سحر بیانی کے لئے نہ کسی تعلیم کی ضرورت تھی اور تعلیم سے مروجہ معنی میں وہ قوم آشناہی نہ تھی نہ کسی درس تدریس کی وہ نرے تلامیذا الرحمٰن تھے۔ ان کا کلام اپچ کا تھا، جگری تھا، لطف زبان طوطی وبلبل کی طرح گویا اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوئے تھے ۔ عکاظ ان کا اکھاڑا تھاجہاں زبان دانوں کی زور آزمائیاں ہوتی تھیں۔ اور باوجود اس لطف زبان کے وہ سب امی کہلاتے تھے اور امی ہونے کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔چنانچہ قرآن میں اہل عرب کو امیوں کئی جگہ لکھا۔ سورہ بقر ع 9۔ آل عمران ع 2وع 8)۔

قرآن نے فصاحت کا انکار کیا

گو کہ قرآن کفارِ مکہ کے خیالات کا آئینہ نہیں اور ہم کو بعدم دیگر شہادت کے یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ فی الواقع کفارِ مکہ جو اہل زبان تھے اور "جن کا سرمایہ نازیہی ان کو ایک زبان تھی۔" قرآن کی انشا پردازی کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے۔ پھر بھی کہیں کہیں ان کے خیالات کا ضمنی طور سے ذکر ہوا جس سے کچھ روشنی ان کے خیالات پر پڑجاتی ہے اور ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ ضرور متوقع تھے، کہ اگر کوئی ان سے مخاطب ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ انہیں کے مالوفہ فن بیان کے قواعد کا پابند ہو کر شعر میں اپنے معاصرین سے گوئے سبقت لے جائے۔انہوں نے قرآن کو سنا اور اپنے مذاق کے موافق اس کو پھیکا پایا۔ وہ ان کی نظر میں ہر گز نہیں جچا اور جب قرآن نے شاید ان کے اصرار کے جواب میں یہ کہہ دیا: ما علمنا ہ الشعر وما ینبغی لہ ۔ ہم نے نہیں سکھایا اس کو شعر کہنا یہ اس کو زیبا نہیں (یس ع 5)۔ تو گویا ان کی آرزوں کو مٹادیا اور ان کی توقع کو توڑ دیا اور ان کو بتلادیا کہ قرآن شعر نہیں اور شعر ہونے سے انکار کرکے گویا فصاحت وبلاغت سے انکار کردیا کیونکہ فصاحت وبلاغت کی معیار اس نے زمانے میں شعر سے بڑھ کر کچھ اور نہ تھا۔ بلکہ ہم کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بحثیت موجودہ چاہے ہماری نگاہ میں قرآن شریف کیسا ہی فصیح وبلیغ کیوں نہ ہوان شنا اور ان بحر سخن کی نظر میں وہ کچھ عجوبہ نہ تھا۔ وہ تو قرآن سنکر کہہ دیتے تھے کہ قرآن عربی زبان میں ہے اور ایک عرب یعنی اہل زبان کاکہا ہوا اور وہ بھی محض نثر میں اگر شعر بھی ہوتا تو بھی کچھ بات تھی ہاں اگر ایسا قرآن کوئی غیر زبان کوئی عجمی کہہ دیتا تو بیشک یہ اس کا کمال ہوتا اور ہم اس کو عجوبہ کہتے چنانچہ کچھ اس قسم

کی تقریریں وہ کیا کرتے تھے ، جن کا جواب قرآن شریف نے ان کو ان معنی خیز الفاظ میں دیدیا" اور اگر ہم یہ قرآن کسی عجمی پر نازل کرتے اور وہ اس کو ان لوگوں کو پڑھ کر سناتا تو بھی یہ لوگ اس پر ایمان نہ لاتے ۔" (شعراء ع 11)۔ حضرت شاہ عبد القادر صاحب اس پر حاشیہ دیتے ہیں کہ " کافر کہتے ہیں کہ قرآن آیا ہے عربی زبان میں ۔ اس نبی کی زبان بھی عربی ہے اگر غیر زبان والے پر عربی آتا تو یقین کرتے ۔"

قرآن کی انشا کی نسبت معاصرین کا

اہل عصر قرآن شریف کو بہ اعتبار انشاء وعبارت کے سراسر قول بشر سمجھتے تھے جس کے بنانے پر محمد ﷺ ان کے زعم میں پوری طرح قادر تھے۔ اور ان کی یہ قدرت کسی خوق عادت میں شمار نہیں کی گئی ۔ " جب تولے کر نہ جائے ان کے پاس کوئی آیت کہیں کچھ چھانٹ کیوں نہ لایا ۔" (اعراف ع 24)۔ قرآن اہل مکہ کی نگاہ میں مطلق کوئی عجوبہ نہ تھا۔ انہوں نے کبھی اس کی فصاحت وبلاغت کو تسلیم نہیں کیا۔صرف یہی بات نہ تھی کہ قرآن نے اپنی فصاحت وبلاغت کا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ الٹا وہ لوگ اس پر اعتراض کرتے تھے کہ اس کی زبان ایسی ناقص ہے کہ گو کسی غیر زبان عجم کے لئے باعث فخر بھی ہو یا کسی اہل زبان کے لئے باعث شرم نہ سہی۔مگر پھر بھی خدا کے لئے ضرور باعث رسوائی ہونا چاہیے ۔ زیادہ سے زیادہ اگر کسی نے اس کی تعریف یا جو ہجو ملیح کی تو یہ کہ " شعر کہتا ہے " (الانبیاء ع 1)۔ " شاعر ہے " (طور ع 2)۔مگر جب وہ آنحضرت کو شاعر کہتے تھے تو بھی آپ کو اپنے شعرائے نامدار میں نہیں شمار کرتے تھے بلکہ کہتے تھے " شاعر مجنون" (صافات ع 2)۔ کہتے ہیں کہ اڑتی خوابیں نہیں بلکہ افترا ہے بلکہ شاعر ہے ۔" (انبیاء ع 1)۔

غرضیکہ چاہے قرآن میں فصاحت وبلاغت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو اور چاہے یہ حق بھی ہو کہ کوئی اس کی مثل فصاحت وبلاغت میں نہیں کہہ سکا مگر یہ بھی حق ہے کہ نہ قرآن نے ایسا دعویٰ کبھی کیا اور اور نہ اس دعوے کو کسی ہم عصر اہل زبان نے بلا جبر و اکراہ تسلیم کیا۔ وہ تو اس کی فصاحت وبلاغت میں ہمیشہ عیب ڈھونڈتے رہے اور حضرت کی شان میں الفاظ ناملائم کہتے تھے حتےٰ

کہ حضرت نے اس کی شکایت خدا سے کی کہ اہل مکہ نے آپ پر یہ ظلم کیا کہ یہ یک لخت قرآن سے بیزار ہوگئے اور بہ اعتبار انشاء کے اس کو محض لچر ٹھہرایا۔ قال الرسول یا رب ان قومی اتخذو ھذا القرآن مجھوراً۔کہا رسول نے اے رب میری قوم نے ٹھہرایا اس قرآن کو جھک جھک ۔"(فرقان ع 3)۔ جس کا جواب حلف پر یہ آیا۔" قسم ہے آسمان چکر مارنے والے کی اور زمین ور اڑکھانے والی کی یہ بات دو ٹوک ہے اور نہیں یہ بات ہنسی کی ۔ " (طارق) اور ہم مانتے ہیں کہ قرآن ہزل نہیں ہے ۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اگر فصاحت وبلاغت کا یعنی اس فصاحت وبلاغت کا جس میں اہل عرب طاق تھے اور جس کو وہ اپنا مایہ ناز سمجھتے تھے قرآن کو انکار کرنا منظور نہ تھا تو کیوں کہا گیا۔ ما علمنا الشعر وما ینبغی لہ. کیونکہ فصاحت اور شعر تو گویا مترادف تصورات تھے۔ جس سرزمین میں " لونڈیاں تک مختلف زبان میں ایسے برجستہ اشعار کہہ دیا کرتی تھیں کہ آج اچھے سے اچھا ادیب ان کا مثل نہیں کہہ سکتا ۔" ان لوگوں کے سامنے یہ کہہ دینا کہ ہم نے نبی کو شعر نہیں سکھلایا گویا بالکل شکست مان لینا ہے اور سورہ اتفاق کہ آنحضرت ﷺ نے مذاقِ شعر سے اپنے تئیں اس درجہ بے بہرہ ثابت کیا کہ شعر کہنا کیامعنی کسی موزوں شعر کو صحت سے پڑھ دینا بھی آپ پر دشوار تھا۔ چنانچہ عباس بن مرد اس کے شعر کا ایک مصرعہ بھی آپ صحت سے نہ پڑھ سکتے تھے اور حضرت عمر کو فرمانا پڑا کہ سچ ہے ما علمنا الشعر (ابن ہشام جلد سوم صفحہ 29)۔

کیوں قرآن شعر نہ

پہلے ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ کیوں حضرت ﷺ نے شعر نہیں کہا اور نہ صرف نہیں کہا بلکہ یہ ثابت کیا کہ شعر گوئی کا مادہ تک آپ میں موجود نہ تھا حالانکہ اس زمانہ میں " اشراف خاندانوں کے بچے لطف وزبان طوطی وبلبل کی طرح گویا اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوئے تھے۔"اور لونڈیاں تک مختلف مضامین میں برجستہ اشعار کہہ دیا کرتی تھیں۔" مسلمان ہم کو اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس لئے کہ قرآن اور بھی بڑا عجوبہ ثابت ہو کیونکہ ایسے شخص کے ہاتھ سے ملا جو امی تھا اور انشاء نہ جانتا تھا۔ مگر ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اہل عصر نے اس سے ایک اور نتیجہ نکالا جو زیادہ خطرناک تھا یعنی آپ

کو کوئی دوسرا زیادہ پڑھا لکھا شخص سکھلاتا تھا۔ آپ اس کے سکھلائے ہوئے بولائے بولتے تھے چنانچہ قرآن میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ (نحل ع 14 وفرقان ع 1)۔

ہم یہ بھی نہیں سمجھ سکتے کہ قرآن نے کیوں شعر کی ہجو کی۔ شعر کو شاعروں نے اور قوم کے کے بگڑے ہوئے مذاق نے بدنام کر رکھا تھا۔ ورنہ شعر کا کیا کہنا۔ شعر انسان کو ایک ایسا عطیہ خدا کی طرف سے ملا ہے کہ لوگ ہمیشہ اسے آسمانی کہتے رہے اور شاعر کو الہامی اور دینوی نعمتوں میں اس کا شمار نہیں کرتے تھے۔ یونانی کہتے تھے کہ جس پر میوزز یعنی دیویوں کی مہربانی ہوتی تھی وہی شعر کہہ سکتا تھا۔ ہندو اس کو سرسوتی سے منسوب کرتے تھے۔ عرب جنات سے۔ ان کا گمان تھا کہ ہر شاعر کا ایک جن ہوتا تھا جو اس پر شعر القا کرتا تھا اور جب ان میں کوئی شخص شعر کہنے سے عاجز ہوجاتا تو وہ کہتے کہ اس کا جن چھوڑ کر بھاگ گیا۔ غرضیکہ سب قومیں شعر کو الہام بتلاتی ہیں۔ پھر شعر میں کیا عیب تھا کہ جو قرآن شعر نہ ہوا۔ مزامیر داؤد شعر ہیں یا کچھ اور انبیائے سابقین نے وحی کو کیوں نظم میں ادا کیا۔ مثنوی معنوی مولانا روم شعر نہیں تو کیا۔ کیوں اس کی نسبت کہا گیا ہست قرآن درزبان پہلوی۔

قرآن کو فنِ بیان میں عرب کا مقابلہ منظور نہ تھا

پس ہم کو یہ کہنے میں مطلق تامل نہیں کہ جس فن میں اہل عرب استاد مانے جاتے تھے ہر گز ہر گز قرآن کو منظور نہ تھا کہ اس فن میں ان کا معارضہ کیا جائے اگر معارضہ منظور ہوتا تو قرآن شعر کہہ کر عرب کو چونکا دیتا تاکہ تمام فصحائے عرب یعنی شعرائے قوم جو محض شعر کی وجہ سے سردار اور لیڈر ہوگئے تھے ، قرآن کا لوہا مان جاتے ۔ اگر قرآن کو قوم کا معارضہ منظور تھا تو کبھی عرب کے اکھاڑے عکاظ میں کھڑا ہو کر للکارتا جہاں ہر شخص حاضر ہوتا تھا جس کو خدا نے زبان کہنے کو عطا کی تھی یادل سمجھنے کو اور جہاں "ایک ایک فصیح قبیلوں کے قبیلوں کو فقط اپنے کلام کے زور سے " کان دھری بکری کی طرح جدھر چاہتا تھا لے جاتا تھا۔ اور عکاظ پر مثل صاعقہ کے کڑکتا کہ سب مکے سب ششدر وحیران رہ جاتے اور سارے خطیبوں اور شعراء کا بازار ٹھنڈا ہوجاتا۔ عکاظ پاس تھا تیرہ برس تک ہر سال برابر جمگھٹا ہوا کیا مگر ہم نے نہیں سنا کہ حضرت ﷺ نے کبھی اس میدان میں زبان آوروں کا مقابلہ کیا یا نقادن سخن سے کچھ داؤ پائی یا قوم کو اس کے کسی فاسد ارادے سے روک لیا یا اللہ کی راہ میں جھونک دیا۔

مکہ میں نہ تحدی ہوئی نہ قرآن

ہاں یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ اپنے بعض رفیقوں کے ساتھ عکاظ کی طرف چلے اور آپ کو فجر کی نماز میں قرآن پڑھنے کا اتفاق بھی ہوا۔ مگر بجائے اس کے کوئی خطیب یا شاعر اس کی فصاحت پر لوٹ جاتا جنون میں کچھ مشرک جنّ سن کر ایمان لائے اور اپنی قوم کے سامنے یہ خبر لے گئے کہ انا سمعنا قرانا عجیباً یهدی الیٰ الرشد ۔ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ۔ جو نیک کی راہ ہدایت کرتا ہے جس سے وہی بات روشن ہے جو سرسید نے کہی تھی کہ قرآن میں ہدایت ہے اور جنّوں نے بھی فصاحت وبلاغت پر کوئی شہادت نہ دی چاہے یہ نکات بلاغت کے سمجھنے کے قائل ہوں یا نہ ہوں۔

غرضیکہ تاریخ اور وہ بھی تاریخ اسلام بالکل ساقط ہے کہ کبھی قرآن کا کوئی سورہ کسی مجمع میں دعوےٰ کے ساتھ پڑھا گیا ہو اور کسی سخن فہم نے اس کی فصاحت وبلاغت کو مان لیا ہو۔

مکہ میں نہ تو قرآن خوانی کا بازار گرم ہوا نہ تحدی وتعلی کا 13 برس ایک خواب وبیداری کا سا عالم طاری رہا۔

مکہ میں آنحضرت ﷺ بلند آواز سے قرآن پڑھنے کی جرات نہیں کرتے تھے بلکہ دعا کے وقت اپنے خدا کے سامنے بھی زور سے نہ پڑھ سکتے تھے۔ بلکہ قرآن میں منع کیا گیا لاتجھر بصلا تک نہ اونچی آواز سے پڑھ (قرآن کو) اپنی نماز میں اور اس کا شان نزول ابن عباس سے بخاری پارہ 19 میں مروی ہے " رسول ﷺ مکہ میں چھپے ہوئے تھے۔ اور جب اپنے یاروں کے ساتھ نماز میں آواز اٹھا کر قرآن پڑھتے تو مشرک لوگ سن کر قرآن کو گالی دیتے اس کے نازل کرنے والے کو اس کے لانے والے کو۔" پس یہ آیت اتری۔

جب ابوذر غفاری مکہ میں حضرت کو ڈھونڈنے آیا تو آپ کو ایسا پوشیدہ پایا بمشکل پتہ لگا اور حضرت علی نے اس کو آپ تک بڑے حیلوں سے پہنچایا کہ کسی کو نہ معلوم ہوسکے کہ کون ہے کہاں جاتا

اور آیا یہ دونوں ساتھی ہیں یا اجنبی (پارہ 14 بخاری روایت ابو حمزہ) بلکہ مسلم کتاب الفضائل میں عبداللہ بن صامت کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کو جب سب سوجاتے ہیں آنحضرت ابوبکر کے ساتھ کعبہ کی زیارت کو نکلتے تھے اور ابوذر سے رات کو ملاقات ہوئی ۔ اب ذرا سوچو کہ قرآن پہنچانے والے منہ لپیٹے چھپے پھرتے تھے تو پھر قرآن کو پڑھ پڑھ کر اور تحدی کرکے سنانے والا کون باقی تھا۔ جب نبوت یہ آئی کہ آواز کا بلند کرنا خدا کے روبرو نماز میں بے اختیاری کی حالت میں بھی منع ہوگیا تو اس کا اعلان اور اشتہار جس کے مولوی صاحبان مدعی ہیں کیونکہ ممکن رہا۔

ہجرت حبشہ کے وقت قرآن خوانی بالکل بند تھی۔ عام مسلمانوں کا کیا حال ذکر خاصان میں سے صدیق اکبر کی یہ نوبت آئی تھی کہ ایک ہمدرد قدردان کافر نے جب آپ کو مکہ میں امان دی یعنی ابن دغنہ نے تو آپ سے اس بات کا قول قرار لے لیا تھا کہ " اپنے رب کی عبادت کرو مگر مکان کے بھیتر نماز ادا کرو مکان کے اندر اور پڑھو جو جی میں آوے مگر ہم لوگوں کو تکلیف مت دو۔ (اپنی نماز اور قرات سے) نہ اس کا اعلان کرو۔" (بخاری پارہ 15 حدیث ہجرت)۔اس کے بعد تذکرہ ہے کہ ابوبکر اس عہد کو بے اختیاری کی وجہ سے پورا نہ کرسکے کیونکہ آپ رقیق القلب تھے۔" بہت روتے تھے اور آنسو بہاتے تھے جس وقت قرآن پڑھتے تھے۔" نتیجہ یہ ہوا کہ ابوبکر سے امان لے لی گئی اور انجام کار ان کو اور حضرت کو مکہ چھوڑ کر مدینہ بھاگنا پڑا۔ ادھر ابوجہل نے اعلان کردیا تھا کہ " اگر میں نے کبھی محمد ﷺ کو کعبہ کے گرد نماز پڑھتے دیکھ پایا تو اس کی گردن پیر سے کچل ڈالونگا۔" (بخاری پارہ 20 حدیث ابن عباس)۔ بلکہ عقبہ ابن ابی معیط نے تو کعبہ کے پاس آپ کو نماز پڑھتے پاکر چادر سے آپ کا گلا گھونٹ دیا تھا کہ حضرت ابوبکر نے اس لعین کو روکا۔(بخاری پارہ 15 حدیث عروہ بن زبیر)۔

جب تک مکہ میں رہے مسلمانوں کو اس مصیبت کا سامنا رہا۔ وہ علانیہ طور پر نماز پڑھ سکتے تھے نہ قرآن کی تلاوت کرسکتے تھے نہ کعبہ کا طواف ،اگر کچھ ممکن تھا تو چوری چھپے یا کسی مشرک ہمدرد اور مخلص دوست کی امان میں۔ اسی وجہ سے تو ان کو وطن چھوڑ کر بھاگنا پڑا پہلے حبشہ بھاگے پھر مدینہ اور مدینہ چلے جانے پر بھی مکہ میں ان بیچاروں کی جان کی خیر نہ تھی۔ اور یہ کیفیت اس دن تک رہی کہ مکہ فتح ہوا اور اسلام کا بول بالا ہوا۔ چنانچہ سعد بن معاذ جو امیہ بن خلف ایک سردار قریش کا بڑا گھرا دوست تھا عمرہ کی فرض سے مکہ میں امیہ کی امان میں آکر رہا اور امیہ بڑی حکمت سے ایک دن دوپہر کے وقت جب لوگ غافل تھے طواف کعبہ کے لئے سعد کو اپنے ہمراہ لے چلا مگر ابوجہل سے بھینٹ ہوگئی۔اس نے انکار للکارا کہ تم ہی ہو کہ محمد کو اور اس کے یاروں کو مدینہ میں پناہ دی اور یوں بے دھڑک کعبہ کا طواف کرتے ہو۔ اس پر جھگڑا ہوا اور امیہ نے ابوجہل کی ظاہر اطرفداری تو کی مگر اپنے یار سعد کو بچالیا (بخاری پارہ 14 روایت ابن مسعود)۔

مگر عجب لطف کی بلکہ لطیفہ کی بات ہے کہ پرانے طرز کے مولوی باوجود اس تاریخی شہادت کے لن ترانیاں اڑارہے ہیں اور وہ وہ ڈینگیں مارتے ہیں جس کی بھنک بھی اس زمانہ کے لوگوں کے کانوں تک نہیں پہنچی تھی جس کا ذکر ہم کررہے ہیں ۔ مولوی سید محمد صاحب فاتوا بعشر سورۃ مثلہ مفتریات کی نسبت فرماتے ہیں ۔" یہ وہی صدائے سترک رہا ہے جو ہزار رہا شعرائے مشاہیر کی مجلسوں میں کی جاتی تھی اور سب منفعل ہو کر سر جھکالیتے تھے ۔ اور یہ وہی ندائے کفر زدا ہے جو فصحائے و بلغا کے شہروں میں دی جاتی تھی اور سب عاجز ہو کر چپ ہوجاتے تھے ۔ یہ وہی آواز ہے جو مشرکوں پر تلوار سے زیادہ کام کرتی تھی اور نشتر کی طرح دلوں میں پار ہوتی تھی ۔ یہ وہی کلام ہے جس کا معارضہ اور مقابلہ کسی سے نہ کیا گیا" تنزیہ صفحہ 271۔ اور خلیفہ محمد حسن صاحب بھی اس قول پر صاد کرتے ہیں کہ " خود محمد ﷺ نے بھی اپنی رسالت کے ثبوت کے لئے اس معجزہ کی طرف رجوع کیا تھا۔ اور بڑے بڑے فصحائے عرب کو علانیہ کھلا بھیجا تھا کہ اس کے مقابلہ کی ایک سورۃ ہی بنادو۔"(اعجاز صفحہ 171)۔

آیاتِ تحدی مدنی ہیں

قرآن شریف کی پانچویں آیات تحدی سلسلہ نزول کے ساتھ ہم اوپر نقل کرچکے اور اپنی طرف سے بتلا بھی چکے کہ تحدی کس معنی میں کی گئی اور کہ اس کو فصاحت و بلاغت سے سروکار نہ تھا۔ مگر ہم اپنے مخاطبوں کی خاطر کچھ دیر کے لئے ان کے زعم کو فرض کرکے بھی اس کے متعلق چند نکات بتلائے دیتے ہیں جس سے یہ مسئلہ حل ہوا جاتا ہے۔

اگر ہم ان پانچوں آیات پر غور سے نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں دو بیشک بڑے زور شور کی آیتیں ہیں جن میں چاہے جس معنی میں ہو ایک دعویٰ ہے۔ اوّل درجہ میں تو دعوے سورہ بقرہ کی آیت فاتوا بسورة من مثلہ دوم درجہ میں سورہ بنی اسرائیل کی لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یا تو ابمثل ھذا القرآن ۔ اور ان کے علاوہ جو تین آیتیں ہیں وہ سب ان دوسے گھٹ کر اور تحدی کے اعتبار سے پھیکی اور ملائم ۔

اب ان دونوں آیتوں کی تاریخ سنئے پہلی آیت سورہ بقرہ میں ہے اور حسب شہادت خلیفہ سید محمد حسن صاحب سورہ بقرہ ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی جبکہ آنحضرت کو بخوبی قوت ہو گئی تھی۔" یعنی یہ اس زمانہ میں نازل ہوئی ۔" جب حضرت مدینہ میں چلے آئے اور انصار اہل مدینہ مسلمان ہوگئے اور مہاجرین اور انصار ایک جگہ جمع ہوگئے اور آنحضرت کو بہت بڑی قوت ہو گئی ۔" اعجاز صفحہ 330دوسری آیت درج تو مکی سورت میں کی گئی ہے دراصل مدنی چنانچہ اتقان کے ابتدائی نوع میں جہاں علامہ سیوطی نے دکھلایا کہ مکی سورتوں میں مدنی آیات درج ہو گئی ہیں اور مدنی میں مکی۔ آپ یہ بھی لکھتے ہیں کہ سورہ بنی اسرائیل جو مکہ میں ہے اس میں علاوہ اور آیات کے قل لئن اجتمعت لانس والجن اس سے خارج ہے یعنی وہ مکی نہیں بلکہ مدنی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ شیوع اسلام کے 13 برس تک فصحا بلغائے عرب نے مکہ کے قریب وجوار میں جہاں فصحائے عرب کا مشاعرہ ہوا کرتا تھا اس تحدی کا نام تک نہیں سنا اور جب تک ان کے منہ میں زبان رہی اور ان کے ہاتھ میں آزادی کی باگ ان سے یہ کہنے کی کسی کو مجال نہیں ہوئی کہ قرآن ایسا ہے کہ وہ اس کی مثل تا ابد کچھ نہیں کہہ سکیں گے۔

مکہ میں قرآن ناکام رہا اور معجزہ فصاحت میں اکارت

تحدی تو عقلا کے نزدیک کوئی شئے نہیں ہے کلام میں ذاتی خوبی خود تحدی کا کام دیتی ہے۔ نہ تحدی کسی کلام کو فصیح و بلیغ کردیتی ہے اس لئے ہم اب خلیفہ صاحب کے اس قول کو بھی پرکھتے ہیں جو انہوں نے فرمایا کہ قرآن میں فصاحت وبلاغت اس لئے رکھی گئی کہ " وہ تمام جاہل جو صرف کلام کی ظاہری خوبی یعنی فصاحت وبلاغت ہی کو ایک بڑی چیز سمجھے ہوئے تھی اس کے معارضہ سے عاجز ہو کر اس کو کلام الہیٰ جانے اور ایمان لائے "ہم تاریخ اسلام دوبارہ خلیفہ صاحب کے ساتھ پڑھیں گے اور دیکھیں گے آیا اس قول میں کچھ بھی جان ہے۔ آپ لکھتے ہیں ۔" تین برس کی تھوڑی سی کامیابی کے بعد اس محبت وشفقت کے تقاضاسے جو آپ کو اپنی قوم اور خصوصاً اپنے اہل خاندان سے تھی بقول اڈورڈ گبن یہ مصمم ارادہ کرکے کہ انہیں ربانی روشنی سے مستفید کریں، آپ نے اپنے خاندان کے لوگوں کوجو شمار میں کم وبیش چالیس تھے اور جن میں آپ کے چچا ابو طالب اور حمزہ اور عباس اور ابولہب بھی شامل تھے دعوت کی تقریب سے جمع کیا اور جب اکل وشرب سے فراغت ہوچکی تو مخاطب ہو کر فرمایا" کہ اے اولاد عبدالمطلب میں تمہارے لئے ایک ایسی چیز لایا ہوں جوبے شبہ دنیا اور آخرت کی بہتری ہے اور یقین کرو کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں تم کو اس کی اطاعت کی طرف بلاؤں پس تم میں کون ایسا ہے جو اس امر عظیم میں میرا بوجھ اٹھائے اور میرا بھائی اور میرا وصی اور میرا نائب تم میں ہو، لکھا ہے کہ کسی نے کچھ جواب نہ دیا مگر ایک جوان نوخاستہ جس کی ابھی مسیں بھیگنی شروع ہوئی تھیں بقول گبن۔" اس حیرت ، رشک او رحقارت آمیز خاموشی کی برادشت نہ کرسکا۔" اور کھڑے ہو کر بڑی ہمت اور جرات کے ساتھ بولا۔" یارسول اللہ اگرچہ میں اس مجمع میں سب سے کم عمر ہوں مگر اس مشکل خدمت کو بجالاؤنگا ۔" اعجاز صفحہ 46و49۔ پھر آپ لکھتے ہیں " القصہ جب آنحضرت ﷺ نے اپنے خاندان پر اپنے موعظہ کا کچھ اثر نہ پایا تو حرم کعبہ میں تشریف لاکر اس پتھر پر کھڑے ہوئے جو آپ کے جد امجد اسمعیل نے نصب کیا تھا اور بآواز بلند فرمایا" اے گروہ قریش وقبائل عرب میں تم کو خدا کی توحید اور اپنی رسالت کی طرف بلاتا ہوں پس اس کو مانو اور شرک وبت پرستی چھوڑ دو تاکہ عرب و عجم دونوں کے بادشاہ ہوجاؤ اور آخرت کی بادشاہت بھی تمہاری ہی ہووے۔ جس کو سن کر کفار ہنسنے لگے کہ محمد کو (معاذ اللہ) جنون ہوگیا ہے۔ اب یہ حال تھا کہ کفار ناہنجار اگرچہ کوئی جسمانی تکلیف آپ کو نہیں دیتے تھے مگر پندو نصیحت کو نہ ماننا اور بشدت حقارت واستہزا کرنا آپ کے لئے تکلیفوں سے زیادہ سوہان روح تھا" صفحہ 48 پھر لکھتے ہیں۔" اب قریش کا غیظ وغضب بڑھتا جاتا تھا اور اگرچہ حضرت ابوطالب اور اعیان بنی ہاشم کے رعب سے آپ کے قتل کی جرات نہ کرسکے مگر آپ کو اور آپ کے اصحاب کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچانے لگے۔ جہاں

آپ جاتے تھے وہیں وہ بھی پہنچتے اور نماز میں مصروف دیکھتے تو پتھر مارتے اور ناپاک و نجس چیزیں لاکر آپ ڈال دیتے تھے۔ حرم کعبہ میں نماز پڑھنے اور آنے جانے میں سخت مزاحم ہوتے اور قرآن مجید کو پڑھتے سن کر غل مچاتے اور اس کے الفاظ میں اپنے لفظ ملادینے کی کوشش کرتے تھے۔ راستہ چلنے میں سر مبارک پر خاک مٹی اور کوڑا کرکٹ پھینکتے اور برا بھلا کہتے تھے۔" صفحہ 52۔ الغرض ایذا رسانی و تکلیف وہی کا ایک سلسلہ قائم کرلیا تھا اور یہ عہد کرلیا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو آپ کو اور آپ کے اصحاب کو تکلیف دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں۔" صفحہ 53۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ " بہ مجبوری آپ کو اپنے ستم رسید اصحاب کو چندے ملک حبش میں جا رہنے کی ہدایت فرمانی ضرور ہوئی۔" صفحہ 67۔ اس پر " انہوں نے جھلا کر باہم یہ عہد کرلیا کہ بنی ہاشم سے کسی قسم کا میل جول نہ رکھیں گے نہ ان سے کوئی چیز خریدیں گے اور نہ ان کے پاس بیچیں گے نہ ان کی بیٹی لیں گے اور نہ ان کو دیں گے اور تاکہ اس عہد و پیمان سے کوئی انحراف نہ کرسکے ایک کاغذ پر لکھ کر کعبہ کے اندر لٹکادیا۔ پس بنی ہاشم پہاڑ کے اندر پناہ لینے پر مجبور ہوئے اور کافروں نے پانی اور دانہ پہنچانا تقریباً بند کردیا اور کامل تین برس تک یہی ظلم و ستم جاری رکھا۔" صفحہ 75۔ اب اگرچہ تین برس کے بعد اس عذاب سے نجات پائی " مگر چند ہی مہینوں کے درمیان پہلے حضرت خدیجہ کا انتقال ہوگیاں اور پھر ابو طالب کا" بنی ہاشم اپنے سردار کے گذر جانے سے آپ کی کماحقہ، حفاظت نہ کرسکے اور جو جو اذیتیں اور ذلتیں مشرکین آپ کو پہنچا رہے تھے ان میں اور زیادہ شدت ہوئی اور آپ کو قطعی ناامیدی ہو گئی کہ اب یہ لوگ بت پرستی سے باز نہ آئیں گے۔ پس یہ خیال فرما کر کہ شاید قوم بنی ثقیف کو خدا توفیق قبول اسلام دے۔ آپ شہر طائف کو جو مکہ سے مشرق کی طرف قریب ساٹھ میل ہے تشریف لے گئے۔" صفحہ 76۔ مگر وہاں کے لوگوں میں سے بھی کسی کو توفیق قبول اسلام نہ ہوئی۔ اور انہوں نے یہاں تک بدسلوکی کی کہ کمینہ لوگوں کا ایک انبوہ کثیر برا بھلا کہتا اور غل مچاتا ہوا تمام دن آپ کو گھیرے رہا اور ایسی دھکا پیلی ہوئی کہ آپ کو ایک باغ کے احاطہ میں پناہ لینی پڑی۔" صفحہ 77۔

غرض کہ آپ طائف سے بھی ناکام پھرے اور درد بھرے دل کے ساتھ جبکہ سوائے توکل الہیٰ کے کوئی بھی آپ کا یار و مددگار باقی نہ رہا۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں آپ نے اپنی رسالت و نبوت کی شان کو دکھلایا۔ اور جب تمام عرب آپ کا منکر تھا ہم قائل ہوئے۔" اب آپ نے مایوس ہو کر قریش کو پند و نصیحت کرنا چھوڑ دیا اور صرف ان قبائل کے لوگوں کو جو حج وغیرہ کے لئے آئے تھے دعوت اسلام فرماتے تھے مگر ان میں سے بھی کسی کو بھی توفیق قبول اسلام نہ ہوئی۔ بجز یثرب کے چھ شخصوں کے جنہوں نے کلام الہیٰ کو سنا اور مشرف باسلام ہوئے۔" صفحہ 79 یہاں یہ بات خاص طور سے قابل غور ہے کہ قریش جن کو مایوسی میں یوں ترک کے دوسرے قبیلوں میں ایمانداروں کی کھوج کی گئی وہی لوگ ہیں جن کی زبان میں قرآن کا نزول خصوصاً مانا جاتا ہے جن سے زیادہ عرب میں کسی قوم کو قرآن کے علمی محاسن و دریافت کرنے کی قابلیت فطرةً حاصل نہ تھی۔

پس اب آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہوگیا کہ اگر بزعم اہل اسلام قرآن مجید میں " ظاہری خوبی یعنی فصاحت و بلاغت " تھی تو اس کے پرکھنے والوں میں سے کسی نے بھی نہ اس کو کلام الہیٰ مانا نہ اس پر ایمان لائے۔ 13 برس کی مدت اور قلب عرب میں ایسی ناکامی کہ جس کی نظیر دنیا میں موجود نہیں۔ قرآن کی داد دینے والوں میں نہ اس وقت کہیں لبید بن ربیعہ ہیں۔ نہ حسان بن ثابت نہ عباس بن مرداس۔ نہ ابوذؤیب الہذلی نہ اعشےٰ میموں ابی بصیر۔ نہ کعب بن زہیر اور نہ نابغہ جعدی۔ بلکہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کو مہجو کہا اور اس کا استغاثہ خدا کے روبرو کیا گیا۔

اب بتاؤ کہاں ہیں وہ لوگ جو ڈینگیں مارتے ہیں کہ " ہزار ہا شعرائے مشاہیر کی مجلسوں میں " اور " فصحا و بلغا کے شہروں میں گویا ڈنکے کی چوٹ پر قرانی تحدی کی منادی کی جاتی تھی اور " سب عاجز ہو کر چپ ہوجاتے تھے۔" بالکل برعکس حال تھا۔ تحدی کرنے والے اپنے اپنے دروازے بند کئے ہوئے مکانوں کے گوشوں میں جنگل و پہاڑ کے غاروں میں چھپے پھرتے ہیں۔ قرآن کی صدا باہر تک نہیں جاسکتی۔ ویرانوں میں منہ چھپائے بیٹھے ہیں۔ راہ گلی چلنا محال تھا۔ زبان کھولنا اور تحدی کرنا کیسا۔ جہاں قرآن پڑھا گیا حقارت کے نعرے بلند ہوئے۔ قرآن پر اور قرآن سنانے والوں پر گالیوں کی بوچھاڑ ہوئی۔ اپنوں اور بیگانوں نے اس کو ردی کردیا۔ گھر کے لوگوں رشتہ داروں کے سامنے پڑھا تو بھی۔ اگر حرم کعبہ میں تو بھی۔ اگر طائف میں تو بھی۔ حتےٰ کہ مایوسی نے قرآن خوانی بند کروادیا۔ قوم نے قرآن کو خوب سنا اور سنکہ متحدہ اللفاظ والمعنی یہ کہہ دیا کہ قرآن مہجور ہے (فرقان ع 3)۔ یعنی ہذیان و بکواس۔" نامور شعراء کا کلام سنہری حرفوں میں لکھ کر کعبہ کے صدر دروازے پر معلق کیا جاتا تھا۔ انہیں لوگوں نے قرآن شریف کو مکہ سے یعنی فصحا و بلغاء عرب کے شہر سے بھی جلاوطن کردیا۔

اس سے زیادہ فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے قرآن کی اور کیا تحقیر ہوسکتی تھی۔ پھر اگر مکہ سے باہر نکل کر تحدی کی جائے فا توا بسررۃ من مثلہ ۔ وان لمہ تفعلواولن تفعلوا تو یہ زبردستی ہے ۔ جب تک اہل مکہ کے منہ میں زبان رہی اس وقت تک اجماع اس پر رہا کہ قرآن ہیچ ہے۔ اب جب حضرت کے ہاتھ میں تلوار آئی تو پانسہ پلٹ گیا۔ آزادی کی رائے رائے ہے جبر واکراہ کی رائے رائے نہیں اور اس پر فخر کرنا بیجا ہے۔

تحدی سے غرض تسکین قلبِ مومنین تھی نہ مقابلہ

ذرا اس بات پر سوچنا چاہیے کہ یہ تمام دعوے جو ہیں کہ قرآن خدا کا کلام ہے وہ وحی سے نازل ہوا اس کو جبرئیل امین نے اتارا ۔ اس کی مثل کوئی کلام نہیں ہوسکتا یہ سب اعتقادی باتیں تھیں مومنین کو سنانے کی اور ان کے ایمان لانے کی ۔ پس یہ کہنا کہ جن باتوں کا وعظ صرف ایمانداروں کے گروہ میں دیا جاتا تھا انہیں باتوں کی منادی دشمنوں اور مخالفوں میں کی جاتی تھی۔ محض ایک خیالی بات ہے۔ حق یہی ہے کہ جب تک مکہ میں حضرت تھے اس وقت تک ایسی تحدی ہوئی نہیں اگر ہوئی بھی ہو تو محض تسکین قلب مومنین کے لئے مکان کے کسی گوشہ میں نہ منکرین کے سامنے ان کی حجت بڑھانے کی غرض سے۔

قرآن کا معجزہ سیف تھا

ہاں مدینہ میں جب پولٹیکل قوت حاصل ہوگئی تو کفار مکہ کو شکست ہونے لگی تب قرآن خوانی کا علمَ بلند ہوا۔ قرآن خوانی رجز خوانی ہوگئی جس سے دشمنوں کے دلوں پر ہیبت ڈالی جاتی تھی اور اس کا لوہا منوایا جاتا تھا۔ جنگ بدر کے قبل تک زمانہ موافق نہ تھا چنانچہ ایک قصہً بخاری پارہ 25 میں اسامہ بن زید کی زبانی مروی ہے کہ میں اور رسول اللہ دونوں آگے پیچھے ایک گدھے پر سوار ہو کر جنگ بدر سے پہلے سعد بن عبادہ کی بیمارپرسی کو جاتے تھے کہ ایک مجلس پر گزرے جس میں مشرکین بھی تھے مسلمان بھی اور یہودی بھی۔ اس میں عبداللہ بن ابی بھی بیٹھا تھا جو ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ اس نے ناک پر چادر ڈال کر تنفر کے ساتھ حضرت سے کہا کہ کیوں گرد اڑاتے ہو اور جب حضرت مجلس میں بیٹھ کر لوگوں کو قرآن سنانے لگے تو طنزیہ بولا " اے مرد اگر بات سچ ہو تو تیرے قول سے بہتر کچھ نہیں۔ پھر تو ہماری مجلس میں اس کلام سے سمع خراشی نہ کر۔ جو تیرے پاس جائے تو اس کو قصے سنا (ایھا الموالا حسن مما تقول ان کان حقا فلا تو زنابہ فی مجالسنا فن جا عکہ فاقصص علیہ) اس کے بعد مشرکوں یہودیوں اور مسلمانوں میں گالی گلوچ ہونے لگی اور حضرت بیچ بچاؤ میں پڑ گئے اور وہاں سے رنجیدہ اور ناکام پھرے۔ عبداللہ کی شکایت کرتے ہوئے (کیونکہ غیر مسلمانوں میں قرآن کا ہمدرد اور قدر دان کوئی نہ ملا) پھر راوی کہتا ہے کہ جب رسول ﷺ بدر کی لڑائی جیتے اور کافروں کے رئیس اور قریش کے سردار مارے گئے اور حضرت اور ان کے اصحاب فتح مند لوٹ کا مال لئے ہوئے لوٹے اور رضا دید قریش کو پابزنجیر لائے تو عبداللہ بن ابی اور اس کے مشرک ساتھی ڈر گئے ۔ بولے آخر وہی معاملہ درپیش آیا یعنی اسلام غالب آگیا چلو حضرت سے بعیت کرلو اور یہ لوگ مسلمان ہوگئے ۔ پس سمجھ لیجئے کہ وہی جو حضرت کے گدھے کی بو سے ناک بند کرتا تھا اور قرآن کو سمع خراش جانتا تھا کس آسانی سے اسلام اور قرآن کا قائل ہوگیا۔ پس اس واقعہ کو ہم کل معموں کا حل جانتے ہیں۔ اب کیا تھا میدان صاف ہوا۔ تلوار بولنے لگی۔ شعراء سے مدد لی گئی کہ کفار کی ہجو کریں تب یہ تحدیاں یا ممکن ہے اس سے بڑھ بڑھ کر جس کی خبر ہم کو اب نہیں ڈنکے کی چوٹ پر ہونے لگیں۔ مگر اب تحدی کو قبول کرنے والے نہ رہے کیونکہ کفار کی تعداد کم ہوتی جاتی تھی اور سب مومنین نظر آتے تھے بلکہ اب تو یہ کہنا چاہیے کہ جہاں تک آنکھوں اور کانوں کا کام تھا کفر و کفار نہ دکھائی دیتے تھے نہ سنائی دیتے تھے چنانچہ بخاری کے آخر میں عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کےہے فتح مکہ کے دن حضرت اونٹ پر سوار ترجیح کے ساتھ بلند آواز سے قرآن پڑھتے تھے۔ اسی جگہ جہاں کسی مسلمان کی مجال نہ ہوئی تھی کہ اس سے پہلے قرآن کو نماز میں زمین پر سجدہ کرتے ہوئے بھی پڑھے ، پھر نوبت یہاں تک آئی کہ حضرت نے پکار دیا۔ جو قرآن کو آہنگ اور للکار سے نہ پڑھے وہ ہمارا نہیں (آخر پارہ حدیث ابوہریرہ) ۔ اب آہنگ ہے للکار ہے سرود ہے تعلی ہے تحدی ہے ۔ مگر اس کو سننے والے اور اس کا جواب دینے والے موجود نہیں پس ہم تو یہی کہیں گے کہ قرآن کا معجزہ نہ

عصاء موسیٰ تھا نہ احیائے موتے ۔ نہ فصاحت علیا بلکہ محض سیف مجلے جس سے سب عاجز رہے ہیں۔جس کے آگے سب نے سر تسلیم خم کیا۔پس ذرا بھی کلام نہیں کہ قرآن باوجود اپنی بمیثل خوبیوں کے اس زمانہ میں کہ جس کا مثل تاریخ عرب میں پھر نہ ہوا۔ "بھینس کے آگے بین "بنا رہا۔ اگر فصاحت وبلاغت قرآن کا ایک معجزہ ہے اور وہ بقول ہمارے فاضل مصنف کے " مقتضائے وقت کے لحاظ سے ضرور تھا۔ " تو افسوس وہ بالکل ناکام رہا کسی نے جس سے توقع ہوسکتی تھی اس کو قبول نہ کیا اور اس قوم پر جو" صرف کلام کی ظاہری خوبی یعنی فصاحت وبلاغت ہی کو ایک بڑی چیز سمجھے ہوئے تھی " بالکل ضائع ہوا حتیٰ کہ مراد تو یہ تھی کہ قوم " اس کے معارضہ سے عاجز ہو کر اس کو کلام الہیٰ جانے اور ایمان لائے ۔مگر حاصل یہ ہوا کہ اس نے خود نبی کو عاجز کر ڈالا۔ قرآن کی ہجو میں گالیاں نکالیں جس کی حالت بے بسی میں حضرت نے اپنے خدا سے شکایت کی۔" اے رب میری قوم نے ٹھہرایا اس قرآن کو جھک جھک " بلکہ اس بات سے بھی بد تر ہے کوئی ایک شخص بھی عرب میں نہ تھا جو اس قرآن کی فصاحت وبلاغت کا قائل ہو کر مسلمان ہوجاتا اور جب یہ قصہ ہم سن چکے تو اب یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ اس کے کیا معنی ہیں جو لکھا ہے کہ منافقین آپس میں قرآن کو بد گوئی کیا کرتے تھے " جب نازل کی جاتی ہے کوئی سورہ تو منافقوں میں سے لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے کہ اس اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھا دیا۔ " (توبہ ع 15)۔ اگر قرآن میں فصاحت وبلاغت ہوتی اور وہ حد اعجاز کو پہنچی ہوتی اور اگر ایسا معجزہ اقتضائے وقت کے لحاظ سے ضرور تھا۔ " تو نہ قوم عرب یکزباں ہو کر اس کو ہذیان کہتی اور نہ منافقین اس پر یہ طعن کرتے ۔ پس اگر اہل عصر کو اس معاملہ میں ثالث بنایا جاتا ہے ۔ تو فیصلہ تمہارے خلاف ہو گیا۔

باب پنجم

قرآن سلیس عربی قول بشر

اب یہ تو معاملہ ہو گیا کہ نہ قرآن نے تحدی کی نہ قوم سے علم بیان میں معارضہ چاہا۔ نہ قوم نے اس کلام کی داد دی نہ اس کی عزت کی بلکہ الٹا اس پر اعتراض جڑا اور اس کو اپنی زبان کے سے اعتبار سے مہجور ٹھہرایا۔ جس کی معذرت آنحضرت ﷺ کو قرآن میں کرنا پڑی اور بطور جواب کہنا پڑا کہ گو قرآن میں وہ خوبی نہ ہو جس کے تمہارے اکابر متوقع ہیں مگر اس میں یہ خوبی ضرور ہے کہ وہ "سلیس عربی "ہے جس کو ہر سلیم الطبع شخص عالم وجاہل سمجھ سکتا ہے اور اس پر غور کرسکتا ہے۔ یہ الہیٰ پیغام ہے جس میں معنوی خوبی ہے نہ کے لفظی خوبی چنانچہ سورہ شعراء ع 11 میں اس کو عربی مبین کہا اور سورہ نحل میں لکھا ہے"

قرآن عربی مبین

" ہم کو معلوم ہے کہ کفار کہتے ہیں کہ محمد کو کوئی آدمی سکھلاتا ہے اس آدمی کی زبان جس کی طرف اشارہ کرتے ہیں عجمی ہے اور قرآن تو زبان عربی میں مبین ہے۔" یعنی عجمی شخص اس قرآن کو نہیں کہہ سکتا اور جو کچھ فرمایا وہ بطور معذرت کے فرمایا کیونکہ جو انشا قرآن شریف میں اختیار کی گئی وہ فصحا وبلغاء عرب کے اسلوب وطرز مروجہ ممدوحہ کے مطابق نہ تھی۔ اس طرز میں ان کے ادیب وخطیب کلام نہ کرتے تھے پس اس سیدھی اور سادی طرز کے اختیار کرنے کی وجہ یہ بتلائی کہ اس کو عام وخاص سب سمجھیں یعنی مقصود خداوندی صرف یہ ہے کہ لوگ اس کے احکام اور اس کے دین سے آگاہ ہوجائیں اور بس۔ اس لئے اس کو کھلی عربی زبان میں اہل عرب کے پڑھنے کی خاطر نازل کیا۔ یہی غایت درجہ کی تعریف ہے جو خود قرآن نے اپنی عربیت کی ہے ۔ قرآن کو کلام خدا بطور مجاز کہا ہے ۔ ورنہ قرآن کی عبارت پر غور کرنے سے اس کا دعویٰ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تو وہ نبی کا قول ہے اور کچھ فرشتے کا ہاں اس کے نفس مضمون کو ضرور الہیٰ اور الہامی بتلایا گیا۔

نزول بہ روح الامین علےٰ قلبک

چنانچہ ایک آیت یہ ہے ۔ نزول بہ روح الامین علےٰ قلبلکہ التکون من المنذرین بلسانٍ عربی مبین۔شعراء ع 11 " لے ترا قرآن کو فرشتہ معتبر تیرے دل کے

اوپر تا تو ہوجائے ڈر سنانے والوں میں سے زبان عربی صاف میں۔"عربی مبین کا ترجمہ حافظ نذیر احمد صاحب " سلیس عربی "کرتے ہیں اور تفسیر مدارک میں ہے کہ یہ جملہ یا تو منذرین کے متعلق ہے اور منذرین بلسان عربی میں مبین ہود وصالح وشعیب اور اسمعیل تھے یا وہ متعلق نزل کے ہے ۔ ہم نے پہلے معنی اختیار کئے کیونکہ اس میں ترتیب الفاظ کی خوب رعایت ہے ۔ اس آیت سے کئی باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

(1) کہ قرآن حضرت کے دل کے اوپر نازل ہوا نہ زبان پر چنانچہ ایک جگہ پھر فرمایا نانہ نزلہ علےٰ قلبکہ جبریئل نے اتارا ہے قرآن کو تیرے دل کے اوپر ۔ بقرہ ع 12 ۔ اوروں پر القامضامین ہوا کرتے ہیں نہ ترتیب و نظم الفاظ جس میں مضمون باندھا جائے جیسا کہ ہم اوپر شرح وبسط سے بیان کرچکے ہیں۔

(2)اس القاء معنی کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت اس مضمون کو اپنی صاف وسلیس عربی میں باندھنے لگے۔ یعنی الفاظ حضرت کی زبان معجز بیان سے ادا ہوئے ۔

(3) یہ سلیس عربی نثر گو اہل عرب کو مرعوب نہ ہو مگر اس کے بولنے والے حضرت سے پہلے عرب میں ظاہر ہوچکے تھے۔ جن کو منذرین کہا ۔ پس اس سلیس عربی زبان بولنے میں بھی حضرت اکیلے نہ رہے بلکہ اور منذرین کے شریک یہ کہہ کر گویا حضرت اپنے طرز کلام پر متقدمین کی سند دے کر مخالفوں کے اعتراض کورد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

نزول قرآن

اتقان نوع 16 میں نزول قرآن کے مسئلے پر تین قول بیان کئے گئے ۔ اول یہ کہ لفظ ومعنی بجنسہ وہی ہیں جو لوح محفوظ پر کندہ ہیں جن کو حفظ کرکے جبرائیل نازل کرتے تھے۔

یہ معنی تو ایسے ہیں کہ اندیشہ ہے کہ خلیفہ محمد حسن صاحب بالقابہ فرمائیں گے کہ " اس روشنی وعقل کے زمانے میں ایک کم سن لڑکے کے نزدیک بھی معقول اور ممکن الوقوع نہیں" گو " ایسے ہی ناممکن اور خلاف عقل امور کے مشرکین مکہ طالب تھے۔" صفحہ 84۔

دوم یہ کہ حضرت جبرائیل خالص معنی لے کر نازل ہوا کرتے تھے اور ان معنی کو نبی ﷺ الفاظ عربی میں بیان کردیتے تھے اور اس قول کے کہنے والے نے آیت نزل بہ الروح الامین علےٰ قلبک کے ظاہری الفاظ سے استدلال کیا ہے۔

سوم یہ کہ جبرائیل پہلے تو آنحضرت پر معنی القا کرتے تھے اور پھر خود ہی ان معنوں کو الفاظ عربی میں بیان کردیتے اور اہل آسمان قرآن کو عربی میں پڑھتے پھر جبرائیل اس کو لے کر اسی طرح نازل ہوجاتے تھے ۔ یہ تو بہت ہی طول عمل تھا حضرت جبرائیل کو غیر ضروری پریشانی میں ڈالنے والا پس ہم نے یہاں بقول شخصے خیرالامور اسطہا قول ثانی کو اختیار کا کیونکہ ہم کو وہ سب سے زیادہ قرین عقل معلوم ہوتا اور نیز قرین نقل جیسا ہم مدلل کرچکے ہیں۔

قرآن کے اندر کلام بشر بھی موجود ہے اور وہ کلام خدا کی مانند فصیح وبلیغ

دوسرا امر غور طلب یہ ہے کہ قرآن کی اعجازی فصاحت و بلاغت کا دعویٰ سارے کے سارے قرآن کی نسبت کیا جاتا ہے نہ کسی خاص جز کا حتےٰ کہ اس میں سے اس کلام کو بھی خارج نہیں کرتے جو قریش یا دیگر قبائل عرب کے لوگوں کے اقوال سے ماخوذ ہے ۔ دعویٰ یہ ہے کہ کل قرآن یکساں فصیح وبلیغ ہے اور احاطہ قدرت انسانی سے باہر ہے ۔ شاہ عبدالعزیز صاحب سورہ بقرہ آیت فاتو ابسورۃ من مثلہ کی تفسیر کے ضمن میں ایک اعتراض نقل فرماتے ہیں وہ یہ ہے " قرآن میں بعض آیات دوسروں کے کلام سے بطور نقل بھی بیان ہوئی ہیں۔ پس اگر وہ آیتیں انہیں عبارتوں کے ساتھ ان سے صادر ہوئی تھیں تو اعجاز قرآن ثابت نہیں ہوتا کیونکہ کلام انسانی بھی اس درجہ بلاغت کو پہنچ جائے گا او اگر اسی عبارت میں ان سے وہ کلام صادر نہیں ہوا تو ان کی نقل مطابق واقع نہیں ٹھہریگی اور خبر الہیٰ کا واقع سے مطابق نہ ہونا امر محال ہے ۔" اس کا جواب شاہ صاحب یہ دیتے ہیں کہ " دوسروں کے کلام کا بیان دوطرح کیا جاتا ہے ۔ اول یہ کہ دوسرے کا کہا ہوا کلام بالکل اسی طرح بیان کردیں اور کسی طرح کا تغیرو تبدل نہ کریں۔دوسرے یہ کہ نقل معنی کے لحاظ سے کی جائے

اور دوسرے کے مطلب کو اپنی عبارت میں بیان کردیں۔ حکائیتیں اور قصے قرآنی اسی دوسری قسم میں سے ہیں دوسروں کے کلام کو اپنی عبارت میں نقل فرمایا ہے " تو اب اس بات پر دلیل ہونا چاہیے کہ قرآن میں دوسروں کا کلام لفظاًکہاں نقل ہوا ہے اور بالمعنی کہاں۔ یہ بات محض فرض کرلینے کی نہیں ۔ غور طلب یہ امر ہے کہ نقل بالمعنی کی ضرورت یا تو اس جہت سے لاحق ہوتی ہے کہ سننے والا بولنے والے کے الفاظ کو بوجہ نقص حافظہ تمام وکمال ضبط نہیں کرسکتا اور صرف نفس مضمون اس کو یاد رہتاہے جس کووہ مجبوراً اپنے الفاظ میں بیان کرتاہے ورنہ اگر کوئی شخص اس بات پر قادر ہو کہ دوسرے کی کہی ہوئی بات بجنسہ بیان کرسکے توہر گز نقل بالمعنی کو اختیار نہ کرے گا تاوقتیکہ کوئی کلام بہت طویل ہو جس کا محض خلاصہ وحاصل مطلب اس کو بیان کرنا منظور ہومگر اس حالت میں بھی وہ صحت روایت کے لحاظ سے مطلب کی عبارت کو قائل کے صحیح الفاظ میں ضرور بیان کرے گا یا نقل بالمعنی کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ بولنے والا دوسری زبان میں کلام کرے اور نقل کرنے والا دوسری زبان میں اس کا ترجمہ کرے۔ پس قرآن میں اگر فرعون کا کلام نقل ہوا یا موسیٰ یا دوسرے لوگوں کا توروا ہے کہ ہم اس میں سے اس قدر کو جو دوسری قسم کا قرار دیا جاسکے نقل یا بالمعنی تصویر کریں لیکن اگر خاص اہل عرب کا یا خاص الخاص قریش کا کوئی مختص کلام نقل کرنا ہو تو روا نہیں کہ بولنے والے کے الفاظ میں تصرف کیا جائے۔ کیونکہ اگر قرآن کلام خدا ہے تو خدا کو نقص حافظہ عارض نہیں پس ضرورت نقل بالمعنی خدا کے لئے مٹ گئی اور ہر گز ہم توقع نہیں کرتے کہ اہل عرب کے کلام کو قرآن شریف میں ہر جگہ بالمعنی نقل کیا ہو اور اگر کیا توضرور خلاف واقع ہوگا۔ اس مطلب کو ہم ایک نظیر دے کر سمجھائے دیتے ہیں۔ بخاری سورہ منافقون کی تفسیر میں زید بن ارقم سے روایت ہے کہ " میں اپنے چچا کے ساتھ تھا میں نے عبداللہ بن ابی سلولی کو کہتے سنا لا تنفقوا علیٰ من عند ارسول اللہ حتےٰ ینفضوا اور یہ بھی لئن رجعنا الےٰ المدینۃ لینجر جن الاعز منہا الاول۔ پس میں نے اس کا ذکر اپنے چچا سے کردیا اور میرے چچا نے اس کا ذکر رسول اللہ سے کیا۔" لیکن جب عبداللہ سے حضرت نے بلا کر پوچھا اس نے قسم کھا کر زید کو جھٹلادیا جس کا اس کو بہت ہی صدمہ ہوا۔ پس کچھ دنوں بعد وحی نازل ہوئی زید بن ارقم کی تصدیق اورمنافق کی تکذیب میں جس میں بجنسہ وہی الفاظ موجود ہیں جو عبداللہ کے منہ سے نکلے تھے جس کے معنی یہ ہیں " مت خرچ اٹھاؤ ان لوگوں کا جو رسول اللہ کے پاس ہیں تو وہ تتر بتتر ہوجاویں گے اور اگر ہم لوٹ کر مدینہ چلے تو جو ہم میں معزز ہے وہ وہاں سے ذلیل کو نکال دے گا۔" دیکھو رکوع اول سورہ مذکور۔

کفار کا کلام

اب اسی طرح اور اجزاء قرآن کو سمجھ لو مثلاً سورہ بنی اسرائیل میں یہ عبارت ہے کہ جس کو امام رازی اپنی تفسیر میں عبداللہ بن امیہ مخزومی کا کلام فرماتے ہیں وقا لو الن نومن لل حتی نفجر لنا من الارض ینبوعاً . اوتکون للک جنۃ من نخیل وعنب فتجر الا نہر خللھا تفجیراً. اوتسقط السماء کماز عمت علینا لفاً اوتاتی با اللہ والملئکۃ قبیلاً . اویکون لک بیت من زخرفٍ اوترقے فی السمآء ولن نومن لرقیک حتتےٰ تنزل لینا کتباً نقروہ۔ اور بولے ہم نے مانیں گے تیرا کہا جب تک تو نہ بہا نکالے ہمارے واسطے زمین سے ایک چشمہ ۔ یا ہوجائے تیرے واسطے ایک باغ کھجور اور انگور کا۔ پھر بہائے تو اس کے بیچ نہریں چلا کر۔ یا اگر آئے آسمان ہم پر جیسا کہا کرتا ہے ٹکڑے ٹکڑے یا لے آئے اللہ اور فرشتوں کو ضامن یا ہوجائے تجھ کو ایک گھر سنہری۔ یا چڑھ جائے تو آسمان میں اور ہم یقین نہ کریں گے تیرا چڑھنا جب تک نہ اتار لائے ہم پر ایک لکھا ہوا جو ہم پڑھ لیں۔(بنی اسرائیل ع 10)۔

ہر گز کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کہ ہم سوا اس کے کوئی اور بات مانیں کہ یہاں لفظ بلفظ یہ کلام ان کافروں کے اس مختار کے منہ کا نکلا ہوا ہے اور اس میں ایک حرف کا بھی تصرف نہیں ہوا کیونکہ یہاں مخالف کے اعتراض کو بجنسہ نقل کرکے جواب دینا منظور ہے ۔ اور حسب آداب مناظرہ معترض کی حجت کو اس الفاظ میں نقل کرنا چاہیے دیکھ لو یہ عبارت حسن بلاغت میں قرآن کی مثل ہے۔ اب یا اس کے اعجاز کے قائل ہو یا کل قرآن کے اعجاز سے ہاتھ دھو بیٹھو دیکھو یہ عبارت طول میں قرآن کی آخری سورتوں میں اکثر سے بڑی اور اکثر کے مساوی ہے اور اگر تمہاری حجت درست ہے تو معارضہ اچھا خاصہ پیدا ہو گیا۔ ہم تو کہہ چلے کہ خدا کو تو نقل بامعنی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اگر کہو کہ

نقل بالمعنی آنخضرت نے کی (گو یہ بھی تمہارے زعم کے موافق غلط ہے کیونکہ قرآن تو سارے کا سارا لوح محفوظ میں لکھاہے) تو ہم پھر کہیں گے کہ اس سے بھی اعجاز کا مسئلہ باطل ہوتا ہے ۔ حضرت بشر تھے اور جو کچھ انہوں نے کہاوہ طاقت بشری کے اندر تھا۔ پس اگر یہ کلام بھی مثل دیگر قرآن کے بے مثل اور اعجازی ہے تو کلام بشر کلام خدا کے برابر ہوگیا۔ یعنی فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے خدا اور بشر کے کلام میں کوئی مابہ الامتیاز باقی نہ رہا۔

دوسری مثال حضرت سلیمان کا نامہ ہے جو آپ نے ملکہ بلقیس کو لکھا جس کا ایک اقتباس قرآن شریف میں سورہ نحل میں درج ہے۔

بسم اللہ عبارت منشی حضرت سلیمان

جسے بلقیس نے اپنے درباریوں کو سنایا تھا قالت یاایها الملوانی القی الی کتب کریمه انز من سلیمن وانه بسمه الله الرحمن الرحیم الا تعلوا علی واتوافی مسلمین " وہ بولی اے درباریو میرے پاس ڈال دیا گیاہے ایک نامہ گرامی وہ منجانب سلیمانہ ہے۔ اس میں لکھا ہے شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان رحم کرنے والا ہے اور کہ تم میرے مقابل سرکشی مت کرنا بلکہ اطاعت قبول کرکے میرے پاس حاضر ہوجاؤ۔"

اس میں چند امور قابل غور ہیں۔ بلکہ بلقیس کون تھی کہاں کی تھی اس کی زبان کیا تھی۔ اور یہ خط اس کو کس زبان میں لکھا گیا۔ تفسیر مدارک التنزیل میں لکھا ہے بلقیس بنت شراحیل علی المملک وکانت ھی وقومھا مجوساًیعبد ون المشس ۔ بلقیس بیٹی تھی شراحیل کی اس کا باپ ملک یمن کا بادشاہ تھا۔ سوائے بلقیس کےاس کے کوئی اولاد نہ تھی پس یہی ملک پر راج کرنے لگی اور وہ اور اس کی قوم مجوسی تھی جو آفتاب کی پرستش کرتے تھے۔ ملک یمن کی تاریخ ہم اس جگہ سنا نہیں سکتے ۔ ناظرین تمدن عرب کی طرف رجوع کریں۔ بہر حال ملکہ بلقیس عرب تھی اور عرب کی زبان بولنے والی ۔اور قاعدہ کی بات ہے کہ جب کسی بادشاہ کی طرف سے غیر ملک کے بادشاہ کے پاس سفارت یا مراسلت جاتی ہے تو اسی زبان میں جس کو مکتوب الیہ سمجھ سکتا ہوچنانچہ انگلستان سے جو نامہ پیام افغانستان کے ساتھ ہوتا ہے وہ فارسی زبان میں ۔ چین کے ساتھ چینی میں۔ جاپان کے ساتھ جاپانی میں وعلےٰ ہذالقیاس پس کوئی شک نہیں کہ ہدہد جو یہ نامہ سلیمان کی طرف سے بلقیس کے پاس ڈال گئے وہ عرب کی زبان میں تھا جس کو اہل یمن سمجھ سکتے چنانچہ فوراً بلقیس نے اس کو پڑھ لیا اور اپنے درباریوں کو سنایا جس پر قرآن شاہد ہے۔

بادشاہوں کے دربار میں ہمیشہ غیر ملک کی زبانوں کے عالم موجود رہتے ہیں جو ترجمان کا کام دیا کرتے ہیں۔ اور اپنے بادشاہوں کی طرف سے غیر ملکوں کے ساتھ نامہ وپیام جاری رکھتے ہیں۔ حضرت سلیمان کے تعلقات غیر ملکوں کے ساتھ بہت ہی بڑھے ہوئے تھے اور کتاب تارگم ثانی صحیفہ آستر میں اس خط کا حال بہت تفصیل سے لکھا ہوا ہے ۔ جس میں یہ بھی ہے کہ جب پرندے سے حضرت سلیمان نے سبا کا حال سنا تو " فوراًشاہی منشی طلب ہوا۔اس نے ایک نامہ لکھا۔" جو پرند کے وسیلے بلقیس کو بھیجا گیا۔ اب اس میں بھی کیا شک ہے کہ اس خط کو کسی بڑے منشی نے حضرت سلیمان کی طرف سے لکھا جو کم از کم ابوالفضل کے برابر ہوگا۔ اور دل چاہتا ہے کہ عربی زبان کی وہ عبارت ہاتھ جو اس وقت ملکہ سبا کو خط میں لکھی گئی تھی ۔ اسلامی مفسرین میں سے علامہ نسفی نے گویا بڑی کدوکاوش بڑی تحقیق وتدقیق کو صرف کیا جو اپنی تفسیر میں یہ لکھا . کتب سلیمان کتاباً صورة من عند الله سلیمان بن داؤد الی بلقیس ملکہ سباء بسمه الله الرحمن الرحیم السلام علی من اتبع الهدی اما بعد فلا تعلوا اعلی واتوفی مسلمین وطبعہ بالمسک وختمه بخا ختمه ۔ " سلیمان کے نوشتہ کی یہ صورت تھی۔ خدا کے بندے سلیمان بن داؤد کی طرف سے بلقیس ملکہ سباء کو شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے ، سلامتی ہو ہر کسی پر جو ہدایت کا تابع ہوا ۔ واضح ہو کہ تم لوگ مجھ سے سرکشی مت کرنا اور میرے پاس مطیع ہو کر چلے آؤ، اور اس پر مشک کی چھاپ لگائی تھی اور اس پر اپنی انگوٹھی کی مہر بھی کردی تھی۔" اب اس میں کون مسلمان شک کرسکتا ہے کہ قرآن شریف نے جو عبارت حضرت سلیمان کے خط سے اخذ کی ہے اس میں کوئی بات خلاف نہیں وہ سچ مچ اسی تحریر کی ہے جس کو حضرت سلیمان کے میر منشی نے لکھا تھا۔

اس خط کو ہم الہامی نہیں کہہ سکتے۔ اس کا شمار انہیں ہزاروں خطوط میں ہے جو حضرت سلیمان نے بادشاہوں اور حاکموں کو لکھے۔ اس کا درجہ زیادہ سے زیادہ وہی ہوگا جو حضرت کے نامہائے مبارک کا تھا۔ جو آپ نے ہرقل یا کسریٰ یا مقوقش یا نجاشی کو لکھوائے۔ پس یہ کلامِ خدا نہ تھا ہاں اب کہ قرآن شریف میں درج ہوگیا۔ مسلمان کو اسے کلام اللہ مان لینا چاہیے گو یہ امر متنازعہ رہیگا مگر اس میں ہر گز کوئی تنازع نہیں کہ اس خط کی عبارت اپنی فصاحت وبلاغت میں بے مثل ولاثانی ہے۔

بسمہ اللہ جزو قرآن نہیں

اس کے ایک فقرہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو دیکھئے جو زیب عنوان ہر سور قرآن ہے۔ گویا نہ قرآن کا کوئی جزو ہے اور نہ کسی سورۃ کا۔ چنانچہ صاحب مدارک لکھتے ہیں وہ مدینہ اور بصرہ اور شام کے قاریوں اور فقہا کا قول ہے کہ بسم اللہ نہ فاتحہ کا کوئی جزو ہے اور نہ قرآن کی سورتوں میں سے کسی اور کا۔ اس کو وہاں اس غرض سے لکھ دیا کہ سورتیں الگ الگ ہوجائیں یا ابتدا میں برکت کے خیال سے اور امام اعظم (ابو حنیفہ) اور ان کے پیرو ان ک یہی مذہب ہے اور اسی باعث وہ لوگ بسم اللہ کو نماز میں پکار کر نہیں پڑھتے۔" صاحب مدارک کی اپنی رائے یہ ہے کہ " سورۃ کی ابتداء الحمد سے ہوئی جو اس بات کی دلیل ہے کہ بسم اللہ فاتحہ کا جزو نہیں اور اگر فاتحہ کا جزو نہیں تو اجماعاً اور سورتوں میں سے بھی کسی کا جزو نہیں ہوسکتا۔" مگر افسوس پرانے علمأ کبھی بھی پوری تحقیق کی راہ میں نہیں چل سکے۔ نہایت ہی جچی تلی باتیں کہتے کہتے جھٹ سے بہک جاتے ہیں اور تقلید کی راہ پر آپڑتے ہیں۔ چنانچہ صاحب مدارک بھی انجام کار فرماتے ہیں۔" ہمارے نزدیک بسم اللہ قرآن میں ایک آیت ہے جو سورتوں کو الگ الگ کرنے کے واسطے نازل ہوئی۔" اور یہ بات نہ عقل ہے اور نہ جہل بلکہ دونوں کا مرکب ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا کہ جب قرآن کے تمام اجزا جو سورتیں ہیں ان میں سے کسی کا بھی جزو بسم اللہ نہیں مانا جاتا پھر قرآن کا جزو کیونکر ہوگیا۔ کیا بسم اللہ بجائے خود ایک جداگانہ سورت مانی جائے گی جو ایک سو تیرہ دفعہ قرآن میں نازل ہوئی اور اب جس کو تین آیتوں میں تقسیم کردینا چاہیے۔ بہر حال ہماری تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ انتخاب مراسلہ حضرت سلیمان اپنی اصل میں کلام اللہ نہ تھا بلکہ یہ ایک عبارت تھی جو حضرت سلیمان کے ایک منشی نے آپ کی طرف سے عربی میں لکھ کر ملکہ بلقیس کو بھیجوائی تھی اور وہ کسی طرح قرآن کی دوسری عبارات سے جن کو کلام اللہ کہا جاتا ہے کم نہیں۔ اور مسلمان بھی مانتے ہیں کہ یہ آیت آنحضرت پر نازل ہونے سے پہلے حضرت سلیمان پر نازل ہوچکی تھی۔ چنانچہ حدیث سے حضرت ابن عباس کا قول اور خود آنحضرت کا قول اس مضمون پر نقل کیا جاتا ہے (دیکھو اتقان بحث بسم اللہ) پس ہم ہر گز نہیں مان سکتے کہ قرآن کی عبارت طاقت بشری سے خارج تھی۔ کیونکہ اس میں خود وہ عبارت موجود ہے جس پر بشر قادر تھا۔

بلکہ سلیمان کے منشی کو بھی کوئی خصوصیت حاصل نہیں۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ وہ کل تقریر جو سورہ نمل کی آیت 29 سے 35 تک ہے جس میں ملکہ اور اس کے درباریوں کے اقوال کا ذکر ہے اور زبان عربی میں تھے کیونکہ یمن عرب کا ایک خط ہے وہ سب بالکل قرآن کی عبارت کے مساوی ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ قرآن کے اندر اس قسم کا کثرت کے ساتھ کلام بشر موجود ہے اور وہ بالیقین کلام اللہ کی برابر فصیح ہے اور مولوی سید محمد صاحب کو اقبال ہے کہ " اکثر جگہ قرآن میں کفار کے اقوال منقول ہوئے ہیں وہ ہمارے اعتقادات اور مسلمات نہیں ہوسکتے۔" صفحہ 355۔ یہاں ہم نے اپنے دعوےٰ کو قرآن کی اندرونی شہادت سے ثابت کیا۔ فصل آئندہ میں بیرونی شہادت سے بھی ہم اس دعویٰ کو ثابت کردیں گے۔

باب ششم

قرآن کی انشاو نظم طاقتِ بشری سے خارج نہیں

یہ کچھ تو ہم نے صرف قرآن کے اندر سے بطور شاہد پیش کیا اس ثبوت میں کہ قرآن بااعتبار بلاغت وفصاحت طاقتِ بشری سے خارج نہیں۔ اب ہم چند مسلمان علماء کی شہادت اسی مضمون پر پیش کرتے ہیں۔ اتقان سیوطی میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اسباب نزول قرآن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ

بعض آیات جوپہلے زبانِ صحابہ پر نازل ہوچکی تھیں وہی مابعد قرآن شریف میں بھی نازل ہوگئیں ۔ ہم یہاں اس مضمون کا پورا ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ " دسویں نوع اس بیان میں کہ قرآن کا کچھ حصہ صحابہ کی زبان پر نازل ہوا تھا۔"

کلام بشر کلامِ خداہوگیا

فی الحقیقت یہ بھی اسباب نزول میں سے ایک قسم ہے اور اس میں اصل بات عمر کی موافقات ہے ۔ چنانچہ ایک جماعت نے اس پر جداگانہ کتابیں لکھی ہیں۔ ترمذی میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا نے حق بات کو عمر کے دل اور زبان میں ڈالا ہے۔ ابن عمر نے کہا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ لوگوں کے درمیان کوئی بات پڑگئی جس میں انہوں نے اور عمر نے کلام کیامگر کہ قرآن نازل ہونا اسی طرح ہوا جیسا عمر کہتا تھا۔

ابن مردویہ نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ جب عمر کوئی رائے سوچتا تو ویسا ہی قرآن میں نازل ہوتا تھا۔ بخاری وغیرہ نے انس سے روایت کیا ہے کہ انس نے کہا کہ عمر کہتا تھا کہ میں نے تین باتوں میں اپنے رب سے موافقت کی۔ میں نے کہا کہ اے رسول اللہ اتخذ نا من مقام ابراہیم مصلے ۔ پس یہی آیت اتری۔ واتخذ وامن مقام ابراہیم مصلےٰ۔ (مقام ابراہیم کی جائے نماز قرار دو)اور میں نے کہا کہ اے رسول اللہ آپ کی عورتوں کے پاس نیک اور بد سب ہی آتے جاتے ہیں ان کو حکم دیجئے کہ پردہ کریں پس آیت حجاب نازل ہوئی ۔ پھر آپ کی عورتوں نے غیرت میں آکرآپ کے پاس آکر جماؤ کیا میں نے ان عورتوں سے کہا عسے ربہ ان طلقکن یبدلہ ازواجاً خیراً من کن (اگر خدا چاہے تو وہ تم کو طلاق دلادے اور تم سے اچھی عورتیں تمہاری جگہ بدل دے) ۔ پس ایسی ہی آیت اترآئی۔ مسلم نے ابن عمر سے بروایت عمر یہ روایت کیا ہے کہ میں نے تین باتوں میں اپنے خدا سے موافقت کی ایک پردہ کے معاملہ میں دوسرے بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں تیسرے مقام ابراہیم کے معاملہ میں۔ ابن ابی حاتم نے انس سے روایت کیا کہ عمر نے کہا کہ میں نے اپنے خدا سے ۔ یا یوں کہو میرے خدا نے مجھ سے چارامور میں موافقت کی جب یہ آیت اتری کہ لقد خلقنا الانسان من سلالتہ من مین میں بول اٹھا فتبارک اللہ احسن الخالقین ۔ پس انہیں الفاظ میں آیت بھی اترآئی۔ عبدالرحمٰن ابن ابی لیلے سے روایت ہے کہ ایک یہودی عمر کو ملا۔ اس نے کہا کہ جس جبرائیل کا ذکر تمہارا صاحب محمد کیا کرتا ہے وہ تو ہمارا دشمن ہے ۔ پس عمر بولا۔ من کا عدو اللہ وملائکتہ ورسولہ وجبریل ومیکال فان اللہ عدوً اللکافرین۔ پس یہ آیت عمر کی زبان پر نازل ہوگئی ۔ سنید نے اپنی تفسیر میں سعید ابن جبیر سے روایت کیا ہے کہ جب سعد ابن معاذ نے عائشہ کی نسبت وہ بات سنی جس کا چرچا ہوا تھا تو بولا سبحنکہ ھذا ابھتان عظیم۔ پس اسی طرح نازل ہوگیاابن اخی میمی نے اپنے فوائد میں سعد ابن مسیب سے راویت کی ہے کہ دو شخص نبی ﷺ کے اصحاب میں سے تھے کہ جب عائشہ کی نسبت ایسی کوئی بات سنتے توکہنے لگتے۔ سبحنکہ ھذا بھتان عظیمہ ۔ وہ دو شخص زید ابن حارث وابو ایوب تھے ۔ پس یہ آیت بھی اسی طرح نازل ہوگئی ۔ ابن ابی حاتم نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ جب مسلمان عورتوں کو احد کے معرکہ کی خبر پہنچنے میں دیری لگی تووہ پتہ لگانے باہر نکلیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ ایک اونٹ پر دو آدمی سوار سامنے سے چلے آتے ہیں۔ ایک عورت نے پوچھا رسول ﷺ کیا کرتے ہیں؟ وہ بولا زندہ ہیں۔ عورت بولی فلا ابالی یتخذ اللہ من عبادہ الشھدا ء(یعنی کچھ پرواہ نہیں خدا اپنے بعض بندوں کو شہید بناتا ہے ۔ پس قرآن بھی اسی طرح نازل ہوگیا جیسا عورت بولی تھی۔ ابن سعد نے طبقات میں کہا کہ واقدی نے ہم کو خبردی کہ ابراہیم بن محمد بن شرجیل نے بیان کیا اپنے باپ کی روایت سے کہ وہ کہتے تھے کہ مصعب بن عمیر احد کی لڑائی میں علم اٹھائے ہوئے تھا کہ اس کا دہانا ہاتھ کٹ گیا ۔ پس نے علم کو بائیں ہاتھ سے پکڑلیا اور کہا جاتا تھا۔ مامحمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسول افان مات اوقتل انقلبتم علیٰ اعقا بکمہ (محمد کیا ہے مگر ایک رسول ہے اس کے پہلے اور بہت رسول گذر چکے ۔ اگر وہ مرجائے یا مار جائے تو کیا تم پیٹھ پھیر کر بھاگ جاؤ گے) پھر اس کا بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا۔ پس اس نے علم کو اپنے بازو کے سہارے سینہ سے چپٹا لیا اور وہی آیت ما محمد الا رسول پڑھتا جاتا تھا۔ اور اسی حال میں مارا گیا۔ تب علم گر پڑا ۔ محمد ابن شرجیل نے بیان کیا کہ یہ آیت وما محمد الرسول اس دن تک نازل نہ ہوئی تھی اس واقع کے بعد اتری ۔"

اس آیت کا ایک عجیب وغریب قصہ ہے جس سے متن قرآن پر ایک خاص روشنی پڑتی ہے اور جمع قرآن کی کیفیت بھی عیاں ہوجاتی ہے ۔ یہ مسئلہ تاریخی واقعہ ہے کہ آنحضرت کی وفات پر حضرت عمر بڑے جوش وخروش سے آپ کی موت کا انکار کرتے تھے اور تلوار ہاتھ میں لئے لوگوں سے کہتے تھے کہ اگر کسی نے زبان سے نکالا کہ محمد مر گیا تو سر قلم کرڈالوں گا آپ ہر گز نہیں مرے بلکہ عیسیٰ کی طرح آسمان پر اٹھائے گئے اور آپ کا جنازہ نہ اٹھنے دیتے تھے۔ لیکن بخاری پارہ 18 بیان مرض ووفات نبی میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بڑی حکمت عملی سے حضرت عمر کو ٹھنڈا کیا اور ان کے اس فاسد خیال کو دفع کیا۔" ابوبکر مکان سے باہر نکلے جبکہ عمر لوگوں سے کلام کررہے تھے ۔ ابوبکر نے کہا اے عمر بیٹھ جا۔ عمر نے بیٹھنے سے انکار کیا تو لوگوں نے عمر کو چھوڑ کر ابوبکر کی طرف توجہ کی اور ابوبکر ان سے یہ کہہ کر بولے ۔"جو کوئی تم میں سے محمد کو پوچھتا تھا تو اسے معلوم ہوجائے کہ محمد ضرور مر گیا لیکن تم میں سے جو کوئی اللہ کو پوچھتا تھا تو بیشک زندہ ہے کبھی مرتا نہیں اور اللہ نے فرمایا ہے ۔ ما محمد الارسول قد خلت من قبلہ الرسول الی الشا کرین (ابن عباس راوی نے) کہا خدا کی قسم گویا لوگوں کو ہر گز نہ معلوم تھا کہ اللہ نے اس آیت کو کبھی اتارا جب تک کہ ابوبکر نے اس کو پڑھا نہیں پس تمام لوگوں نے ابوبکر سے اس آیت کو لیا۔ پھر لوگوں میں سے جسے سنتا تھا اسی آیت کو پڑھتے سنتا تھا۔ (راوی کہتا ہے) پھر خبر دی مجھ کو سعید بن المسیب نے کہ عمر کہتے تھے کہ مجھے اس کی خبر نہ تھی مگر کہ میں نے ابوبکر کو وہ آیت پڑھتے سنی اور میں ایسا ڈر گیا کہ میرے پاؤں اکھڑ گئے ۔ یہاں تک کہ میں زمین پر گر پڑا جب میں نے ابوبکر کو پڑھتے سنا کہ نبی ﷺ دراصل مر گئے ۔" بخاری پارہ پنجم کتاب الجنائز کے اوائل میں بھی یہی حدیث آئی جس سے ثابت ہے کہ حضرت کی وفات کے دن تک اس آیت کے قرآن شریف میں ہونے کا مسلمانوں میں سے کسی کو وہم بھی نہیں ہوا تھا حتےٰ کہ عمر کو سن کر تعجب ہوا اور انہوں نے حیرت سے پوچھا کیا یہ قرآن میں ہے ؟ اور حضرت ابن عباس کے کانوں میں بھی آج ہی وہ قرآن کی آیت ہو کر پڑی اور آج ہی لوگوں نے اس کو حضرت ابوبکر کی زبانی قرآن کی آیت سمجھ کر قبول کیا۔ اگر دراصل یہ آیت حضرت کی حین حیات کبھی قرآن میں نازل ہوچکی تھی تو مسلمانوں کی بے خبری پر افسوس ہزار افسوس ۔ جنگ احد میں سب سے پہلے مصعب بن عمر کی زبان سے لوگوں نے یہ کلمات سنے تھے اس وقت تک وہ آیت قرآنِ نہ تھی پھر برس گذر گئے مگر اس کے آیت قرآن ہونے کا علم کسی کو نہ ہوا۔ صرف ابوبکر نے وفات نبی پر عمر کے خطرناک جوش کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اسے قرآنی آیت کہہ کر پڑھا اور تب سے وہ آیت قرآنی مانی گئی اس کا مصنف دراصل تو مصعب ابن عمر تھا۔ اس کو قرآن میں جگہ دینے والا حضرت ابوبکر بہر حال اس پوری آیت کو باوجود اس کیفیت کے طاقتِ بشری سے خارج سمجھنا بھی ہمیں طاقتِ بشری سے خارج معلوم ہوتا ہے ۔

پھر محدث شہاب الدین احمد کتاب صواعق محرقہ کے باب ثالث فصل سادس میں علاوہ ان آیات کے قرآن شریف کی آیت تحریمہ خمر ولا تصل علیٰ احد منھم مات ابداً (الا یہ توبہ) سواء علیھمہ استغفرت لھمہ امہ لمہ تستغفر الایہ (منافقون) کما اخرجکہ ربکہ من بیتکہ بالحق . الا یہ (انفال) احل لکمہ لیلۃ الصیام الرفث الایہ (بقرہ) فلا ربکہ لا یومومنون الایہ (انساء) آیۃ الا ستذان کو بھی موافقات عمر میں سے بیان کرتا ہے ۔

پس یہ دس بارہ آیتیں ایسی ہیں جن کی نسبت ایک خاص وجہ سے تاریخ القرآن میں درج ہوگیا ، کہ پہلے کن کن لوگوں کی زبان پر جاری ہوئی تھیں اور پھر مابعد کس طرح قرآن شریف میں جگہ پاگئیں اور یہ بھی محض اس لئے کہ حضرت عمر ایک بڑے جلیل القدر صحابی تھے اور بڑے نامدار خلیفہ جنہوں نے اسلام کی تلوار کا لوہا ایک دنیا کو منوادیا تھا اور مورخین کو بھی تحریک ہوئی کہ آپ کے مناقب میں احادیث کی کھوج لگائیں اور آپ کی شان اور علو مرتبہ کو دکھلائیں کہ کس طرح نزول قرآن میں بھی آپ نے حصہ لیا اور نہ یہ روایات بھی کس مپرسی میں پڑی رہ جاتیں اور کسی کو جرات نہ ہوتی کہ قرآن کے اندر کسی کلام کو جو غیر نبی پر نازل ہوا سوائے نبی کے کسی اور کے نام کے ساتھ منسوب کرسکتا۔

امر واقع تو یہی ہے کہ پھر بھی اس میں ایک راز ہے جو پوشیدہ رہ گیا۔ مگر جہاں تک ظاہر ہوا اس نے کوئی نہ کوئی مشکل سمجھنے والوں کے لئے پیدا کردی۔ کیونکہ اہل اسلام کی اس اصطلاح کو پوری سمجھنے کے لئے کہ

توارد

"کچھ قرآن صحابہ کی زبان پر بھی نازل ہوا۔" اکثر لوگوں کی بالخصوص ان کی جو مولویت میں خام رہ گئے عقلیں قاصر ہیں اور ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آسکتی کہ کیونکر بندوں کو خدا کے ساتھ یا خدا کو بندوں کے ساتھ توارد ہوسکتا تھا۔ مگر اس کا ماحصل اس قدر ضرور ہے کہ قرآن کے اندر کچھ حصہ ایسا ضرور ہے جو ابتداً طاقت بشری سے خارج نہ تھا گو مابعد ہوگیا ہو جب قرآن کے اندر داخل ہوچکا۔ اس قسم کے نزول سے جو پیچیدگیاں پیدا ہوجاتی ہیں ان کا زور بھی تاریخی شہادت سے ثابت ہے۔

کاتب قرآن کا

چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں آیت ومن اظلمہ ممن افتراء علے اللہ کذبا سا نزل مثل ما انزل اللہ (انعام ع 11) کی ذیل میں لکھتے ہیں " روایت کی گئی ہے کہ عبداللہ بن ابی سرج رسول ﷺ کے لئے وحی لکھا کرتے تھے ۔ جب یہ آیت نازل ہوئی ولقد خلقنا الانسان من سلالتہ من طین." اور پیدا کیا ہم نے انسان کو ---۔ تو رسول ﷺ نے اس کو لکھوایا اور جب پہنچے اس قول تک پیدا کیا ہم نے اس کو دوبارہ تو تعجب کیا عبداللہ نے اس بات سے اور بول اٹھا پس پاک ذات ہے اللہ سب سے عمدہ پیدا کرنے والا پس فرمایا رسول نے اسی طرح یہ آیت بھی اتری ہے۔ پس دم بخود ہوگیا عبداللہ اور اس نے کہا " اگر محمد سچا ہے تو ضرور مجھ پر بھی وحی اتری اور اگر وہ جھوٹا ہے تو میں اس کا معارضہ کرچکا۔" پس اس بات پر شک لاکر اسلام سے مرتد ہوگیا اور مکہ میں جاکر کافروں سے مل گیا۔ یہ شخص حضرت عثمان کا رضائی بھائی تھا۔" فتح مکہ کے دن بعض مرتدین کے ساتھ اس کا خون بھی ہدر کیا گیا تھا مگر حضرت عثمان نے بڑی کوشش کرکے اپنے اس گمراہ عزیز کی جان بخشی کرائی اور اس کو پھر مسلمان بنالیا گو حضرت کو اس کی جان بخشی بالکل منظور نہ تھی اور آپ اس کی فی الفور گردن مارنا چاہتے تھے۔

عبداللہ چاہے مسلمان دوبارہ ہوجائے مگر جو دلیل اس نے دی تھی وہ کبھی مسلمان نہیں ہوئی اور اس وقت تک قائم ہے۔

اگرچہ اسی آیت کا اوپر کی روایت میں حضرت عمر کی زبان پر جاری ہونا بیان ہوا۔ مگر صحیح راویت یہی معلوم ہوتی ہے اور حضرت عمر سے اس کو منسوب کردینے میں راویوں کی نیت غالباً یہی تھی کہ اگر قرآن کی ایک آیت ایسے جلیل القدر خلیفہ سے منسوب ہوجائے تو اس سے لاکھ درجہ بہتر ہے کہ وہ ایک مرتد سے منسوب رہے جس سے اس طبقہ کے مسلمان عموماً ناراض تھے۔

یہ مختصر سی بحث تمام مسئلہ نزول قرآن اور فصاحت اعجازی پر اس درجہ موثر ہوتی ہے کہ مجھ کو سخت حیرت ہوئی کہ مولوی سید محمد صاحب تنزیہ الفرقان میں جب مخالفین کے اعتراضوں کا رد لکھنے بیٹھے تو انہوں نے بھی ہدایت المسلمین کی اس بحث سے روگردانی کرلی جس سے مجھ کو یہ کہنا پڑا کہ اگر ان کی سی قابلیت اور ان کا سا جوش اس کا جواب دینے سے عاجز رہے تو لا کلام کوئی دوسرا شخص اس کا جواب ہر گز نہیں دے سکے گا۔

مرزا قادیانی کی چوری

ہمارے زمانہ میں مرزا قادیانی نے نزول قرآن کے اس اصول کو کہ خدا کو بندوں کے ساتھ توارد ہوجاتا ہے منکرین کے ذہن نشین کردینے کی بڑی کوشش کی ہے اور میری رائے ناقص میں اس مسئلہ کی تمام پیچیدگیوں کو عملی طور سے حل کردیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے اسباب میں سے اس پہلو کی طرف انہوں نے خوب غور کیا چنانچہ انہوں نے اس قسم کے اشعار اپنے اوپر نزول کرانا شروع کئے جیسے عفت الدیار محلھا ومقامھا اور ان المنایا لا تطیش سھا مھا اور کچھ نہیں شرمائے جب لوگوں نے یہ ظاہر کردیا کہ یہ تو لبید بن ربیعہ کے معلقہ سے چوری کی گئی ہے بلکہ بطور الزام کے ان مولویوں کو بے وقوف بتلایا جو کہتے تھے کہ مرزا کی کتابوں میں " فلاں فلاں فقرہ دوسری کتابوں سے لیا ہوا ہے۔" اور یہ جواب دیا کہ " یہ اعتراض براہ راست قرآن مجید پر وارد ہوتا ہے اس کی بعض عبارتیں بعینہ امراء القیس وغیرہ کے قصائد میں موجود ہیں ----- احمدیوں کا حق ہے وہی جواب اس اعتراض کا دیدیں۔" (مرزائی تفسیر قرآن) مگر اس سرقہ یا توارد کی سب سے مناسب تاویل یہ ہوسکتی ہے کہ جس طرح بادشاہ کو ہر رعیت کی زمین کا حاصل لینا روا

ہے خدا کو بھی حق ہے کہ وہ کسی بندے کے دماغ کی پیداوار سے نہایت ہی عمدہ کلام اپنے لئے منتخب کرلے۔ پس میری رائے میں لبید کے طرفداروں کی شکایت بے جا ہے گو وہ ہمیشہ یہی کہتے رہیں گے۔" ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ وارد

باب ہفتم

قرآن کی تحدی کو مخالفین نے کس نگاہ سے دیکھا

اب ہم کچھ ایسی آیات قرآن شریف سے پیش کرتے ہیں جن سے مستنبط ہوجائے گا کہ چاہے قرآن نے تحدی کو یہ یا نہ کی ہو(ہم تو یہ مانتے ہیں کہ کوئی تحدی کے کلمات مکہ کے زمانے میں نہیں سنائی دئے)۔ اور چاہے تحدی کسی معنی کی ہو مگر اس تحدی کو نہ اہل عصر نے تسلیم کیا اور نہ وقعت کی نظر سے دیکھا بلکہ وہ علانیہ منہ پر دعوے سے کہہ دیا کرتے تھے کہ قرآن کی مثل ہم بناسکتے ہیں اور بنالاتے تھے اور بنا کر سنادیتے تھے۔

نصر بن حارث

"جب کوئی پڑھے ان پر ہماری آیتیں کہیں ہم سن چکے ہم چاہیں توکہہ لیں ایسا۔ یہ کچھ نہیں مگر پہلوں کی نقلیں ہیں۔" (سورہ انفال ع 4۔ اس آیت کے معنی صاف کفار مکہ قرآن سن کر کہتے تھے۔ اس میں کیا عجوبہ ہے پہلے لوگوں کو کلام ہے جو ہم کو سنایا جاتا ہے اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس کی مثل کہہ سکتے ہیں۔ سیرۃ ابن ہشام میں لکھا ہے کہ نصر بن حارث قریش کے شیطانوں میں سے ایک تھا جو حضرت کو بہت ایذا پہنچاتا تھا اور دشمنی پر تلاہوا تھا۔ یہ شخص حیرۃ میں جاکر شاہان فارس کے قصے اور رستم واسفند یار کے فسانے لے کر آیا تھا اور اس کو کفار مکہ نے معہ ایک دوسرے شخص عقبہ بن ابی معیط کے احبار مدینہ کے پاس بھی اس غرض سے بھیجا تھا کہ وہ ان لوگوں سے آنحضرت کے بارہ میں مشورہ کرے۔ چنانچہ اس کا شیوہ تھاجہاں دیکھتا تھا کہ آنحضرت کسی مجلس میں بیٹھے ہوئے اللہ کی باتیں سنا رہے ہیں اور امم گذشتہ کے عبرتناک حالات سے لوگوں کو ڈرا رہے ہیں اور قرآن شریف پڑھ رہے ہیں تو یہ بھی آکودتا اور سامعین کو شاہان فارس اور رستم واسفند یار کے قصے سنانے لگتا اور ان سے کہتا ، اے گروہ قریش خدا کی قسم میں تم کو محمد کی باتوں سے زیادہ پیاری باتیں سناتا ہوں۔ قسم خدا کی محمد تم کو میری باتوں سے اچھی باتیں نہیں سنا سکتا اس کی باتیں ہی کیا ہیں پہلے لوگوں کے نوشتے جو اس نے لکھوارکھے ہیں جیسے میں نے یہ لکھ رہے۔" ابن ہشام جلد اول صفحہ 102 وصفحہ 124۔

مسلیمہ صاحب یمامہ

" اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو افتراء باندھے اللہ پر جھوٹ اور رکھے مجھ پر بھی وحی آئی اور اس پر کچھ بھی وحی نہ آئی اور جو کھے میں اتارتا ہوں مثل اس کے جو اللہ نے اتارا۔" انعام ع 11۔

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ مفسرین نے کہا کہ یہ آیت مسلیمۃ الکذاب صاحب یمامہ اور اسود العنسی صاحب صنعا کے حق میں نازل ہوئی جو دونوں خدا کی طرف سے نبوت اور رسالت کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے اور مسلیمہ کہتا تھا کہ محمد قریش کا رسول ہے اور میں نبی حنیفہ کا رسول ہوں۔

اسی طرح تفسیر ابن کثیر میں سورہ بقرہ کی آیت فاتو بسورۃ من مثلہ کی تفسیر کے آخر میں مسلیمہ کے دعوے کی نسبت لکھا ہے کہ " روایت ہے عمرو بن عاص سے کہ وہ مسلمان ہونے سے پہلے مسلیمہ کذاب کے پاس گیا۔ مسلیمہ نے اس سے پوچھا کہ اس وقت مکہ میں تمہارے صاحب (یعنی محمد) پر کیا نازل ہوا۔ اس نے جواب دیا کہ ایک مختصر اور بلیغ سورۃ اتری ہے ۔ اس نے پوچھا کہ وہ کون ہے ؟ جواب دیا کہ والعصر ان الانسان لفی خسر پس اس نے ایک ذرا دیر فکر کی پھر اپنا سر اٹھایا اور بولا کہ مجھ پر بھی اسی مثل سورۃ نازل ہوئی۔" چنانچہ اس نے بھی ایک سورۃ پڑھ کر سنائی۔

ان آیتوں میں اور ان تاریخی واقعات میں یہ بات ضرور پائی جاتی ہے کہ قرآن کی تحدی اگر اس نے کوئی تحدی بھی کی اہل مکہ نے باطل کی ۔ انہوں نے گواہی دی کہ قرآن میں ایسا کوئی عجوبہ نہیں کہ اس کو بجز کلام بشر کے کچھ اورکہہ سکیں اور انہوں نے اپنے تیئں اس کی مثل لانے پر قادر بتلایا اور کچھ کلام بھی معارضہ میں سنایا جس کو وہ قرآن کا مثل یا قرآن سے افضل جانتے تھے۔ اس سے

ثابت ہے کہ مولوی سید محمد صاحب کا یہ فرمانا کہ " یہ ثابت نہیں کہ مسلیمہ نے قرآن کی فصاحت وبلاغت کا معارضہ کیا۔" باطل ہے (تنزیہ صفحہ 311)۔

مخالفین کا کلام ضائع کردیا گیا

ہم کو یقین کامل ہے کہ اہل عصر نے جو کچھ کلام کہا تھا۔ جس کو وہ قرآن کی مثل بتلاتے تھے ہم تک ہرگز نہیں پہنچا اور کیسے پہنچتا بعد فتح مکہ کے کل مخالفین چن چن کر قتل کردیئے گئے۔ جو لوگ مسلمان ہوئے تھے وہ اس کلام کی نقل کفر بھی کفر سمجھتے تھے۔ جو اس پر دل سے فریفتہ تھے اور وہ اس کو زبان سے نکالتے ڈرتے تھے مبادا سر قلم کردیا جائے۔ اب جو کچھ کلام اسلامی تاریخوں یا تفسیروں میں ان لوگوں سے منسوب کیا گیا وہ مومنوں کے دل بہلاؤ کی خاطر ہے اور ان مشاہیر کا چیدہ کلام نہیں معلوم پڑتا مگر ان لوگوں کے دعوے اہل عصر کے روبرو ہوئے تھے اور خوب مشہور ہوچکے تھے اس لئے قرآن میں ان کے قول کی طرف مجملاً اشارہ ہوا ہے اور اگر خود قرآن میں یہ چند آیتیں ہم کو لکھی ہوئی نہ ملتیں تو ہم کو اتنا بھی علم نہ ہوسکتا کہ ان مخالفین کے دعوے کس قسم کے تھے۔

پس اجمالی طور پر اہل مکہ کا یہ دعویٰ ہم کو معلوم ہوگیا کہ وہ قرآن کو کوئی ایسا کلام نہ مانتے تھے جو طاقت بشری سے خارج ہو اور وہ اپنے تئیں اس قسم کا کلام بلکہ اس سے بہتر کہنے پر قادر سمجھتے تھے مگر ان کو قول کے تفصیلی دلائل ہم تک نہیں پہنچے۔

قرآن کے ان ہم عصر مخالفوں میں سے دو یعنی مسلیمہ اور اسود عنسی تو مدعیان نبوت بھی تھے اور وہ قرآن کا معارضہ نہ صرف کلام سے کرتے تھے بلکہ اس کے دعوےٰ وحی سے بھی معارضہ کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ محمد کو وحی آئی ہے ہم کو بھی آئی ہے جیسا کلام محمد سناتا ہے ہم بھی سناتے ہیں۔ ان کے کلام کے متعلق ہم کو تفصیلی علم کچھ بھی نہیں مگر اجمالی علم اسلامی تاریخ سے ضرور حاصل ہوتا ہے۔

اسود مدعی نبوت

تاریخ ابو الفدا میں ہے کہ " اسی اسود کا یہ حال تھا کہ شعبدے اور اعجوبہ طلسمات جہال کو دکھلا کر اپنی گفتگو سے مسخر اور تابعدار کیا کرتا تھا جو شخص اس کے کلام کو سنتا اسی وقت اس کا دل پابند اس کی طرف ہوجاتا۔" صفحہ 372۔

تاریخ طبری میں ہے کہ " ابن اسود ابن عنسی مرد مشعبد بود بہ سکد ستی صلیتھا کردے کہ مردم رازاں شگفت آمدے وبغایت فصیح کلام بود" صفحہ 436۔

سجاحتہ

مسلیمہ کی ہم عصر ایک عورت بھی تھی جو دعوےٰ رسالت کرتی تھی اور نزول وحی کی بھی مدعی تھی۔ اس کی نسبت طبری میں لکھا ہے۔

" ایں سجاحہ از موصل بود زون فصیحہ بود سخن بسجع گفتے بناز نیکو وہیچ کس باد بس نیامدے واز بسکہ مردمان بسخن اور فریفتہ شدے دعوےٰ کردے کہ من پیغمبر واز خدائے آسمان بسوے من وحی آمدو مردمان لسخن واغرہ شد ندد خلق از قلب بدو میگرد یدنا۔" صفحہ 442۔ اسی میں لکھا ہے کہ جب مسلیمہ مارا گیا اور اس کے لوگ عمر کے پاس لائے گئے تو آپ نے ان سے پوچھا " مسلیمہ شمارا چگونہ فریفت آں دروغ زن ایشاں گفتند اوسخنان گفتے بسجع وگفتے ازحد آمدہ است" صفحہ 448۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان جھوٹے مدعیان نبوت ورسالت نے محض حرب زبانی وشیرین کلامی سے لوگوں کو گرویدہ بنا رکھا تھا اور ان کے کلام کی اگرچہ وہ ہم کو صحیح طور پر نہیں پہنچا ان کے زمانہ اور ان کی قوم میں بہت بڑی قدر ہوئی تھی اور ان کے دعوےٰ کو اہل عصر نے مان لیا تھا اور ان کو پوری کامیابی حاصل ہوگئی تھی ان کی فصاحت وبلاغت کو ان کی قوم نے تسلیم کرلیا تھا۔

چنانچہ مسلیمہ کے مریدوں کی تعداد کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ وہ اس قدر فوج لے کر خالد سے مقابلہ کو نکلا کہ بڑی دلیری کے ساتھ لڑا اور میدان جنگ میں 20 ہزار بہادروں کے ساتھ کام آیا۔ برخلاف ان لوگوں کے ہم دیکھتے کہ قرآن شریف میں کسی شعبدہ وبازی کا دعویٰ نہیں کیا گیا نہ جہال

کے پھانسنے کی خاطر فصاحت وبلاغت وچرب زبانی سے کام لیا بلکہ اپنے ہمعصر مدعیانِ نبوت کی فصاحت وبلاغت اورایک جہان کو اس پر فریفتہ دیکھ کر برملا اقرار کیا ما علمنا ہ الشعر وما ینبغی لہ جس کے معنی ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آپ نے گویا وہی کہہ دیا مقدس پولوس نے یونانیوں سے فرمایا تھا " جب میں تمہارے پاس آیا اور تم میں خدا کے بھید کی منادی کرنے لگا تو اعلیٰ درجہ کی تقریر یا حکمت کے ساتھ نہیں آیا اور میری تقریر اور میری منادی میں حکمت کی لبھانے والی باتیں نہ تھیں بلکہ وہ روح اور قدرت سے ثابت ہوئی تھی ، تاکہ تمہارا ایمان انسان کی حکمت پر نہیں بلکہ خدا کی قدرت پر موقوف ہیں (انجیل شریف خط اول اہل کرنتھیوں رکوع 2آیت 4و5)۔

بلکہ اگر ہم قرآن کو بغور دیکھتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے کسی معجزہ پر اپنی حقانیت کی بنیاد بھی نہیں رکھی اور نہ طالبان معجزہ کو سیر کرنے کا قصد کیا۔ صرف یہ کہا کہ جو کچھ میں کہتا ہوں یہ حق ہے اور اس لئے کلام الہیٰ ہے جو چاہے پرکھ لے یعنی بقول باس ورتھ اسمتھ جس پر خلیفہ محمد حسن صاحب صاد کرتے ہیں آنحضرت نے " اپنی رسالت کے اخلاقی ثبوتوں کو معجزوں پر ترجیح دی ۔" اعجاز صفحہ 131۔

زبان کیسے ایجاد ہوئی اور اس کا کام

جو کافر تھے اور مخالفین تھے اور دشمنی پر تلے ہوئے تھے انہوں نے تو قرآن شریف کے حسن وخوبی کو کبھی تسلیم نہ کیا اس کو سرتاپارد کیا اور عبارت اور انشا کے لحاظ سے تو اس کو کسی شمار وقطار میں نہ سمجھا۔

معاصرین میں سے آزاد غیر مسلمان دوستوں کی رائے قرآن پر

مگر یہ تعجب اور بڑھ جاتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے نقاد ان کلام وسخنوران قوم جو دین وایمان کے لحاظ سے مخالف بھی نہ تھے اور قرآن کی خوبی کو پہچاننے کی قابلیت بھی رکھتے تھے اور اس کو تسلیم کرلینے کی جرات اور جو آزاد بھی تھے جب قرآن ان کے سامنے پیش کیا گیا اور دوستی کی راہ سے انہوں نے اس پر رائے قائم کی تو بھی اس کو کوئی ایسا مرتبہ نہ دیا جو ما بعد کے لوگوں نے اس کے لئے تجویز کیا۔ مثلاً" سوید بن صامت ایک بڑا معروف شخص تھا جس کو اس کی قوم نے شجاعت وفصاحت اور شرافت اور حسب ونسب کے اعتبار سے کامل مان لیا۔ جب اس کی شہرت حضرت کو پہنچی توآپ بہ نفس نفیس اس سے ملے اور اس کو خدا اور الہام کی طرف بلایا۔ تب سوید نے آنحضرت سے کہا کیا تیرے پاس کوئی ایسی چیز ہے کہ اس کی مثل ہو جو میرے پاس موجود ہے۔ حضرت نے اس سے فرمایا پس تیرے پاس کیا ہے ؟ اس نے کہا میرے پاس صحیفہ لقمان ہے یعنی حکمت لقمان اور حضرت نے فرمایا مجھ کو اس میں سے سنا۔ پس سوید نے اس میں سے آپ کو پڑھ کر سنایا۔ آپ نے اس سے فرمایا البتہ یہ کلام خوب ہے لیکن وہ جو میرے پاس ہے اس سے افضل ہے وہ قرآن ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے ۔ وہ ہدایت اور نور ہے ۔ پس آپ نے سوید کو قرآن میں سے سنایا اور اس کو اسلام طرف بلایا پھر آپ کے پاس سے ابھی نہیں ہٹا تھا کہ اس نے سن کر کہا البتہ یہ کلام خوب ہے اور اس کے بعد وہ پیٹھ دے کر چلتا ہوا اور مدینہ میں جا پہنچا اپنی قوم کے پاس مگر تھوڑے ہی دن گذرے کہ اس کو حرزج کی قوم نے قتل کرڈالا اور اس کی قوم میں سے ایسے لوگ بھی تھے جو کہتے تھے کہ ہم نے دیکھا کہ وہ مارا گیا اور وہ مسلمان تھا اور اس کا قتل یوم بعاث کے قبل واقع ہوا۔" ابن ہشام جلد اول صفحہ 149۔

لقمان موحد حکیموں میں سے ایک شخص گزرا ۔ بعضوں کا گمان ہے کہ وہ نبی تھا ۔ سوید کے پاس انہیں کی کتاب تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لقمان کے پیروان میں سے ایک تھا اور قرآن کے حال سے واقف حضرت کو اس نے لقمان کا کلام سنایا اور تکلف کے الفاظ میں یہ کہا کہ قرآن زیادہ سے زیادہ اس کی مثل ہوگا۔ حضرت نے اس کلام کی ثنا کی اور قرآن کو اس سے افضل بتلاکر اس کو سنایا۔ اس نے قرآن کو غور سے سن کر قرآن کی بھی بجنسہ انہیں الفاظ میں ثنا کی جو آنحضرت کے منہ سے نکلے تھے۔ مگر وہ کلام اس کی نظر میں نہ جچا اور گو زبان سے کچھ نہ کہا مگر منہ موڑ کر چلتا ہوا جس سے ثابت ہوگیا کہ اس نے حضرت کی خود ستائی کو نا پسند کیا اور آپ کے دعوےٰ کو رد کیا۔ پھر وہ مارا گیا۔

اور یہ جو کہا کہ بعض کہتے تھے کہ وہ مسلمان مرا۔ اس کے معنی اور کچھ نہیں بجز اس کے کہ وہ ایمان دار مرا۔ موحدوں کو مسلمان کہتے تھے یہ اصطلاح قبل اسلامی زمانہ کے پیدا ہوئی تھی۔

یہاں ایک امر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نے جو لقمان کے کلام کی داد دی تھی اور سوید نے جو قرآن کی داد دی کہ خوب ہے دونوں نے کلمہ تحسین مضمون کے لحاظ سے کہا تھا نہ انشاء وعبارت کے لحاظ سے ۔ لقمان کا کلام جو سوید نے پڑھا تھا ہم کو نہیں معلوم کہ وہ کیا تھا اور نہ اب لقمان کا وہ صحیفہ موجود ہے ۔ مگر غالباً قرآن کے اندر سورہ لقمان میں جو مضامین نازل ہوئے وہ ابتداً لقمان کی زبان پر نازل ہو چکے تھے اور اس کے لئے کئی قرآئن ہیں مثلاً سوید نے حکمۃ لقمان آنحضرت کو سنائی تھی۔ اس سورہ کی ابتداء میں لکھا ہے تلکہ ایات الکتب الحکیم ۔ یہ کتاب حکمت دا کی آیات ہیں۔ اور پھر لکھا ہے لقد اتینا لقمان الحکمتہ ۔ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی ۔ جس سے ثابت ہے کہ لقمان کی حکمت کو حکمت آسمانی مانا اور ہماری سمجھ میں اس سورہ کی آیات کو حکمت لقمان سے ماخوذ تسلیم کیا ۔ اور اس میں جو یہ آیات ہیں۔ واذا تتلیٰ علیه ایتنا ولی مستکبراً کان لمہ سیمها کان فی اذنیه وقراً فبشره بعذاب الیمه جس کی شان نزول میں مفسرین ہم کو نصر بن حارث کا قصہ سناتے ہیں اور دراصل اس کا شان نزول بھی سوید بن صامت کا قصہ ہے جو ہم ابن ہشام سے اوپر نقل کر چکے اور مفسرین اور راویوں کو دھوکا ہوا یہاں سوید بن صامت کے قصے کی طرف اشارہ ہے کہ کیونکر وہ قرآن کو سن کر تکبر میں پیٹھ پھیر کر چلا گیا اور نہایت بددلی سے قرآن کو صاف کلام حسن کہا اور اس کو کلام لقمان سے بہتر نہ تسلیم کیا اور لقمان کی کتاب کے مقابلے میں قرآن کو رد کیا اور من اللہ نہ مانا۔ اور یہاں عذاب الیم سے اس کا قتل مراد ہے جو خزرج کی قوم کے ہاتھ سے واقع ہوا۔

پس سورہ لقمان صحیفہ لقمان سے ماخوذ ہے جس کو سوید نے مثل قرآن کہا تھا اور وہ مثل قرآن ضرور تھا حتےٰ کہ قرآن کے اندر قبول کر لیا گیا۔ سوید کی غلطی یہ تھی کہ اگر قرآن مثل صحیفہ لقمان تھا تو اس کو قرآن کا منکر نہ ہونا چاہیے تھا بلکہ دونوں کو قبول کرتا مگر اس نے یہ نہیں کیا۔ اسی فعل کی مذمت یہاں بیان ہوئی۔

باب ہشتم

قرآن کو اہلِ عصر سحر کیوں کہتے تھے

مسلمانوں کی طرف سے تو اس کا یہی جواب ہے جو مولوی سید محمد صاحب نے تنزیہ الفرقان صفحہ 10و11 میں دیا" کیا ولید بن مغیرہ شاعر محقق اور کافر متعصب نطف فصاحب سے بے نصیب تھا جو عبارتِ قرآن کو بوجہ کمال بلاغت کے سحر کہتا تھا یہ وہ شخص تھا کہ جس نے ابوجہل وغیرہ قریش فصاحبِ قرآن کو دریافت کیا کرتے تھے اور جو یہ کہہ دیتا تھا اسی بات کو وہ کہتے تھے۔ اس شخص کو اپنی مہارت اشعار کا یہ دعویٰ تھا کہ میرے برابر کوئی شخص قصائد وجزو اشعار عرب وجنات سے واقف نہیں اور جب ابوجہل قرآن کا حال پوچھتا تھا تو وہ یہی جواب دیتا تھا کہ میں نے ایسا کلام نہیں سنا یہ تو سحر ہے ۔ چنانچہ یہ حال اور یہ مقولہ ولید کا سورہ مدثر میں بہ اعلان واشتہار مذکور ہوا ہے اور آنحضرت ﷺ کو بھی ساحر کہتے تھے۔

مولوی صاحب نے ایک دوسرے مقام پر یہ تحریر فرمایا ہے " جس کلام میں اعلیٰ درجے کی مطابقت ہوتی ہے ۔ وہ کلام مجرب دو اور سحر کی مانند قلب پر اثر کر جاتا ہے بشرطیکہ دیگر امراض نفسانیہ مہلکہ مانع نہ ہوں اور اسی واسطے ان من البیان السحراً مشہور ہے ۔" 22۔

مجھ کو تعجب ہے کہ مولوی صاحب نے یہ سیدھی بات سمجھنے میں ایسی غلطی کی۔ کسی کلام کو سحر کہنے سے صرف یہ مراد ہوتی ہے کہ وہ دل پر جادو کی طرح (جس کے وجود اثر کے قدما ہمیشہ قائل رہے) اثر کیا جاتا ہے ۔ اس سے کبھی یہ مراد نہیں لی گئی کہ وہ کلام بشر نہیں یا طاقتِ بشر سے خارج ہے ۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں کی آنکھ میں جادو ہے فلاں کی زبان میں جادو ہے اور غرض صرف فوری اثر کی تعریف سے ہوتی ہے۔

ان من البیان السحراً۔ ایک مثل تھی جو قبل از اسلام مشہور ہو چکی تھی اور اس کا اطلاق قرآن کے وجود سے بہت پہلے اکثر کلام بشر پر ہوا کیا بلکہ خود آنحضرت نے بعض کو سحر کلاموں کا بیان سن کر اس مثل کو ان کے کلام پر چسپاں کیا۔ چنانچہ مشکواۃ باب بیان والشعر کے شروع میں بخاری کی یہ

حدیث ہے ۔ عن اب عمر قال قدمه رجلان من المشرق وخطبا فعجب الناس لبیان هما. فقال رسولؐ ان من البیان لسحراً ۔ ابن عمر سے روایت ہے کہ مشرق کے ملک سے دو شخص آئے اور انہوں نے لکچر دیا کہ لوگ ان کی تقریر سے دنگ رہ گئے ۔ پس رسول ﷺ نے فرمایا: شک بعض کا بیان توجادو ہوتا ہے۔

پھر قرآن شریف میں سے کسی بلیغ وفصیح کلام کو کسی دوست نے یا قدردان دشمن نے سحر کہہ دیا تواس سے یہ مراد سمجھنا کہ اس نے اسے کلام خداکہا یا ایسا کلام کہا جوطاقت بشری سے خارج ہو ایک نامعقول سی بات ہے ۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہی کہیں گے کہ قرآن کے بعض حصوں کوسن کر اور لوگوں پر اس کے اثر کودیکھ کرشاید بعض لوگ جادو بھی کہہ دیا کرتے تھے۔

مگر ہم ولید بن مغیرہ سے کافر خاسر کی بات کے قائل نہیں۔ اس کم بخت نے باوجود " شاعر محقق " ہونے کے اور باوجود اس دعوےٰ کے کہ " میرے برابر کوئی شخص قصائد ورجزو اشعار عرب وجنات سے واقف نہیں" کبھی بھی قرآن شریف کی عظمت کی داد نہیں دی۔ ہمیشہ اس کی ہجو کرتا رہا اور اگر کبھی اس کو سحر کہا بھی تو برے معنوں میں ذم کے پہلو سے ۔ چنانچہ تاریخ ابن اثیر میں اسی ولید بن مغیرہ کی نسبت لکھا ہوا ہے کہ " اس نے قریش کو جمع کیا تھا اور ان سے کہا تھا کہ مخلوق حج کے ایام میں یہاں آتے ہیں اور محمد کا حال تم سے پوچھا کرتے ہیں ان کے جواب میں ہر ایک تم میں سے اپنے خیال کے موافق کہہ دیا کرتا ہے۔ کوئی تواسے ساحر بتاتا ہے اور کوئی کاہن اور کوئی شاعر اور کوئی مجنوں کہا کرتا ہے ۔وہ ان باتوں میں سے کسی کے مشابہ نہیں ہے ۔ بہتر ہے کہ اسے ساحر کہا کرو کیونکہ وہ ایک بھائی کو دوسرے بھائی سے اور مرد کو عورت سے جدا کردیتا ہے۔ اور سحر بابل کی نسبت بھی قرآن شریف میں یہی لکھا ہے کہ اس سے جورو خاوند میں جدائی ڈالی جاتی ہے (بقرہ ع12)۔

پس اب خوب ثابت ہوگیا۔ اگر اس شخص نے حضرت کو ساحر کہا تو بتلا بھی دیا کہ اس کی مراد اس قول سے کیا تھی یعنی یہ کہ حضرت کی تعلیم اہل عرب میں خانہ جنگی کرنے والی ہے ۔ عزیزو اقربا میں نفاق پیدا کرنے والی ۔ اسلام لانے کے بعد کفرو کافروں سے نفرت ہوجاتی ہے۔ کافر مسلمان کے دشمن اور مسلمان کافر کی جان کا گاہک فطرتی رشتے بھی منقطع ہوجاتے ہیں۔ پس حضرت کو اس نے ایک برے معنی میں ساحر کہا نہ اس معنی میں کہ حضرت بڑے قادر الکلام ہیں۔ جس معنی کو ولید نے نہایت ہی فصاحت سے ایک لفظ میں ادا کردیا ۔ اسی کو عتبہ بن ربیعہ نے ایک طویل عبارت میں بیان کیا۔ چنانچہ ابن ہشام سے صاحب اعجاز التنزیل نقل کرتے ہیں (صفحہ 84و85)زمانہ ہجرت میں جب" بہت سے مسلمان مرد اور عورتیں جس طرح جس کو موقع ملا، مدینہ کو چلے گئے اور اسی طرح سے مکہ کے گھر کے گھر ویران ہوگئے جن کو خالی دیکھ کر عتبہ بن ربیعہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور ایک پرانے شاعر کا یہ شعر پڑھا۔ وکل دار وان طالت سلامتہا۔ یوماً ستدرکہا النکباء والحوب ۔یعنی ہر ایک گھر خواہ کتنی ہی مدت تک آباد رہا ہو آخر ایک نہ ایک دن باوحوادث اس پر چل جائے گی اور خراب وبرباد ہوجائے گا۔ اور پھر نہایت اندوہ غم کے ساتھ بولا کہ سب کچھ ہمارے اس بھائی کے بیٹے محمد نے کیا ہے جس نے ہماری جماعتوں کو پراگندہ او رہمارے معاملات کو ابتر ا اور قوم کو تتر بتر کردیا ہے۔ " پس ان معنوں میں ولید نے حضرت کو ساحر کہا اور اسی معنی میں وہ قرآن کو یعنی اسلام کی تعلیم کو بھی سحر کہتا ہے اور یہ کہنے سے اس کی مراد قرآن سے اپنی قلبی نفرت کا اظہار کرنا تھا نہ کسی عزت ووقار کا اور قرآن اس کے اس تکبر اور نخوت اور نفرت کی شکایت کرتا ہے ۔ چنانچہ سورہ مدثر میں وارد ہے " (کیونکہ جب اس سے قرآن کی نسبت پوچھا گیا) تو اس نے سوچا اور اٹکل دوڑائی تو اس کو خدا کی مار (دیکھو تو) کیسی اٹکل دوڑائی (پھر دوبارہ) غور کیا پھر تیوری چڑھائی اور برامنہ بنایا پھر پیٹھ پھیر کر چلتا بنا اور شیخی میں آگیا اور لگا کہنے کہ یہ (قرآن) تو بس (ایک قسم کا) جادو ہے جو (اگلوں سے)چلا آتا ہے ۔ یہ (قرآن) تو بس (کسی) بشر کا کہا ہوا ہے ۔" ترجمہ حافظ نذیر احمد ۔ پھر اس پر حافظ جی صاحب یہ حاشیہ چڑھاتے ہیں۔" یہ آیتیں ایک منکرولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئیں جس نے قرآن کی نسبت گستاخانہ کلام کیا تھا۔"

ہم ولید کی رائے پر صاد کرنے والے نہیں۔ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ ولید نے یہ رائے خوب سوچ سمجھ کر بڑے تدبر سے قائم کی۔ اس نے گویا اہل مکہ کاو کیل ہو کر یہ رائے پاس کرائی اور جواس کی رائے تھی وہ گویا اہل مکہ کی رائے تھی۔ اس کے خلاف آنحضرت کے مخلصین کی چھوٹی سے کمزور وضعیف جماعت تھی جو قرآن کو کلام خدا مانتی تھی۔ ولید کی رائے یہ تھی کہ قرآن بالیقین انسانی کلام ہے ۔ اور چونکہ اس کو اپنی فصاحت وبلاغت پر بڑا فخرو ناز تھا اس نے قرآن کو بالکل ہیچ سمجھا اور

اپنے تمام اقوال وافعال سے اپنے دل کی حقارت ظاہر کرتا تھا۔ اور نہ صرف قرآن کو اس نے قول بشر کہا یہ تو کوئی مذمت اس کی دراصل نہ ہوتی۔ بلکہ اس کو سحر یوثر کہا۔ یعنی "جادو جو اگلوں سے چلاآتا ہے"لغویات جو اگلے بطور ترجکہ چھوڑگئے۔

لفظ سحر کے معنی اور اس پر قرآن کی سند

لفظ جادو کے لفظی معنی چاہے کچھ ہوں۔مگر مراد اس سے اس جگہ افترا ہے۔ ایسا افترا جو پہلے لوگوں سے پیدا ہوا اور جس کو آنحضرت نے جاری کیا۔ ایسا معلوم ہوتاہے کہ یہ کم بخت ولید الہام ونبوت سے بالکل منکر تھا اہل کتاب کا بھی مخالف۔ اس کی غرض یہ کہنے سے غالباً یہ تھی۔ کہ " پہلے اہل کتاب نے یہ لغوکہانیاں اور جنت ونار اور حشراجساد کے اوہام دل سے تراشے اور پھر انہیں لغویات کو محمد ﷺ نے ان سے نقل کرکے ہم کو قرآن میں سنادیا۔اور جس طرح جادو حقیقتہً لوگوں کا افترا ہے۔ جس کے حیلے سے بعض عیار عوام کو ٹھگا کرتے ہیں اسی طرح قرآن بھی ایک عیاری ہے جو خدا اور فرشتوں اور الہام کے نام سے سادہ لوحوں کو پھنسانے کے لئے اہل کتاب کی تقلید میں تراشا گیاہے۔"

پس یہاں جادو کا لفظ اس معنی میں استعمال نہیں ہوا جس کے حامی مولوی سید محمد صاحب ہیں کہ "عبارت قرآن کو بوجہ کمال بلاغت کے سحر کہتا تھا۔" بلکہ اس معنی میں جو ہم یہاں بیان کررہے ہیں اور جس کی سند میں ہم قرآن اور تاریخ کو بھی پیش کرسکتے ہیں۔

سورہ سباع 1 میں ہے " اورکہنے لگے منکر ہم بتادیں تم کو ایک مرد جو تم کو خبر دیتا ہے کہ جب تم مر کر ریزہ ریزہ ہوجاؤ گے تو تم پھر سے پیدا ہوجاؤ گے ۔ کیا افترا کرلیا ہے اللہ کے اوپر جھوٹ یادیوانہ ہوگیاہے ۔" پھر اسی مضمون کو دوسری طرح ادا کیا ہے ۔ سورہ ہودع 1 میں " اگر تو کہے کہ یہ کھلا جادو ہے ۔" خبر بعث کو جادو کیوں کہا ؟ اس معنی میں کہ وہ اس کو جھوٹ سمجھتے تھے پس اس قول کو جادو کہا بمعنی دروغ ۔ چنانچہ امام رازی اس ایت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔" اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس کلام کا انکار کرتے تھے اور حکم لگاتے تھے خبر حشر کے باطل ہونے کا ۔ لیکن اگر کوئی کہے کہ جس شے کووہ سحر کے نام سے موصوف کرتے تھے وہ کوئی خاص فعل نہیں تھا۔ پس اس سحری کی صفت کا اطلاق کیسے ممکن تھا تو ہم کئی طرح سے اس کا جواب دیتےہیں۔ اول یہ کہ قفال نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ قول تمہارا فریب ہے جس کو تم نے اس غرض سے افترا کیا کہ لوگوں کو لذات دنیا سے روکر اور ان کو اپنی طرف رجوع کرکے اپنا تابعدار بناؤ اور اپنی اطاعت ان سے کراؤ۔ دوم یہ کہ معنی اس قول کے کہ " یہ کچھ نہیں مگر کھلاجادو۔" یہ ہوئے کہ جادو ایک امر باطل ہے جیسا خدا نے حضرت موسیٰ سے حکایتاً بیان کیا کہ جو کچھ تم جادو بنا کر لائے اللہ اس کو ضرور باطل کردے گا۔ پس اس قول سے کہ " وہ کچھ نہیں مگر کھلاجادو۔" صرف یہ مراد ہے کہ یہ بطلان صریح ہے۔ سوم یہ کہ قرآن حشر اجساد کے ہونے کا حکم لگاتا ہے اور کافر قرآن پر سحر ہونے کا طعنہ مارتے تھے کیونکہ اصل پر طعن کرنا اس کے فرع پر طعن کرنے کافائدہ دیتا ہے۔" (یعنی جب قرآن کو ہم نے باطل اور دروغ کہہ دیا تو گویا اس سب کو باطل ودروغ کہہ دیا جو کہ قرآن کے اندر ہے)

اسی معنی میں آیت سورہ طورع 1 میں ہے " جس دن دھکیلے جائیں گے دوزخ میں دھکیا کر(تو کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔ اب بھلا یہ جادو ہے یا تم کو سوجھتا نہیں۔" یعنی تم اس آگ کو سحر کہتے تھے یعنی جھٹلاتے تھے اب دیکھ لو یہ سچ ہے یا جھوٹ۔

دوسری جگہ ہاروت وماروت کے قصے میں امام رازی لکھتے ہیں۔ "مسئلہ اول اس بات کے بیان میں کہ سحر کے معنے لغت میں کیاہیں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اہل لغت نے ذکر کیا ہے۔ کہ اصل میں سحر اس چیز کا نام ہے جس کا سبب مخفی اور دقیق ہو اور سحر بالنصب غذا کو کہتے ہیں اس واسطے کہ پوشیدہ وقت میں کھائی جاتی ہے۔لبید کا شعر ہے ونسحر بالطعام وبالشراب ۔ اس شعر کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں ایک یہ کہ ہم دھوکہ دئے جاتے ہیں جس طرح مسحور دھوکا دیا جاتا ہے دوسرے معنی یہ ہیں کہ ہم غذا دئے جاتے ہیں اور خواہ کوئی معنی لئے جائیں اس میں پوشیدگی پائی جاتی ہے۔"

مسئلہ دوم۔ جاننا چاہیے کہ سحر کا لفظ عرف شرع میں اس امر کے ساتھ خاص ہے جس کا سبب مخفی ہو اور حقیقت کے خلاف معلوم ہو اور ایک قسم کا دھوکہ وہی اور فریب ہو اور جب اس کو مطلق بیان کیا جاتاہے تو اس کے فاعل کی مذمت کی جاتی ہے جیسے اس آیت میں ہے سحر وا اعین الناس۔ مراد یہ ہے کہ انہوں نے لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیا کہ لوگ ان کی رسیوں کو اور لاٹھیوں کو چلتا ہوا سمجھنے لگے۔" (سراج المنیر اردو ترجمہ تفسیر کبیر صفحہ 419)۔

خلاصہ بحث

پس اب روشن ہوگیا کہ جب کبھی کفار نے قرآن کو سحر کہا یا مذمت کے طریق سے اسی معنی میں جو ولید بن مغیرہ نے تراشے تھے کہ قرآن عرب کے درمیان خانہ جنگی پیدا کرنے والا ہے ۔ دوستوں ،رفیقوں، عزیزوں میں تفرقہ ڈالنے والا۔ یا اسی معنی میں کہ اس سے لوگوں کو دھوکا دیا جاتا ہے۔ وہ ایک مکاری وفریب کا رازہ۔ اور خفیہ سازش ہے جس کا پتہ قرآن کی اس آیت میں لگتا ہے " کہنے لگے منکر یہ کچھ نہیں مگر جھوٹ باندھ لایا ہے اور ساتھ دیا ہے اس کا اس میں اور لوگوں نے ۔" اور کہنے لگے یہ نقلیں ہیں اگلوں کی جو لکھ لایا ہے سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اس پاس صبح وشام ۔" فرقان ع1۔ پس کوئی شبہ نہیں کہ کفار جو قرآن کو سحر کہتے تھے یا آنحضرت کو ساحر تو ان کو مراد بجز اس کے اور کچھ نہ تھی کہ " قرآن نرا افترا اور دروغ ہے۔" اور یہ سب کچھ آنحضرت کا اپنا بنایا ہوا ہے۔

باب نہم

قرآن کی تحدی کی مراد اور وجوہ اعجازِ قرآن پر اختلاف

اس بات کا ایک بڑا ثبوت کہ قرآن نے تحدی باعتبار فصاحت وبلاغت نہیں کی تھی یہ ہے کہ خود علماء محمدی جو قرآن کی بے نظیری کے قائل تھے باوجود کوشش بلیغ کے زمانہ دراز تک اس تحدی کی اصل منشا سمجھنے سے عاری رہے ۔ ان کو معلوم نہ ہوا کہ قرآن کس جہت سے لاثانی ہے اور کس اعتبار سے تحدی کی گئی تھی ۔ ہم یہ دکھا چکے ہیں کہ لفظ " مثل" کا مفہوم جو ان آیاتِ تحدی کی جان ہے کس درجہ مشتبہ رہ گیا۔ اب ہم یہ بھی منظرِ عام پر لاتے ہیں کہ مسلمانوں میں اس بات پر کیسا بڑا اختلاف ہے چنانچہ نوع 64 ع کتاب اتقان کی فصل اول میں یہ ہے کہ " جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ قرآن ہمارے نبی ﷺ کا ایک معجزہ ہے تو اب واجب ہوا کہ وجہ اعجاز کو پہچاننے کا اہتمام کیا جائے۔ لوگوں نے اس باب میں خوب خوض کیا۔ بعض تو مقصد کو پہنچے بعض ناکام رہے ۔ ایک قوم کا یہ خیال ہوا کہ تحدی کلام قدیم کے ساتھ کی گئی تھی ۔ جو ذاتِ باری تعالیٰ کی صفت ہے اور اہل عرب کو اس امر میں اس بات کی تکلیف دی گئی تھی جو ان کی طاقت سے باہر تھی اور وہ اسی سبب سے عاجز رہے ۔ پھر نظام ک رائے یہ ٹھہری کہ قرآن کی برابری کرنے سے اور ان لوگوں کی عقلوں کو سلب کر ڈالا اور نہ یہ امر (عادۃً) ان کے مقدور میں تھا لیکن ایک امر خارجی نے ان کو روک دیا پس یہ بھی مثل تمام دوسرے معجزے کے ہوگیا ۔ مگر نظام کی رائے اس قول سے زیادہ عجب نہیں ہے جو ان کے ایک فرشتہ کا ہے۔ کہ قرآن کی مثل لانے پر سب لوگ قادر ہیں اور اگروہ اس کام سے باز رہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو قرآن کی ترتیب کا علم حاصل نہ تھا۔ اگر جانتے ہوتے تو وہ بھی یہ کام کر ڈالتے اور یہ قول بھی ایک دوسرے گروہ کے مقولہ سے زیادہ عجیب نہیں جو کہتے ہیں کہ عاجز اہل عصر نہ ہوئے تھے لیکن ان کے عصر کے لوگ قدرت رکھتے ہیں کہ قرآن کی مثل لے آئیں۔ لیکن ان زبانوں میں سے کسی پر اعتبار نہیں ہوسکتا۔

ایک قوم کا یہ قول ہے کہ اعجازِ قرآن کی وجہ یہ تھی کہ اس میں آئندہ کی پوشیدہ خبریں بتائی گئیں اور یہ بات اہل عرب کی شان سے بالا تھی اور ایک قوم کا قول یہ ہے کہ قرآن اس وجہ سے معجزہ ہے کہ اس میں اگلے لوگوں کے قصے اور تمام متقدمین کے قصے ہیں۔ ایک قوم کا ہے کہ معجزہ اس لئے ہے کہ قرآن کے اندر لوگوں کے دلوں کے بھید بتائے گئے ہیں قبل اس کے کہ لوگ خود ظاہر کریں۔ اور قاضی ابوبکر نے کہا ہے کہ قرآن معجزہ اس لئے ہے کہ اس میں نظم وتالیف و توصیف ایسے ڈھنگ سے واقع ہوئی جو ان تمام وجوہِ نظم سے خارج ہے جو کلام عرب میں رائج الوقت تھیں اور ان کے خطبوں کے اسلوب سے مخالف اور اس لئے اہل عرب کے لئے قرآن کا معارضہ ناممکن ہوگیا تھا۔۔۔ اور امام فخر الدین نے کہا کہ بہ سبب اپنی فصاحت کے اور نادر اسلوب کے قرآن معجزہ ہے اور اس لئے کہ وہ تمام عیوب سے پاک ہے" جلد دوم صفحہ 122و123۔

اب اس امر پر غور کرنا چاہیے کہ ان سات مختلف قولوں میں سے جو سب کے سب قائلین اعجازِ قرآن کے اقوال ہیں، صرف آخری قول امام فخر الدین رازی کا فصاحت وبلاغتِ قرآن کو مثل دیگر اہل قرآن کے معجزہ قرار دیتا ہے اور باقی چھ قول سب فصاحت وبلاغتِ قرآن کے منافی ہیں۔ پہلا قول اور دوسرا قول ان مسلمانوں کا ہے جنھوں نے عبارت قرآن کے نفس پر اور اہل عرب کے نتائج فکر کے موجودہ نمونوں پر مبصرانہ غور کرکے دونوں کو مقابلہ کرنے کے بعد نتیجہ نکالا کہ عبارت قرآن احاطہ قدرت انسانی کے اندر ہے ۔ اور ان کو تعجب ہوا کہ یہ پھر کیوں قرآن کی مثل وجود میں نہ آئی تو

اس کو اس گمان سے رفع کیا کہ یا تو تحدی الفاظ وعبارت کے ساتھ تھی ہی نہیں اور کسی کو اس کی مثل بنانے پر تحریص نہیں ہوئی اور یا اہل عصر اس کی مثل بنانے سے جبراً روک دیئے گئے ۔ بہر حال یہ دونوں گروہ جو یہ رائے رکھتے تھے اس بات کے قائل ہوئے کہ قرآن کی عبارت فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے کوئی عجوبہ نہیں اور اگر قرآن بے مثل رہ گیا تو اس لئے نہیں کہ اہل عرب اس کی مثل لانے سے طبعاً عاجز تھے بلکہ خارجی امور ایسے لاحق ہوگئے تھے کہ یہ کام نہ ہوسکا۔ دوسرے قول سے ملتا جلتا یہ قول بھی ہے جو بعض معتزلہ نے اختیار کیا کہ قرآن کا بنانا کسی کے لئے بھی دشوار نہیں تھا۔ دشواری کی وجہ صرف یہ تھی کہ قرآن نے ایک ایسا طرز اختیار کرلیا تھا جس سے اہل عرب بالکل اجنبی تھے اور نیز اس گروہ کا یہ قول بھی ہے کہ اس جہت سے صرف اہل عصر عاجز ہوگئے تھے مگر پچھلے لوگ جو قرآن کی طرز سے واقف ہوچکے تھے وہ ضرور اگر چاہتے تو اس کی مثل بناڈالتے ۔

ان دونوں قولوں کے قائل بھی باوجود مسلمان ہونے کے قرآن کو آدمی کی طاقت سے باہر نہ مانتے تھے اور وجہ بتاتے تھے کہ کیوں قرآن کی مثل نہ بنائی گئی ۔ ہم کو یہ کہنے میں تامل بالکل نہیں کہ نظام سا معتزلہ اور دیگر علماء اس گروہ کے جو قرآن کی عبارت کے باب میں ایسے خیالات رکھتے تھے ہندی مولویوں اور عربی دانوں اور ادیبوں سے بہت بڑھ چڑھ کر تھے اورہمارے لئے زیبا ہے، اگر ہم ان کے قول سے استدلال کرکے دکھائیں کہ انہوں نے عبارتِ عربی قرآن کو مسلمانی ایمان کے ساتھ دیکھا اور غور کیا اور اس کو طاقتِ بشری سے خارج نہ سمجھا بلکہ اپنے تئیں اور نیز اپنے اہل عصر کو اس کی مثل بنانے پر قادر مانا اور وجہ بتائی کہ کیوں لوگوں نے اس کو مثل نہ بنایا۔

قرآن کی مثل دوسری عربی کتاب کیوں موجود

ہماری رائے ناقص میں قرآن کی مثل اگر کوئی کتاب اہل اسلام کے درمیان زبانِ عرب میں موجود نہ ملی تو اس کا سبب یہ ہے کہ فتح مکہ کے قبل جب اہل حجاز غیر مسلم موجود تھے اور جو قرآن کو لاثانی فصیح وبلیغ نہ تسلیم کرتے انہوں نے جو کچھ قرآن کے معارضہ میں کہا وہ یقیناً بعد فتح مکہ ضائع ہوگیا اور اس کے ساتھ وہ کلام بھی جس کے اسلوب پر قرآن نازل ہوا تھا اور جو کاہنوں کی روش پر تھا، مسلمان کیونکر گوارا کرسکتے تھے کہ وہ وجود میں رہے ۔ جب جاہلیت کا سارا کا سارا کلام ضائع ہو کر نسیاً منسیاً ہوگیا تو وہ کلام جو قرآن کی مثل یا اس کے معارضہ میں پیدا ہوا تھا وہ کیونکر باقی رہ سکتا تھا۔ بعد فتح مکہ غیر مسلم لوگوں کا ایسا قلع قمع کیا گیا کہ کوئی غیر مسلم ہی نہ رہا جو قرآن شریف کے خلاف زبان ہلاتا ۔ اس کے بعد جب آنحضرت وقتِ وفات وصیت کرگئے کہ اہل کتاب جزیرہ عرب سے خارج کردیئے جائیں اور غیر مسلم لوگوں میں صرف اہل کتاب یہود ونصاریٰ رہ گئے تھے جو قرآن کا معارضہ کرسکتے تھے کیونکہ مشرکین کا وجود حکومت اسلامی میں باقی نہیں چھوٹا تھا۔ مگر جب وہ لوگ بھی سرزمینِ حجاز سے خارج کردیئے گئے تو پھر گویا کوئی اہل زبان غیر مسلم باقی نہ رہا جو قرآن کے خلاف معارضہ کرنے پر آمادہ ہوتا۔ اور کسی مسلمان کو زیبا نہیں کہ کسی غیر اہل زبان اہل کتاب سے قرآن کا معارضہ چاہے ۔ نصاریٰ بحران یا یہودِ مدینہ جو اہل زبان تھے اگر انہوں نے جلاوطن ہونے کے قبل قرآن کے مثل کسی اساطیر الاولین کو شائع کیا، یا معارضہ میں کچھ کہا تو اس پر بھی حکومتِ اسلام کی وجہ سے پردہ پڑگیا اور وہ سب مٹ گیا اور اس کے بعد ان کو کچھ کہنے کی جرات نہ ہوسکتی تھی۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ مناظرہ ہی نہیں کرسکتے تھے جیسے زیر سایہ ہلال انہوں نے کبھی مناظرہ نہیں کیا۔ اب رہے مسلمان اہل زبان تو انہوں نے قرآن کو کلامِ خدا مانا۔ اس کی برابری کرنے کی حرص ان کے دلوں میں ہو نہ سکتی تھی ۔ اگر ایسی حرص کبھی کرتے تو وہ کفر ہوتی۔ اور جو مسلمان زیادہ فہیم تھے اور قرآن کو بہ اعتبارِ زبان لاثانی نہ مانتے تھے اور ضرور قرآن کی مثل کہہ بھی سکتے تھے ۔ انہوں نے ایسا کرنا ترکِ ادب سمجھا کیونکہ وہ اس کو الہامی کتاب جانتے تھے اور واقعی اس کی ایسی نقل اتارنا جو اس کی برابر ہویا جو اس سے بڑھ جائے جسارت میں داخل تھا اور جمہور اہل اسلام کا بھی ان کو اندیشہ تھا جو ان کے اس فعل کو قابل طعن سمجھتے اور ان کو نقصان پہنچاتے۔ پھر عموماً جو لوگ اہلِ علم ہوتے ہیں نثر یا نظم لکھتے ہیں وہ کوئی نہ کوئی دینی یا دنیوی نفع سے اس تکلیف کو گوارا کرتے ہیں ۔ اگر وہ قرآن کی مثل بناتے تو اہل اسلام ان کو مطعون کرتے ان کی تحریر کو کفر سمجھتے اور اس کی قدر ہر گز نہ کرتے اور نہ داد دیتے پس کوئی امر ان کے لئے محرک نہ ہوا کہ وہ قرآن کی مثل کچھ لکھیں۔ ایک علمی رائے انہوں نے قرآن کے حق میں ظاہر کردی اور اس کے لئے بھی ان پر طعن کیا جاتا ہے ۔ پس سینکڑوں وجوہ اس بات کے موجود ہیں کہ کیوں باوجود قدرت کے لوگوں نے قرآن کی مثل کوئی کتاب نہ لکھی اور اگر لکھی تو وہ ضائع ہو گئی۔ ہم

ان لوگوں کا ذکر یہاں ترک کرسکتے ہیں جنہوں نے اس زمانہ میں اسلام وقرآن کو ترک کرکے نئے دینوں کی بنیاد ڈالی اور مثل قرآن اپنے اپنے قرآن لکھے اور ان کو جمِ غفیر نے ممالکِ اسلامیہ کے اندر قبول بھی کرلیا۔

تیسرے چوتھے اور پانچویں قول میں قائلین نے صراحتہً فصاحت وبلاغتِ قرآن کا انکار کیا اور تسلیم نہیں کیا کہ قرآن کی فصاحت وبلاغت لاثانی یا اعجازی ہے۔ وہ قرآن کا اعجاز یا آئیندہ کی خبروں کو ٹھہراتے ہیں یا گذشتہ کی خبروں کو یا لوگوں کے دلوں کے بھید بتادینے کو۔ اور اہل عصر کو اس سے عاری سمجھتے تھے اور قرآن کی تحدی صرف اس جہت سے قبول کرتے تھے۔ اور ہم بھی مانتے ہیں کہ پہلی اور تیسری وجہ تو اعجاز پر دلالت کرسکتی ہے مگر دوسری وجہ ہر گز نہیں۔

چھٹا قول بھی انکارِ فصاحت وبلاغت کو لئے ہوئے ہے بلکہ قرآن کو جو خاص خوبی قاضی ابوبکر نے بتائی وہ اس کا عیب شمار کیا جاسکتا ہے کیونکہ کلام ہمیشہ بعض قواعد کا پابند کیا جاتا ہے جن کو اس زبان کے استادوں نے اختیار کیا ہے اس سے انحراف کرنا اس کلام کو حقیر بنانا ہے ۔ مثلاً شعر کہنا عروض کے تابع ہے ۔ اگر کوئی شخص اردو فارسی میں ایسے اشعار لکھنے لگے جو قافیہ سے پاک ہوں یا ایسے اشعار جس میں ایک مصرع ایک بحرووزن پر ہو دوسرا کسی دوسرے بحرووزن پر ہو تو وہ کلام چاہے اور کتنی ہی خوبیاں اپنے میں رکھے اہل زبان اور شعراء نامدار اس کا تتبع ہر گز ہر گز نہ کریں گے بلکہ اس کے تتبع کو اپنے لئے عار سمجھیں گے ۔ اور اگر اس قسم کا کلام اہل عصر میں بلامعارضہ رہ جائے تو مطلق تعجب کی بات نہ ہوگی۔

صرف ساتواں قول ایسا ہے جس کی تردید میں ہم نے قلم اٹھایا ہے۔ گو ہم کو معلوم ہے کہ اس کی تائید کرنے والے سارے مسلمان ہیں خواہ وہ عربی سمجھیں یا نہ سمجھیں وہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ جس طرح بن دیکھے ایمان لائیں قرآن کی فصاحت وبلاغت کے اعجازی ہونے پر بھی ایمان لائیں۔ کیونکہ ہر مولوی کا یہی قول ہے اور ہر تفسیر میں یہی راگ ہے ۔

محض یہ اختلاف ہی قرآن کے وجوہِ اعجاز کی نسبت قرآن کی فصاحت وبلاغت کے اعجازی ولاثانی ہونے کے ابطال میں کافی سے زیادہ ہے ۔ اہل اسلام کے مناظرین نے اس دلیل کے زور پر سنجیدگی سے کبھی غور نہیں کیا۔ چنانچہ مولوی سید محمد صاحب اپنی کتاب تنزیہ الفرقان میں اس اختلاف کی نسبت یہ تحریر فرماتے ہیں کہ " وجہ اعجاز اختلافِ علما کی طبع آزمائیاں ہیں اور آپس کی مطائبات ولطائف معترض ومخالف کو ان سے کیا مطلب اس کو ہر قول کا آل اور نتیجہ دیکھنا چاہئیے بلکہ اگر عاقل بنظرِ انصاف اس اختلاف میں غور کرے تو یقین کرلے گا کہ یہ اختلاف علما کا اثبات کمالات قرآنیہ کے واسطے تائید الہیٰ ہے کیونکہ یہ اختلاف اس امر کا کاشف ہے ہ ہر چیز قرآن میں اس مرتبہ کمال پر ہے کہ جس چیز میں آدمی غور کرتا ہے ، اسی کو باعث اعجاز سمجھتا ہے۔"

ہم نے مولوی صاحب کو ہدایت کے موافق ان مختلف اقوال میں سے " ہر قول کا مآل اور نتیجہ " دکھایا ہے اور ان کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ " ہم کمالاتِ قرآنیہ کا انکار نہیں کرتے بلکہ صرف دکھاتے ہیں کہ صاحبِ کمال علماء میں سے ایسے ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جو قرآن کے تمام کمالات کے قائل تھے مگر ان کمالات میں لاثانی فصاحت وبلاغت کو ہر گز شمار نہیں کرتے تھے اور ہم بھی صرف انہیں کے خوشہ چین ہیں۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ مولوی صاحب باوجود اس علم وفضل کے ہر جگہ اس دلیل سے کتراتے ہیں اور مقابلہ سے بچے ۔ حتےٰ کہ آپ ایک جگہ بلا تامل فرماتے ہیں ۔" اگر کوئی کہے کہ جو علماء اخبارِ غیب اور قصص اور دلائلِ قاطعہ کو باعثِ اعجاز کہتے ہیں ان کے قول سے بھی لازم آتا ہے کہ عبارتِ قرآن من حیث الفصاحتہ معجزہ نہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ قول ان کا عقلی ہے مستند بحدیث نہیں جو واجب التسلیم ہو۔" صفحہ 43 خوب! تسلیم نہ کرنا تو بات ہی دوسری ہے اور اس کو عقلی کہنا اور پھر بھی تسلیم نہ کرنا عقل کی بات نہیں ۔" معترض ومخالف " سے سند حدیث پر استدلال یہ بالکل لطیفہ ہوا جاتا ہے ۔ اگر عقل سے بات ثابت ہے تو پھر اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے ۔ مگر میں جناب مولوی صاحب قبلہ سے بڑے ادب کے ساتھ عرض کروں گا کہ اس سے کم از کم جناب کا یہ قول تو ضرور اور باطل ہوگیا کہ " تمام اہل اسلام بلکہ مخالفین بھی قرآن کی فصاحت کو حد اعجاز اور طاقت بشری سے خارج سمجھا گئے ۔" صفحہ 29۔

اب تو یہ ثابت ہوگیا کہ مخالفین تو درکنار علمائے مومنین میں بھی بہت ایسے گزرے ہیں جنہوں نے قرآن کو اعجازی فصاحت کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔

باب دہم

اہلِ عصر کا خیال قرآن شریف کی نسبت

محمدی دعوےٰ

محمدی دعوےٰ جس کو مولوی صاحب نے تنزیہ الفرقان میں بیان کیا یہ ہے۔" جس شخص کو عربی زبان میں مہارت یا واقفیت نہ ہو تو عہدِ نبوت کے فصحاء وبلغاء کی مہارت اور ذوق سلیم پر اعتماد کرلیوے جن کے سامنے یہ دعوےٰ کیا گیا اور بجز خاموشی کے کسی سے کچھ جواب نہ آیا بلکہ اکثر ان میں لطف فصاحت سے بے خود ہو کر ایمان لے آئے اور بعضوں نے اگر باغراض نفسانیہ ضبط کیا۔۔۔ مگر قرآن کے مقابلہ ومعارضہ میں ان سے ایک فقرہ بھی نہ کہا گیا اور نہ اس کی فصاحت سے انکار کیا گیا پھر ان سے زیادہ کس کو واقفیت ہوسکتی ہے۔ اس سے زیادہ فصاحتِ سے انکار کیا گیا پھر ان سے زیادہ کس کو واقفیت ہوسکتی ہے۔ صفحہ 8۔

اگر یہ امر واقع ہوتا تو دراصل قرآن کی فصاحت و بلاغت پر بڑی زبردست دلیل بنتا۔ مگر ہم کو افسوس سے کہنا پڑا ہے کہ یہ محض ایک دعویٰ ہے کیونکہ " عہد نبوت کے فصحاوبلغا" میں سے کسی نے بھی قرآن کی شان میں ایسا نیک گمان کبھی نہیں کیا بلکہ وہ ہمیشہ مخالفت پر اڑے رہے اور قرآن کی شان میں کلماتِ نا ملائم وناشائستہ زبان سے نکالتے رہے۔ جیسا کہ ہم قرآن کی آیات سے ثابت کر چکے حتیٰ کہ آنحضرت کو اپنے اہلِ عصر کی شکایت ان پرورد الفاظ میں کرنا پڑی۔" اے رب میرے میری قوم نے ٹھہرایا اس قرآن کو جھک جھک" فرقان ع 3۔

ہم دعوےٰ کی داد نہیں دے سکتے۔ آپ کسی معتبر تاریخی شہادت سے ثابت کردیں کہ " عہدِ نبوت کے فصحاوبلغا" میں سے جن کی " مہارت اور ذوقِ سلیم " پر اعتماد کیا جاسکتا ہے وہ کون فصیح و بلیغ تھا جو قرآن کے " لطفِ فصاحت سے بے خود ہو کر ایمان لے آیا۔" ہم تو اس کے عین برعکس ثابت کر چکے۔ مگر ہم کو تعجب ہے کہ آپ جو مخالفین کی تردید میں یہ کتاب لکھ رہے ہیں آپ نے بھی دعوؤں پر اکتفا کیا اور مطلق فرض نہ سمجھا کہ ایسے دعوے پر تاریخ کو شاہد لاتے۔ اس دعوےٰ بے دلیل کے بعد آپ چند بالکل بے سند باتیں ہم کو سناتے ہیں یا اپنے مسلمان ناظرین کو خوش کرتے ہیں۔ "مسلمانوں کے دو طبقہ ہیں۔ پہلا طبقہ اصحاب رسول ﷺ کا جو پہلے کافر تھے اور آنحضرت کے سامنے مسلمان ہوئے۔ دوسرا طبقہ ان اشخاص کا ہے جو بعد آنحضرت کے پیدا ہوئے۔ الیٰ یومنا ہذا بلکہ قیامت تک۔ پس طبقہ اولے کی نسبت خصوصاً ان اصحاب کی نسبت جو قبل غلبہ اسلام یا از خود مسلمان ہوئے یہ اتہام کرنا کہ وہ لوگ بلا تحقیق فصاحت قرآن مسلمان ہوگئے ایسا ہے جیسا کوئی آفتاب کی روشنی یا آگ اور پانی کی حرارت و برودت کا انکار کرے۔" صفحہ 9۔

قبول اسلام کے وجود

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا مولوی صاحب سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان ہوجائے یا قرآن پر ایمان لے آئے تو وہ صرف فصاحتِ قرآن کو مان کر ہی مسلمان ہوگا۔ حالانکہ ہم سمجھتے ہیں، کہ مسلمان ہوجانے کے ہزار اسباب ہوسکتے ہیں۔ ایسے اشخاص بھی مسلمان ہوئے جن کو قرآن کی فصاحت کی بالکل خبر نہ تھی یا جو قرآن کو ایک غیر فصیح کتاب مانتے تھے۔ کیا عبداللہ کوئلم اور پول والا قرآن کی فصاحت کو تحقیق کرکے مسلمان ہوا یا حامد سنو یا الگز نڈروب، یہ لوگ عربی سے مطلق واقف نہیں صرف سیل صاحب کے ترجمہ قرآن کو پڑھ کر مسلمان ہوگئے۔ ہزاروں بت پرست ہیں جو محض توحید الہیٰ پر ایمان لا کر اسلام کے معتقد ہوگئے اور آنحضرت ﷺ کو بھی رسول مان بیٹھے۔ بلکہ آپ کے قائل ہیں کہ عرب میں قبل بعثت بہت سے لوگ سچے مسلمان تھے۔ (صفحہ 250، 251)۔

پس اگر اہل عرب مسلمان ہوجائیں تو یہ فصاحتِ قرآن پر کوئی دلیل نہیں ہوسکتی، جب تک کہ کسی خاص شخص کے اسلام لانے کی خاص وجہ ایمان اعجازِ فصاحتِ قرآن نہ بتایا جائے۔ کسی شاعر کے مسلمان ہونے کو دلیل معجزہ فصاحتِ قرآن ٹھہرانا ایسا ہے جیسا کسی جالینوس زمانہ کے مسلمان ہوجانے سے یہ کہیں کہ قرآن شفاء الامراض ہے۔ اس کی آیتوں سے مریض چنگے ہوتے ہیں۔ اس لئے فلاں حکیم مسلمان ہوگیا۔ پس آپ کو لازم ہے کہ اس مہمل دلیل کو ترک کرکے اس باب

میں مختص اور مضبوط ترین شہادت سنائیں تاکہ علاوہ خوش اعتقاد مسلمانوں کے غیر مسلمان ناظرین کی بھی تسکین ہوسکے۔

مولوی صاحب نے ایک بہت بڑی لمبی فہرست ایسے لوگوں کی لکھی ہے جو پیغمبر اسلام کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ ان میں اکثر بہت بڑے شاعر بھی تھے اور اکثر ایسے بھی جیسے زید بن حارثہ جن کی شاعری کا شہرہ شاید ہماری اپنی ناواقفی کی وجہ سے ہمارے کان تک نہیں پہنچا اور ایسے لوگ بھی گزرے جیسے حضرت علی جو مابعد بڑے شاعر ہوگئے۔مگر جب 7و8 برس کی عمر میں مسلمان ہوئے اس وقت یہ بھی نہ جانتے تھے کہ شعر کس کو کہتے ہیں۔مگر ان سب کی نسبت جناب مولوی صاحب کا دعویٰ یہی ہے کہ وہ قرآن شریف کے اعجازِ فصاحت کو تحقیق کرکے مسلمان ہوئے اور ان کا اسلام معجزہ فصاحت پر شاہد ہے۔ اگر ان تمام بزرگوں کے حالات دریافت کرنے میں اور مولوی صاحب کے دعویٰ کی سبکی دکھانے میں مصروف ہوجائیں تو ہماری کتاب بھی اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ ہوجائے۔اس لئے ہم اس فہرست میں سے صرف ان مشاہیر کا نام منتخب کرتے ہیں جن کو مولوی صاحب نے خود بہت بڑے پایہ کا سمجھا ہے اور جن کی شہادت اس معاملہ میں ان کے نزدیک قطعی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں " حق یہ ہے کہ صرف لبید اور نابغہ جعدی اور عباس بن مرداس سے معمر بن کاملین اور حسان اور کعب وغیرہ کا مسلمان ہوجانا اور اعشیٰ کا بارادہ اسلام مدینہ کو آنا اور ولید سے کافر اشداد سخن شناس کا اس کلام کو سحر کہنا فصاحتِ معجزہ اور بلاغت علیا کے واسطے کافی ہے۔ بعد اس کے کسی دلیل و برہان کی حاجت نہیں بلکہ اگر تمام عرب اور غیر عرب کے مسلمان قیامت تک قرآن کی فصاحت کا اثبات کریں تاہم ان چند شعرا کی تصدیق کے برابر معتبر نہیں۔ اب جو کوئی شخص کہ فصاحت قرآن پر حرف گیری کرے خواہ عرب ہو یا عجم کامل ہو یا ناقص وہ اس قابل ہوگا کہ بجز خاموشی کے اس کو کچھ جواب نہ دیا جائے۔" صفحہ 13۔

لبید بن ربیعہ اور اس کے اسلام کی نسبت دعوے

مولوی صاحب پوچھتے ہیں۔ " کیا لبید بن ربیعہ سا فصیح و بلیغ شاعر مصنف معلقہ رابعہ بلا تحقیق فصاحتِ قرآن مسلمان ہوگیا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے اپنے قصیدے کو بوجہ کمال فصاحت خانہ کعبہ پر آویزاں کردیا تھا۔ یہ شاعر بقول جان دیون پورٹ چند آیاتِ قرآنیہ کو کعبہ پر آویزاں دیکھ کر اور شرما کر اپنے قصیدے کو اتارلے گیا اور مسلمان ہوگیا۔ اب کہو کہ اس نے فصاحت قرآن کو معجزہ سمجھا یا نہیں۔" صفحہ 9" لبید بن ربیعہ مصنف معلقہ رابعہ قرآن کو کلام الہیٰ اور معجزہ سمجھ کر فوراً مسلمان ہوگیا۔ کیا کسی کو اس کے اسلام میں کلام ہے یا وہ جبراً مسلمان ہوا تھا۔" صفحہ 319۔ اور خلیفہ محمد حسن صاحب فرماتے ہیں۔ " یہی وجہ تھی کی لبید سا فرید وحید شاعر بے اختیار بول اٹھا کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہے اور فوراًمسلمان ہوگیا کیونکہ بہ سبب اس کمال واقفیت اور مہارت کے جو فن فصاحت و بلاغت میں اس کو حاصل تھی وہ اس بات کے جانچنے کی قابلیت رکھتا تھا، کہ انسان ایسا کلام کرسکتا ہے یا نہیں۔" اعجاز التنزیل صفحہ 503۔

پس ایسی ہی مختص شہادت تو ہم مانگتے ہیں۔ اگر اس قسم کی شہادت پیش کی جائے تو تحقیق کیسی آسانی سے ہوسکتی ہے اور اگر یہ واقعہ حق ثابت ہوجائے تو مولوی صاحب کے سوال کا جواب ہم بلا تامل اثبات میں دیں گے۔

زمانہ غلبہ اسلام کا تعین

مگر قبل اس کے کہ ہم اس بحث کو شروع کریں ایک بڑے اہم امر کا ذکر کردینا ضروری ہے۔وہ یہ کہ اسلام کی ابتدائی تاریخ دو زمانوں میں منقسم ہے۔ایک نرے اور خالص اسلام کا دور جب سوائے ایمان کے اور کوئی شے کسی مومن کو اسلام کی طرف کھینچنے والی نہ تھی لا اکراہ فی الدین اسلام کا دستور العمل تھا۔ اس دور میں جو شخص مسلمان ہوگیا اس کی نیک نیتی پر شبہ نہیں وارد ہوسکتا۔ یہ زمانہ مکہ کا ہے جس کی مدت 13 سال تھی۔ اس کے بعد دوسرا شروع ہوا جب پیغمبر اسلام مدینہ کو ہجرت فرماگئے جہاں اسلام کو زورِ شمشیر بھی حاصل ہوا جہاں پہنچ کر آیت قتال نے لا اکراہ فی الدین کو عملاً

منسوخ کردیا اور اسلام کے اوپر جاہ وجلال ومال ومنال کا بھی اثر پڑا اور قبول اسلام کے ساتھ اغراض دینوی بھی شامل ہوگئیں۔ اس زمانہ میں جو لوگ مسلمان ہوئے ان میں گو یقیناً سینکڑوں ایسے تھے جو اسی خالص نیت سے اسلام کے غلام بنے مگر ان کا اسلام مشتبہ بھی ہوا اور ان کو خلوصِ نیت کا علم سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں۔ مسلمانوں نے اس اصول کو خود منظور کرلیا ہے دیکھو ان لوگوں کے کیا رتبے تھے۔ جو ابتداءً آنحضرت کے ساتھ مکہ سے مدینہ کو ہجرت کر آئے ۔ ان مہاجرین کے مقابل وہ لوگ جو غلبہ اسلام کے وقت ہجرت کرکے آئے وقعت نہ پاسکے ۔ یہ دوسرا دور ایسا آیا اور حالات کچھ ایسا پلٹا کھاگئے کہ اس میں ہجرت بھی مشتبہ ہوگئی اور اسلام بھی۔ اور ہمارے مخاطب مولوی سید محمد صاحب کو بھی اسی لئے اس امر پر بڑا اصرار ہے کہ " طقبہ اولیٰ کی نسبت خصوصاً ان اصحاب کی نسبت جو قبل غلبہ اسلام از خود مسلمان ہوئے ۔" یہ اتہام نہیں لگ سکتا کہ وہ کسی جبر جسمانی یا اخلاقی سے مسلمان ہوئے اور اس اصرار سے گویا وہ تسلیم کرتے ہیں کہ جو لوگ غلبہ اسلام کے وقت مسلمان ہوئے ان پر یہ اتہام لگ سکتا ہے اور اسی زعم پر آپ ڈانٹ کر پوچھتے ہیں کہ " کیا کسی کو لبید کے اسلام میں کلام ہے یا وہ جبراً مسلمان ہوا۔"

پس سب سے پہلے ہم کو یہ امر فیصل کرنا چاہیے کہ " غلبہ اسلام " کا زمانہ کس کو قرار دیں۔

خلیفہ سید محمد حسن صاحب نے اپنے دعوےٰ کی تائید میں سرسید مرحوم کا ایک قول سنداً نقل کیا جس میں یہ ہے " سورہ نور اور سورہ بقرہ ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوئیں جبکہ آنحضرت کو بخوبی قوت حاصل ہوگئی تھی۔" اعجاز التنزیل صفحہ 330۔

اور مدینہ میں آکر ایسی جلدی پیغمبر نے تلوار پکڑلی کہ مورخ ابن خلدون (ترجمہ اردو کتاب ثانی جلد سوم 46) ہجرت مدینہ کے بیان میں لکھتا ہے کہ :

"اس وقت جب سب سے پہلی جہاد کی آیت اللہ جل شانہ نے نازل فرمائی یہ تھی وقاتلوھمہ حتیٰ لاتکون فتنہ ویکون الدین کلہ اللہ ۔ (اور لڑائی کرو تم ان سے تانہ ہو کوئی فتنہ ہوجائے کل دین اللہ کا) اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے بحکم الہیٰ اپنے اصحاب ؓ کو مکہّ سے مدینہ کی ہجرت کرجانے کو ارشاد فرمایا ۔" اس مضمون کی دو آئتیں ہیں ایک سورہ بقرہ میں دوسری سورہ انفال میں۔ اور سورہ انفال بھی زمانہ فتح بدر میں نازل ہوئی۔ (ابن ہشام) ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ہم فتح بدر کو غلبہ اسلام کا زمانہ قرار دیں تو کسی مسلمان کو ہمارے ساتھ اختلاف نہ ہوگا کیونکہ اس جنگ میں مشرکین کو ایسی بڑی زک ملی اور مسلمین کو ایسی نمایاں فتح کہ اس کے بعد غلبہ اسلام میں کسی کو شک باقی نہ رہا۔ غزوہ بدر ماہ رمضان دوسرے سال ہجرت میں واقع ہوا۔

اس امر کو ملحوظ خاطر رکھ کر اب ہم جناب مولوی سید صاحب کے منتخب شاہدوں کے اسلام کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور جدا جدا ان کی نسبت مولوی صاحب کے دعوےٰ کو پرکھ کے دیکھتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا شخص لبید تھا۔ اس پایہ کو کوئی دوسرا مسلمان عرب نہیں گزرا۔

تحقیق اسلام لبید بن ربیعہ

1۔ لبید بن ربیعہ ۔ یہ تو سب سچ ہے کہ " وہ فرید وحید شاعر ۔" بلکہ تمامی شعرائے عصر کا سرتاج تھا۔ اور وہ مسلمان بھی ضرور ہوگیا اور اچھا مسلمان ہوا۔ مگر یہ بات ہرگز سچ نہیں کہ وہ "قبل غلبہ اسلام" مسلمان ہوا اور ہم کو یہ بھی تسلیم نہیں کہ وہ چند آیات قرانیہ کو کعبہ پر آویزاں دیکھ کر اور شرما کر اپنے قصدے کو اتار لے گیا۔" بلکہ ہم کو یہ بھی تسلیم نہیں کہ " قبل غلبہ اسلام " کوئی آیت قرآنیہ کبھی کعبہ کے دروازے پر لٹکائی گئی یا کعبہ کی چار دیواری کے اندر للکار کر سنائی گئی ۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ جان دیون پورٹ صاحب کا قول بلا سند ہے ۔ سیل صاحب نے دیباچہ قرآن میں فصاحت القرآن پر مسلمانوں کے خیالات اور اقوال نقل کرتے ہوئے لبید کے متعلق یہ فسانہ بھی بیان کردیا ، جس کے لئے نہ انہوں نے کوئی سند سنی تھی اور نہ کسی روایت کا حوالہ دیا اور وہیں سے لوگوں نے اس قصے کو اڑالیا۔ ہم کو اس سے تو تعجب نہیں کہ جان دیونپورٹ صاحب نے کیوں اس قول کی کوئی سند تلاش نہ کی۔ مگر صاحب تنزیہ الفرقان اور صاحبِ اعجاز التنزیل سے تعجب ضرور آیا کہ انہوں نے بھی اس کو نقل کردیا اور اس کی سند نہ بتائی ۔ مگر ہم دکھائے دیتے ہیں کہ یہ قول اگر اس کی سند بھی دی جاسکتی سرتا پو لغو ثابت ہوتا۔

(1) اگر اس کی کوئی حقیقت ہوتی تو اس کے قائل کسی معتبر شہادتِ مخالف یا موافق کو پیش کرتے۔

(2)اس واقعہ میں اختلاف نہ کرتے حالانکہ اس کے لفظ لفظ میں اختلاف ہے۔

(الف) صاحب تنزیہ کہتے ہیں کہ لبید نے " سورہ موسوم بہ بقر " کی "پہلی چند آیتیں پڑھ کر۔ اسی وقت اسلام قبول کرلیا۔" حاشیہ صفحہ 9۔

(ب) صاحب البیان الفصا القرآن (یہ رسالہ بھی مسلمانوں کی طرف سے اسی بحث میں لکھا گیا)کہتے ہیں کہ " آخر الامروہ سورہ قرآن جیسے سورہ براۃ کہتے ہیں پہلی چند آیتیں اس سورۃ کی" لبید دیکھ کر مسلمان ہوگیا۔" صفحہ 5۔

(ج) مرزا حیرت دہلوی فرماتے ہیں " لبید اپنی پرزور اور موزوں طبعیت سے سب کو نیچا دکھاچکا تھا۔ قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوگیا اسی اثنامیں صرف اس کا یہ دعویٰ توڑنے کے لئے قرآن مجید کی ایک چھوٹی سورۃ کعبہ پر آویزاں کردی جونہی اسے خبر لگی وہ وہاں پہنچا اور دیکھ کر شرمندہ ہوگیا کہ یہ کلامِ خدا ہے۔" مقدمہ تفسیر قرآن صفحہ 9 مرزا حیرت چونکہ ناول نویسی میں بھی کوشش کرچکے ہیں اس لئے زیادہ رنگ آمیزی کرگئے۔

پس یہ مدعیان اتنا بھی نہیں بتاسکتے کہ وہ کون سورۃ تھی جس کو دیکھ کر لبید مسلمان ہوئے تاکہ ہم تو جانچ لیتے یا جنچوا لیتے کہ آیا وہ سورۃ دراصل اس مرتبہ فصاحت کی تھی کہ کوئی فصیح اس پر ایمان ہارجائے۔ وہ یہ بھی نہیں بتاسکتے کہ آیا لبید ابتداء بعثت میں مسلمان ہوا یا آخر زمانہ میں۔ مرزا حیرت تو یہ کہتے ہیں کہ وہ شروع ہی زمانہ میں کوئی چھوٹی سورۃ سن کر مسلمان ہوا۔ جو صاحب سورۃ براءت کو باعث اسلام لبید قرار دیتے ہیں وہ اس واقعہ کو 20و22 برس دور دھکیل دیتے ہیں کیونکہ سورۃ برات بعد فتح مکہ نازل ہوئی اور سورۃ بقر مدنی زمانہ کے اوائل میں۔ 1*

1*۔ میں نے ڈیون پورٹ صاحب کی انگریزی کتاب مطبوعہ 1882ء کو پڑھ کر دیکھا تاکہ معلوم کروں کہ وہ کیا کہتے ہیں چنانچہ وہاں یہ خوش گفت است سعدی وزلیخا کا مضمون پایا۔ وہ لکھتے ہیں کہ لبید سورہ برات کی پہلی آیتیں یعنی ذالکہ الکتاب الخ پڑھ کر مسلمان ہوگیا یہ آیتیں بقرہ کا شروع ہیں اور یہیں سے صاحب البیان نے اپنی کتاب میں یہ مضمون نقل کردیا اور صحت کی کچھ پرواہ نہ کی ۔ اور مولوی سید صاحب نے دیونپورٹ صاحب کی غلطی کی اصلاح کرنا چاہی مگر افسوس اس کی پرواہ نہ کی اور اس قول کی سند بتاتے۔

اب ہم لبید کا کچھ حال معتبر تاریخ اسلام سے سناتے ہیں ۔چھٹے سال بعثت تک لبید اسلام کے دشمنوں کا ہم نشین اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانے والاہم کو مکہ میں ملتا ہے ۔ حضرت عثمان جب ہجرت حبشہ سے واپس چلے آئے تو اس لبید نے آپ کو ذلیل کروایا بلکہ پٹوایا تھا۔ چنانچہ یہ قصہ صاحب اعجاز التنزیل نے صفحہ 72و73 پر نقل کیا ہے اور سیرۃ ابن ہشام جلد اول صفحہ 128میں یہ ہے کہ مکہ میں قریش کی مجلس میں لبید اپنے اشعار پڑھ رہا تھا۔ وہاں لبید مغیرہ اور حضرت عثمان بھی موجود تھے۔ لبید نے ایک شعر پڑھا۔ عثمان سے رہا نہ گیا۔آپ بول اٹھے یہ جھوٹ کہا۔ اس پر لبید کو طیش آیا اور حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر کہا کہ مجلس میں یہ بے ادبی و بد خلقی ۔ فوراً ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اور حضرت عثمان کے ایک ایسا طمانچہ مارا کہ آنکھ پر سخت صدمہ پہنچا ،مگر حضرت عثمان نے صبر کیا اور شکر اور لبید کو ذرا بھی درد معلوم نہ ہوا۔ حاضرین مجلس نے یہ کہہ کر لبید کا غصہ ٹھنڈا کیا ۔" یہ شخص یعنی عثمان ایک کمینہ ہے جو اور کمینوں کے ساتھ ہمارے دین کو ترک کرچکا ۔ آپ اس کے قول کو خاطر میں نہ لائیے۔"

9 ہجری کا نام سنتہ الوفود ہے (ابن ہشام جلد سوم صفحہ 56)۔ کیونکہ قبائل عرب کے ایلچی آنے لگے اور مسلمان ہونے لگے ۔ بنی عامر کی طرف سے وفد میں لبید کا اخیافی بھائی اربد بن قیس عامر بن الطفیل کے ساتھ آنحضرت کے پاس مدینہ میں آیا" یہ شخص آنحضرت کو دغا سے قتل کرنے کو آیا تھا" (تنزیہ صفحہ 171)۔ مگر اس کو موقع نہ لگا اور ناکام واپس چلا گیا۔ اورطبقات واقدی میں ہے کہ اس عامر نے جو لبید کا رشتہ میں بھائی تھا آنحضرت کے ساتھ گستاخانہ کلام کیا تھا اور آنحضرت نے اس کو بددعا بھی دی تھی ۔ چنانچہ جب یہ لوگ لوٹے تو راہ میں عامر طاعون میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ اور اربد کے اوپراوپر بجلی گری۔ لبید کو اپنے ان بھائیوں کی موت کا سخت صدمہ ہوا۔ اس نے ایک مرثیہ میں اربد کی شجاعت وسخاوت کی بڑی دھوم سے تعریفیں کیں۔ اس کی نیک خوخصلت کی مدح سرائی کی جس میں ایک کلمہ بھی نہیں جس سے لبید کے دل میں اسلام کی کچھ بو بھی معلوم ہو یا یہ ظاہر ہو کہ اس واقعہ کے متعلق اس کو کچھ بھی افسوس ہوا کہ کیونکر اربدی نبی کی جان کا گاہک ہوا تھا اور دغا سے قتل کے واسطے گیا تھا۔ (دیکھو ابن ہشام جلد سوم صفحہ 60و62)۔

اب جب یہ سب ہوچکا اور اسلام غالب آیا تو کچھ تعجب نہیں جو صاحب کتاب الاغانی نے لکھا (الجزاء الرابع عشر صفحہ 93و94)۔

ان لبید بن ربیعہ قدم علی رسول ﷺ فی وفد بنی کلاب بعد وفات اخیہ اربد وعامر بن الطفیل فاسلمہ وھاجرو حسن اسلام۔

یعنی لبید اپنے بھائی اربد اور عامر کی موت کے بعد نبی کلاب کے ایلچیوں میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہوگیا۔ پھر ہجرت کی اور اچھا مسلمان رہا۔

پس ان تمام واقعات سے ظاہر ہے کہ لبید برابر قرآن اور اسلام کی دشمنی پر اڑا رہا۔ اس کے دوستوں کو ایذا پہنچائی اور اس کے دشمنوں کو شاباش دی اور برابر بدی کرتا رہا۔ جب تک دم میں رہا۔ مگر جب فتح مکہ ہوگیا اور غلبہ اسلام بھی پوری طرح ہوچکا اور کسی مخالف کی جان کو امان باقی نہ رہی۔ تب مصلحت وقت کے موافق اوروں کے ساتھ یہ بھی مسلمان ہوگیا۔ اس نے حضرت عثمان کو پٹوایا تھا۔ اس نے اربد کی تعریفیں کی تھیں جو نبی کا جانی دشمن تھا۔ یہ دشمنوں کا دوست اور بھائی تھا۔ پس غلبہ اسلام کے زمانہ میں اس کا ایمان جب سوائے ایمان کے کوئی چارہ باقی نہ رہا قابل تحسین نہیں اور اس وقت لبید کا قرآن کو فصاحت وبلاغت کا سرٹیفکیٹ دینا بالکل بے سود اور ناقابل قبول ہے۔ ہم صاحبِ اعجاز التنزیل کی بات پر صاد کرتے ہیں کہ " بسبب اس کامل واقفیت اور مہارت کے جو فن فصاحت وبلاغت میں لبید کو حاصل تھی وہ اس بات کے جانچنے کی قابلیت رکھتا تھا کہ انسان ایسا کلام کہہ سکتا ہے یا نہیں۔" صفحہ 3۔

اور ہم آپ لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ یہ سو برس کا بڈھا شاعر ان 13 سالوں تک کہاں رہا جب حضرت مکہ کے کوچہ وبزون میں قرآن شریف کے لئے گوش شنوا تلاش کرتے پھرتے تھے۔ اس زمانہ میں جب قرآن اس کی حمایت کا ازبس محتاج تھا اس نے کیوں فریادرسی نہ کی۔ اگر فصاحت وبلاغت قرآن شریف کا خاص الخاص معجزہ تھا اور وہ اہل عرب خصوصاً فصحا نہ وبلغانہ کے مذاق کے عین مطابق تھا تو لبید باوجود "اس کامل واقفیت اور مہارت کے جو فنِ فصاحت وبلاغت میں اس کو حاصل تھے۔" کیوں قاصر رہا کہ جب سورہ اقراء، مدثر، یامزمل یالیل یا فجر یاضحے نازل ہوئیں تو یہ ان کو سن کر فوراً مسلمان نہ ہوگیا۔ آپ لوگوں کے دعوے سے تو توقع یہ ہوئی تھی کہ یہ سابق الاسلام ہو کر ہجرت حبشہ والوں کے ساتھ ہوتا اور ان لوگوں کے ہمراہ جو مکہ سے بھاگ کر مدینہ چلے گئے۔ غضب ہے کہ لبید جیسے شاعر کو قرآن کی فصاحت وبلاغت دریافت کرنے میں اتنی مدت لگی اور اس نے اس مبارک زمانہ کو ضائع کردیا جب اور لوگ جو نہ فصاحت وبلاغت خود رکھتے تھے اور نہ اوروں میں اس کی قدر کرتے تھے وہ تومسلمان ہوتے گئے اور مسلمان ہو کر ایسی ایسی مصیبتیں جھیلیں کہ اپنی خلوص عقیدت اور بے ریا ایمان اور نیک نیتی پر مہر کرگئے اس زمانہ میں تولبید مسلمان نہ ہوئے بلکہ انتہا درجہ کی بے اعتنائی دکھائی۔ مخلص جان باز مسلمانوں کو ایذا پہنچائی اور دشمنانِ اسلام اور دشمنانِ نبی موت پر نوحہ خوانی کرتے رہے اور ان کے اعمال حسنہ کے گیت گائے اور پھر جب بعد ہجرت غلبہ اسلام کی بجلی عرب کے سروں پر کڑکنے لگی اور ہوائے زمانہ نے پلٹا کھایا تو آپ بھی تیور فلک پہچان کر مسلمان ہوگئے۔ باوجود اس کے مولوی سید محمد صاحب ہم سے پوچھتے ہیں" کیا کسی کو لبید کے اسلام میں کلام ہے یا اس کی تصدیق تحدی میں شک یا یہ کہ یہ شخص جبراً مسلمان ہوا۔" صفحہ 20 ہاں صاحب ہم کو شک ہے اور بہت شک ہے اور اوپر ہم اپنے شک کے قرائن بلکہ دلائل سمجھا چکے لیکن اگر ہماری بات میں اب بھی کسی کے دل میں شک رہ گیا ہو تو اس امر سے رفع کرلے کہ لبید ان لوگوں میں تھے جن کو مونقہء القلوب کہتے ہیں یعنی جن کے دل انعام واکرام اور اعزانہ کے لالچ سے اسلام کی طرف مائل کئے گئے (دیکھو خزانتہ الادب شیخ عبدالقادر بغدادی جلد اول صفحہ 337)۔ کان لبید وعقلتہ بن علاثۃ العامر یان من المولفۃ قلو بھمہ۔ ہم لبید کے اسلام کی سچی اور پوری نظیر میں ایک دوسرے نامور شاعر کعب بن زبیر کے حالات آگے پیش کریں گے۔

سان بن ثابت شاعر طوطی عرب

2۔ یہ بھی مدینہ میں مسلمان ہوئے۔ آپ ہی کے مناقت میں سے ہے کہ آپ حضرت کے حرم ماریہ کی ہمیشرہ سیرین کے شوہر اوراس طرح حضرت کے ہمزلف تھے (اسد الغابہ) کفار کی ہجو کرنے میں آپ کو تائید روح القدس ہوتی تھی۔ حضرت عائشہ پر جو اتہام لگا تھا اس میں گروہ مخالفین کے پیشوا بھی آپ تھے اور آیت سورہ نور ع 2 والذی لولی کبرہ منھمہ لہ عذاب عظیمہ، آپ ہی کی

شان میں نازل ہوئی " جس نے ان میں سے طوفان کا بڑا حصہ لیا اس کو بڑی سخت سزا ہوگی اور اسی تہمت کی سزا میں آپ کی پشت مبارک پر تازیانے لگائے گئے اور آپ جھوٹے قرار پائے ۔اور اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک ایسے واقعہ پر آپ کی شہادت مسلمانوں کے درمیان نامقبول ہوئی جس کا احساس حواس خمسہ ہوسکتا ہے تو ایسی نازک اور لطیف بات پر کہ قرآن شریف کی فصاحت اعجازی ہے یا نہیں اور اس کی فصاحت کا حقیقی اندازہ کیا ہے آیا وہ طاقتِ بشری سے خارج سمجھی جائے یا نہیں ایسے مجروح شخص کی شہادت کو مخالفین کیونکر مان سکتے ہیں اور وہ بھی مدینہ میں جبکہ غلبہ اسلام کا آفتاب افقِ مشرق میں نمودار ہوچکا تھا بالخصوص جبکہ ہم کتاب الاغانی اور خزانتہ الادب وغیرہ میں یہ بھی پڑھتے ہیں کہ آپ انتہادرجہ کے بزدل تھے حتےٰ کہ عورتوں کے مقابل بھی آپ نے بزدلی دکھائی ۔ کبھی کسی لڑائی میں شریک نہیں ہوئے اور ابتدائے اسلام میں سربکف لڑائی پر جانا اور جہاد کی مشقتیں جھیلنا صدق اسلام کی عملی تصدیق سمجھی جاتی تھی۔ پس ایسے بزدل شخص سے اتنی توقع بھی نہیں کہ وہ کوئی بات دل کے یقین کے متعلق زبان سے دلیری کرکے نکالے ۔ غرضیکہ کسی پہلو سے بھی اس بحث میں حضرت حسان کا اسلام قابلِ قدر نہیں۔ علاوہ برایں ان کی نسبت یہ بھی دعوےٰ نہیں کیا گیا کہ مثل لبید کے انہوں نے اعجاز فصاحت قرآن پر خاص طور سے گواہی دی۔

3۔ "عباس بن مرداس جیسے نامی گرامی شاعر " کے قبول اسلام کا قصہ ابن ہشام جلد سوم کے شروع میں یہ لکھا ہے کہ " اس کے باپ مرداس کے پاس ایک بت تھا جس کو وہ پوجا کرتا تھا وہ پتھر کا تھا اور اس کا نام ضمار تھا۔ مرداس نے اپنے بیٹے عباس سے کہا کہ اے میرے بیٹے ضمار کو پوجا کر یہی تجھ کو نفع پہنچائے گا اور ضرر پہنچائے گا۔ ایک دن عباس ضمار کے پاس تھا کہ بت کے پیٹ کے اندر سے کسی نے آواز دے کر تین شعر پڑھے اور وسلیم کے تمام قبیلوں سے کہہ دے کہ ضمار غارت ہوگیا۔ اوراہل مسجد جیئے ۔ وہ شخص جو وارث ہوا نبوت اور ہدایت کا ۔ بعد زمان ابن مریم کے قریش کی قوم میں سے وہ ہدایت یافتہ ہے ۔ضمار تو غارت ہوگیا گو کسی زمانے میں پوجا جاتا تھا، جب نبی محمد پر کتاب نہیں نازل ہوئی تھی ۔ پس عباس نے ضمار کو جلاڈالا اور نبی صلعم سے آملا اور مسلمان ہوگیا۔

یوم بدر پر یہ شخص کفار کے ہمراہ مسلمانوں کے مقابل رجز خوانی کرتا تھا اور ان کی ہجو (تنزیہ صفحہ 182)اور پھر جب مسلمان بھی ہوا تو اس کا شمار موئفتہ القلوب میں ہے یعنی ان لوگوں میں جن کو مال دے کر مسلمانی میں پختہ کیا جاتا تھا یہ ایک جدا گروہ مسلمانوں کا تھا۔ چنانچہ طائف کی لوٹ میں سے جن لوگوں کو تالیفِ قلوب کے واسطے مال تقسیم کیا گیا انہیں میں عباس بن مرداس بھی ہے (ابو لفدا) اس نے انعام لینے میں بڑی ضد کی اور راضی نہ ہوا اور جب کم انعام ملا ہجو کرنے لگا۔ حتےٰ کہ حضرت نے فرمایا اس کی زبان کاٹو اور مال دے کر راضی کیا گیا (ابن ہشام جلد 3 صفحہ 29)۔ کتاب الاغانی اور اسد الغابہ میں صراحتہً لکھاہے کہ عباس فتح مکہ کے زمانے میں مسلمان ہوا اور یہ وہ زمانہ ہے جب غلبہ اسلام اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ جو قصہ اس نے اپنے قبول اسلام کا بیان کیا وہ محض افتراہے کوئی عاقل اس کو قبول نہ کرے گا۔ کتاب الاغانی میں (الجزاء الثالث عشر 65)۔ یہ بھی اضافہ ہے کہ بت کی گواہی سننے کے بعد یہ مسلمان نہیں ہوا بلکہ اس امر کو لوگوں سے چھپاڈالا اور کسی کو خبر نہ ہونے دی۔ مگر جب غزوۃ الاحزاب واقع ہوا تو پھر کسی نے کڑک کے ساتھ اس سے کلام کیا اور اس کو مخاطب کرکے کہا کہ تو مسلمان ہوجا۔ تب فتح مکہ کے زمانے میں یہ مسلمان ہوئے اور مسلمان بھی موئفتہ القلوب کے گروہ کے ۔

بہر حال یہ ثابت ہے کہ عباس نہ قرآن پڑھ کر مسلمان ہوئے نہ قرآن کی فصاحت وبلاغت کا اعجاز دریافت کرکے بلکہ اپنے اور اپنے باپ کے پیارے بت کی نصیحت پر ایمان لا کر گویا مسلمان کیا ہوئے بت کے قائل ہوئے ۔

کیا غیروں کو قتل اس نے مرے ہم رشک کے مارے
اجل بھی دوستوآئی نصیبِ دشمناں ہو کر

یعنی قرآن کی کسی آیت نے ان کو مسلمان نہ بنایا بلکہ ایک بت کے شعر نے اور وہ بھی ایسے وقت جبکہ اسلام کی تلوار سر پر بجلی کی طرح کوند رہی تھی اور جائے امان باقی نہ تھی ۔ ہم کو تو اس شخص کی مسلمانی کا بھی اعتبار نہیں آیا۔ مال دے دے کر اس کو ایمان میں مضبوط کرتے رہے اور جان بخشی کرکے اس کو مسلمان بنایا۔ ایسے شخص کو توحلفی شہادت بھی قابل اعتبار نہیں ہو سکتی۔ پھر کیا سمجھ مولوی صاحب نے ان کو اپنے دعوےٰ کی تائید میں پیش کیا ؟

4۔ " اعشےٰ یعنی میمون ابو بصیر بن قیس بن ثعلبہ سرآمد شعرائے روزگار۔" اس کی نسبت یہ بھی قطعاً معلوم نہیں کہ یہ کبھی مسلمان ہوا بھی چہ جائیکہ قرآن کی اعجازی فصاحت کا مقر ہوا آپ خود

لکھتے ہیں کہ " بنا برایک روایت کے مسلمان ہوگیا اور بنا برایک روایت کے مدینے تک نہ پہنچا کہ ابو سفیان وغیرہ قریش نے اسے ڈرا کر اور بہکا کر پھیر دیا۔" ابھی بہت دن آپ کو یہ ثابت کرنے میں لگیں گے کہ یہ شخص مسلمان ہوا تھا اور پھر ایک مدت چاہیے یہ ثابت کرنے کو کہ وہ اعجاز فصاحت قرآن کا قائل ہوا۔ میری صلاح تو یہ ہے کہ مولوی صاحب اس شخص کا نام بھی اپنے شاہدوں کی فہرست میں سے کاٹ دیں۔

5۔ نالبغہ جعدی۔ اس کی نسبت یہ سخن کہ وہ قرآن کی فصاحت یا بلاغت پر ایمان لایا یا اس کی فصاحت کو درجہ اعجاز پر سمجھا محض لغو ہے ۔ اس میں تو کلام ہی نہیں کہ وہ مکہ کے زمانے میں مسلمان نہیں یعنی اس زمانہ میں جب ایمان لانا دل کی آزادی کے ساتھ ہوسکتا تھا بلاجبرو اکراہ بلکہ مدینہ کے زمانہ میں مسلمان ہوا جب اسلام کو پورا پورا غلبہ ہوچکا تھا۔ اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ میں لکھا ہے۔ وفد النبی ﷺ ۔ جس سے صاف صاف روشن ہے کہ یہ شخص سنتہ الوفود یعنی 9 ہجری میں مسلمان ہوا کئی سال بعد غلبہ اسلام کے اور قیاس چاہتا ہے کہ اس نے جو بیس سال تک اپنے اسلام کو معرض تعریق میں رکھا تو اب اس کا اسلام لاناضرور کسی قسم کے جبرو اکراہ سے ہوا۔ یہاں ایک عقیدہ ہے جس کو سید محمد صاحب نے سورہ نساء کی آیت لولا فضل اللہ علیکمہ ورحمتہ لا تبعتمہ الشیطان الا قلیلا کی تفسیر میں حل کردیا جو ان کو پادری عماد الدین مرحوم کے اعتراض کے جواب میں کرنا پڑی ۔یعنی آپ فضل ورحمت سے ایک مراد "فتوحات اہل اسلام" ، " جہاد میں فتح " بتاتے ہیں جس کے باعث بہت لوگ مسلمان ہوجاتے تھے اور کمزور مسلمانوں کے ایمان میں ضعف نہ آتا تھا۔ (تنزیہ الفرقان صفحہ 249و250) پس کچھ بھی عجب نہیں اگر اس معنی " فضل ورحمتہ خدا " نابغہ جعدی کے شامل حال ہوا جس کے باعث طوعاً و کرہاً مسلمان ہونا پڑا۔

ہم تو کہہ چکے کہ کسی بت پرست کا اپنی رضا اور رغبت سے بھی تھوڑی سی فہم ودانائی صرف کرکے مسلمان ہوجانا ۔ بہت آسان ہے اور ہم مانتے ہیں کہ ہزاروں لوگ اس طرح سے بھی مسلمان ہوئے اور اچھے مسلمان بنے ۔ بلکہ تاریخ شاہد ہے اور تم خود بھی اقرار کرتے ہو کہ قبل ظہور اسلام سینکڑوں اہل عرب بت پرستی ترک کرکے اس دین کو اختیار کرچکے تھے جس کا نام مابعد اسلام اور مسلمانی پڑا۔مولوی سید محمد صاحب لکھتے ہیں کہ " قیس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل اورورقہ بن نوفل اور براء شنئی اور ابی ذر غفاری اور سلمان فارسی بدون اس فضل کے یعنی قبل زمانہ بعثت کے مومن تھے اور شیطان کے تابع نہ تھے اور بت پرستی کو اپنی عقل سے برا جانتے تھے۔" نابغہ جعدی بالکل انہیں لوگوں میں تھا جو مسلمان تھے قبل اسلام کے اور اب مسلمان ہونے کے لئے وہ نہ کسی معجزہ کا محتاج تھا نہ کسی کرامت کا اور اس کو معجزہ فصاحت کی بالکل پرواہ نہ تھی۔ فصاحت میں وہ آپ سینکڑوں معجزے دکھا چکا تھا۔ پس اس کو اپنا ہی دین اختیار کئے رہنا اور صرف نام تبدیل کردینا ایسے وقت میں کہ اسلام کی پولٹیکل قوت عروج کو پہنچ چکی تھی نہایت ہی قرین مصلحت تھا۔

دیکھو نابغہ جعدی کے حالات میں اسد الغابہ معرفتہ الصحابہ میں یہ لکھاہے " وہ جاہلیت میں دین ابراہیم اور حنیفہ کی تلقین کرتا تھا۔ روزہ رکھتا تھا۔استغفار کرتا تھا اور اس نے ایک قصیدہ بھی لکھا تھا جس کا نام شروع اس شعر سے ہوتا ہے ، شکر ہے اس اللہ کا جس کا کوئی شریک نہیں اور جو شخص اس حقیقت کا قائل نہ ہوا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اس قصیدہ میں طرح طرح کے دلائل توحید بیان ہوئے ہیں قیامت کا اقرار ہے اور اجزائے اعمال کا اور بہشت ودوزخ کا۔"

اور کتاب الاغانی حزء الرابع میں اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ " نابغہ جعدی ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں امور دین پر فکر کیا تھا،جنہوں نے ترک کیا تھا شراب ونشہ کو اور ہر شئے کو جو عقل کو زائل کرتی ہے اور جنہوں نے قمار کے تیروں کو اور بتوں کو چھوڑدیا تھا۔" اب آپ ہی فرمائیے کہ اس کے لئے دین محمدی کو اختیار کرلینا اور مسلمان کہلانا بجز اس کے اور کیا تھا کہ اس نے اپنا نام بدل ڈالا غرضیکہ وہ مسلمان تھا اور مسلمان رہا۔ اب صرف ایک غالب گروہ کا شریک حال بن گیا۔

جو لوگ یہ کہنے کی جرات کرتےہیں کہ نابغہ جعدی نے قرآن کو فصیح مانا اس کی اعجازی فصاحت کو تسلیم کیا ان کا فرض ہے کہ نابغہ کا کوئی قول اس معنی پر پیش کریں اور اس کے ساتھ یہ بھی قرینہ دکھائیں کہ اس نے جو کچھ شہادت دی وہ آزاد شہادت تھی بلاجبرو اکراہ ۔مگر وہ ایسا کچھ بھی نہیں کرتے اور نہ کرسکتے ہیں اور جو کچھ ہم اوپر دکھا چکے وہ اس خیال کو کلیتہً باطل کررہاہے ۔ بلکہ ہم تو یہ بھی ثابت کرسکتے ہیں کہ نابغہ نے صرف قرآن کو ہادی مان لینے پر کفایت کی نہ اس نے اس کو فصیح مانا اور نہ معجزہ ۔ جب وہ مسلمان ہو کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے جو قصیدہ سنایا اس کا

پہلا شعر یہ ہے:

اتیت رسول اللہ ازجاء بالھدی

ویتلوا کتاباً کالمجرۃ نیرا

میں رسول اللہ کے پاس آیا۔ جب وہ ہدایت لے کر آیا۔ اور ایک کتاب پڑھتا ہے جو کہکشاں کی طرح نورانی ہے (کتاب الاغانی) کسی کتاب کو نورانی کہنا اس کو الہامی ماننا ہے اور بس قرآن میں تمام الہامی کتابوں کو الکتاب المنیر کہا ہے (فاطر ع 3) اور کتاب المنیر کے لئے اعجازی فصاحت لازمی نہیں۔ پس معلوم ہوگیا کہ نابغہ قرآن کے اعجازِ فصاحت پر شاہد نہیں۔

6و7 "کعب" اس نام کے دو شاعروں کا تذکرہ مولوی صاحب نے کیا ایک " کعب بن مالک شاعر بے بدل " اور دوسرا " کعب بن زہیر سا شاعر نکتہ سنج فصاحت زبان عرب" جو ایک قصیدہ بھی آنحضرت ﷺ کی مدح میں کہہ کرلایا تھا جو نہایت مشہور ومروج ہے "

اول ۔ کعب بن مالک یہ مدینہ کا شخص ہے۔ قبیلہ خزرج کے انصار میں سے اور کوئی کلام نہیں کہ یہ شخص غلبہ اسلام کے قبل اسلام کی طرف رجوع لایا۔ ایسے وقت میں جبکہ ہجرت کی تیاریاں ہورہی تھیں۔ اس کا اسلام لانا ابتداً خالص نیت پر مبنی معلوم ہوتا ہے گویا بعد اس کا جوش سرد پڑگیا تھا، اور جب آنحضرت غزوہِ تبوک پر گئے اور مسلمانوں کو اپنے ساتھ بلایا تو منافقین مدینہ نے جو صرف بظاہر محض مصلحت وقت سے مسلمان ہوگئے تھے حضرت کا ساتھ نہ دیا۔ بلکہ انہوں نے بعض راویوں کو جن کی مسلمانی پر لوگوں کو شک نہ گزرنا تھا، بہکادیا۔ ان لوگوں میں علاوہ دو اور کے کعب بن مالک بھی تھے۔ جب حضرت تبوک سے واپس آئے تو منافقین آپ کو خوش کرنے کے لئے قسمیں کھاکھا کر طرح طرح کے عذر کرنے لگے۔ مگر اس کعب پر آپ نے بہت عتاب کیا۔ یہ شخص غزوہ بدر سے بھی بیٹھ رہا تھا (اسد الغابہ) آپ نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ کوئی اس سے بات نہ کرے۔ جب وہ نماز میں آتا تو حضرت اس سے منہ پھیر لیتے اور اس کے سلام کا جواب نہ دیتے۔ یہ حال پورے پچاس دن تک رہا اور کعب کی عافیت تنگ ہوگئی ۔ پھر اس کو معاف کیا(ابن ہشام مصری جلد 3 صفحہ 43و44) سورہ توبہ ع 14)میں اسی کعب کی طرف اشارہ ہے کہ " جب زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ اپنی جان سے بھی تنگ آگئے اور سمجھ گئے کہ خدا کی گرفت سے اس کے سوا کہیں پناہ نہیں۔ پھر خدا نے ان کی توبہ قبول کرلی۔" (حافظ نذیر احمد صاحب)۔

پس ایسے شخص کو جو شاعر تھا مگر شعراء عصر میں بھی کوئی سر برآوردہ نہ تھا کیونکہ یہ صرف اسی سبب سے مشہور ہوا کہ ان مسلمان شاعروں میں اس کا نام تھا جو آنحضرت کی طرف سے کفار کی ہجو کیا کرتے تھے اور جو وقت پر منافقین کا ساتھ دے دیتا تھا اور موردِ عتاب بھی ہوچکا ۔ ایسے شخص کی شہادت قرآن شریف اور اسلام پر کوئی مضبوط شہادت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا شمار تو ان لوگوں میں ہے جن کی شان میں وارد ہوا۔ یحلفون باللہ لیرضو کمہ. خصوصاً اس حالت میں کہ اس کی کوئی صریحی شہادت اس بارہ میں بھی نہیں پیش کی جاتی کہ وہ خاص فصاحت قرآن کے اعجاز کا قائل ہو کر اسلام لایا تھا۔ یہ شخص مدینہ کا تھا یہود کی صحبت اٹھائے ہوئے۔ اگر بت پرستی سے بیزار ہو کر خدائے واحد کا پرستار بن چکا ہو اور پھر اسلام کو قبول کرلیا تو کوئی عجب نہیں اور غالباً امر واقع بھی ہو تھا۔

دوم۔ کعب بن زہیر ، اگر اس شخص کی تاریخ قبول اسلام ہم سنائیں تو گویا تمام شعرائے عصر جو اسلام لائے ان کی اغراض قبول اسلام اور ایمان کو ہم نے ظاہر کردیا اور گویا مولوی صاحب کے کل دعوؤں کو باطل کردیا۔

خزینتہ الادب جلد چہارم صفحہ 12 میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ " جب خدا نے محمد ﷺ کو اٹھایا تو زہیر کا بیٹا بجیر تو مسلمان ہوگیا لیکن کعب کفر پر اور مسلمانوں کی عورتوں کو گالیاں دینے پر برابر اڑارہا اور رسول اللہ نے فرمایا کہ اگر کعب بن زہیر میرے ہاتھ میں پڑجائے تو میں اس کی زبان کاٹ ڈالوں گا۔

پھر اس کے اسلام کا قصہ سیرۃ ابن ہشام جلد سوم مصری صفحہ 32و32 میں یوں لکھا ہے کہ " جب رسول ﷺ غزوہ طائف سے لوٹ کر آئے بجیر بن زہیر بن ابی سلمیٰ نے اپنے بھائی کعب بن زہیر کو لکھ کر یہ خبردی کہ رسول ﷺ نے مکہ میں ان لوگوں کو قتل کرڈالا ہے جو ان کی ہجو کیا کرتے تھے اور ان کو ایذا پہنچاتے تھے اور کہ شعراء قریش میں سے ابن الزبعری وہبیرہ بن ابی وہب جو بچ رہے وہ ہر طرف بھاگے بھاگے پھرتے ہیں۔ پس اگر تجھ کو اپنی جان کی کچھ پرواہ ہے تو چلا جا خدمت میں

رسول ﷺ کے، کیونکہ وہ ایسے کسی کو قتل نہیں کرتے جو تائب ہو کر ان کے پاس آجائے۔ اور اگر تو ایسا نہ کرے گا، تو زمین پر جہاں تجھے امان مل سکے بھاگ کر بچ جا۔" یہ خط پا کر کعب بڑا برہم ہوا اور اس کے جواب میں اپنے بھائی پر بزدلی کا الزام لگایا اور مسلمان ہوجانے پر اس کو نفرین کی اور کہا کہ:

سقال المامور کا ساً رویةً

تجھ کو تو پریوں والے دیوانے نے اپنا پیالہ پلادیا ہے تو نے ہدایت سے

خالفت اسباب الهدی وتبعته

منہ موڑا اور اس کی پیروی کی۔"

علی خلق لمه تلق اماً ولا اباً

"ایسے طریق کو اختیار کیا جس پر

علیه ولمه تدرکه علیه اخاً لکا

تو نے نہ اپنی ماں کو پایا نہ باپ کو نہ بھائی کو۔"

اور موافق قول ابو لفدا اور روایتہ کتاب الاغانی جب حضرت نے یہ اشعار سنے تو اس کا خون ہدر کردیا اور حکم دیا کہ جو شخص کعب بن زبیر کو پائے قتل کر ڈالے۔ اس حکم سے اس کے بھائی کو فکر پڑی اور اس نے اس کو سمجھایا اور دوبارہ لکھا" تنجوا اذا کان النجاء وتسلمه۔ اپنی جان بچالے ابھی امان موجود ہے۔" ابن ہشام سیرۃ میں لکھتے ہیں کہ جب کعب کے پاس نہ نامہ پہنچا تو گویا زمین اس پر تنگ ہوگئی (یعنی اس کو کوئی مفر نظر نہ آیا اور اس کو اپنی جان کا خوف ہوا اور جب کوئی بات بچاؤ کی نہ سوجھی تو اس نے ایک قصیدہ رسول ﷺ کی مدح میں لکھا اور مدینہ میں آپہنچا اور وہاں ایک شخص کے ہاں جہینہ میں اترا جس سے اس کی شناسائی تھی اور صبح کے وقت رسول ﷺ کے پاس گیا جب فجر کی نماز ہوتی تھی۔ پس اس نے بھی رسول ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی پھر لوگوں نے اس کو اشارہ سے بتایا کہ یہی ہیں رسول ﷺ تو اٹھ ان کے پاس جا اور امان مانگ۔ پس وہ اٹھ کر رسول ﷺ کی طرف گیا اور ان کے پاس جا بیٹھا رسول اللہ اس کو نہ پہنچانتے تھے۔ پس کعب نے کہا۔ اے رسول اللہ کعب بن زبیر آیا ہے اور آپ سے امان کا خواستگار ہے تائب ہو کر اور مسلمان ہو کر۔ پس کیا آپ اس کو قبول کرلیں گے اگر میں اس کو آپ کے پاس لے آؤں۔ رسول ﷺ نے فرمایا ہاں! تب کعب بولا۔ اے رسول خدا کے میں کعب بن زبیر ہوں۔ اس بات پر انصار میں سے ایک شخص اچھل پڑا اور بولا اے رسول اللہ مجھ کو اور اس خدا کے دشمن کو بھگت لینے دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں۔ مگر رسول اللہ نے فرمایا اسے چھوڑ دے وہ تو ان باتوں سے جو کرتا رہا توبہ کرکے عاجزی کرتا ہوا آیا ہے۔ پھر کعب نے حضرت کو وہ مشہور ومعروف مدحیہ قصیدہ سنایا جو بانت سعاد کے نام سے مشہور ہے جو اس کی جان وایمان کی قیمت ہے اور جو بین دلیل اس کی بے مثل فصاحت وبلاغت پر ہمیشہ رہے گی یہ بڑا ہی حاضر جواب تھا۔ اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ میں اور اکثر شروح قصیدہ بانت سعاد میں اس کا بھی تذکرہ ہے کہ جب اس نے حضرت کے روبرو حاضر ہو کر کہا میں کعب ہوں تو حضرت نے پوچھا تو وہی کعب ہے جو مجھ کو مامور کہتا تھا۔ اس نے کہا میں نے حضور کو مامون کہا تھا کسی احمق نے رکون پڑھا ہوگا۔ حضرت سن کر خوش ہوئے۔" دیکھئے یہ شخص جو اپنے وقت کا گویا ملک الشعراء تھا، اور جو ہمیشہ حضرت کی ہجو کرتا رہا اور اسلام اور قرآن پر نفرین اور خود اپنے بھائی کو مسلمان ہوجانے کے باعث لعنت ملامت کرتا رہا۔ آخر کار جب عاجز آیا اور پیغام اجل اس کو پہنچ گیا تو محض جان کے خوف کے مارے مسلمان ہورہا ہے اور اگر آپ کا فرمانا درست ہے کہ اعشیٰ بھی " ملک یمامہ سے مدینہ کو روانہ ہوا اور ایک قصیدہ مدحیہ کہہ کر لایا۔" تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حال بھی بالکل کعب کا سا تھا۔

سچ ہے آنچہ دانا کند کند ناداں۔ لیک بعد از ہزار رسوائی۔ کیونکہ جب حضرت مدینہ میں رونق افروز ہوئے اور یوماً فیوماً آپ زور ملنے لگا تو دور اندیش پرانے تجربہ کار جہاندیدہ لوگ" لبید ونالغہ جعدی اور عباس بن مرداس سے معمرین کاملین" زمانہ کے تیور پہچان گئے ۔اور قبل اس کے کہ کعب بن زہیر کی سی نوبت آئے ایک حیلہ سے یا دوسرے حیلہ سے سچی مسلمانی کا دم بھرتے ہوئے اپنی جان اور آبرو کو بچالے گئے۔ عباس بن مرداس نے تو قبول اسلام کے لئے ایک لطیفہ تراشا گویا یہ کہتا ہے کہ میں مسلمان بھی ہوا ایک بت پر ایمان لا کر۔

شعرائے عصر کے اسلام کی حقیقت

حضرت نے ان لوگوں کے اسلام کو قبول کرلیا محض مصلحتِ ملکی سے جیسے منافقین مدینہ کے اسلام کو قبول کرلیا بلکہ ان سے بھی بد تر۔ یہ شاعر طبعاً مبالغہ پسند ہوتے تھے۔ لوگوں کی ہجو اور مدح میں نرا جھوٹ بولنے کے عادی۔ بے دین اور بداخلاق بھی ہوتے تھے جس طرح خود ستائی شاعر کے لئے مباح قرار پائی ہے، بد اخلاقی بھی اس کے لئے جائز سمجھی جاتی تھی اور حضرت ان باتوں سے خوب واقف تھے اور باوجودیکہ یہ شعراء اسلام کا دم بھرتے تھے اور اسلام کی سیف کی ہیبت ان پر غالب تھی۔ پھر بھی ان کی شان میں قرآن وارد ہوا۔" شاعروں کی باتوں پر وہی چلیں جو گمراہ ہیں۔ کیا تونے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سر پٹکتے پھرتے ہیں وہ کہتے ہیں جو خود نہیں کرتے "۔شعراء ع11۔

حسان بن ثابت جو مسلمان شعراء میں سب سے مشہور ہے اور جن کے فضائل میں احادیث وارد ہیں خود ان کا ذکر ہے کہ جب حضرت عائشہ کے سامنے انہوں نے اپنا ایک شعر پڑھا جس میں غیبت کی برائی تھی تو حضرت عائشہ نے فرمایا" فقالت لہ عائشہ لکنکہ لست کذالکہ . لیکن اے حسان تو تو ایسا نہیں ہے یعنی تو تو غیبت کرتا ہے اور جب مسروق نے حضرت عائشہ سے کہا کہ حسان نے بڑا بڑا کام کیا تھا وہ عذاب کا مستوجب ہے آپ ایسے شخص کو اپنے پاس نہ بیٹھنے دیا کریں تو حضرت عائشہ نے فرمایا فقالت فای عذاب اشد من العمی کہ اس سے زیادہ اور کیا عذاب ہوگا کہ اس کی آنکھیں پھوٹ گئیں۔ (حسان آخر میں اندھے ہوگئے تھے) مسلم کتاب الفضائل۔

اب کہ ہم مولوی صاحب کے شاعروں یعنی شاہدوں کے حالات سے اس تفصیل کے ساتھ واقف ہوئے اور ان کے ایمان اور قبول اسلام کی تاریخ پر غور کر چکے اور ان کی گواہی کا موازانہ۔ ہم افسوس سے کہتے ہیں کہ مولوی صاحب اپنا مقدمہ فصاحت قرآن پر بالکل ہار چکے کیونکہ آپ بہت وضاحت سے فرما چکے ہیں کہ " اگر تمام عرب اور غیر عرب کے مسلمان قیامت تک قرآن کی فصاحت کا اثبات کریں تاہم ان چند شعرا کی تصدیق کے برابر معتبر نہیں ۔" صفحہ 13 ہم نے ثابت کردیا کہ ان لوگوں کی گواہی صفر سے بھی کم ہے۔ یہ سب لوگ مکہ میں تو حضرت کی ہجو کرتے رہے اور پہلوں کا سرقہ کہتے رہے اور مدینہ میں جب زمانہ پلٹ گیا اور مخالفوں کے سر اڑتے ہوئے دیکھے تو کعب بن زبیر کی مانند مدح کرتے ہوئے دوڑے آئے اور مسلمان ہوگئے ان لوگوں کا اسلام تو یہودیوں کے ایمان سے بھی بد تر نکلا جو کوہ طور کو اپنے سروں پر گرتا ہوا دیکھ کر آمنا آمنا پکار اٹھے۔

عبداللہ بن الزبعری

عبداللہ بن زبعری کا ذکر کعب بن زبیر کے بیان میں آیا جو ایک زبردست شاعر تھا جس نے آنحضرت کی بڑی ہجو کی اور قرآن کو خوب سنا اور اساطیر الاولین کہا اور اس کا معارضہ کیا(تنزیہ صفحہ 72)۔ اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ " یہ شخص زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ اور ان کے اصحاب سے سب لوگوں سے زیادہ اپنی زبان اور اپنی ذات سے دشمنی دکھانے والا تھا۔ یہ قریش کی طرف سے لڑتا تھا اور مسلمانوں کی ہجو کرتا تھا اور قریش کے شعراء میں وہ سب سے بڑا تھا۔" اس کے بعد صاحب اسد الغابہ بھی فرماتے ہیں کہ " بعد فتح مکہ کے عبداللہ مسلمان ہوگیا اور اچھا مسلمان بنا۔" جو مسلمان بنا وہ اچھا ہی مسلمان ہوا۔ زبیر کیا بُرا تھا۔ یہ دونوں تو نمونہ ہیں کہ اس زمانہ میں لوگ کیسے مسلمان ہوا کرتے تھے اور کیسے اچھے مسلمان ہوا کرتے تھے۔

یہ شخص قرآن پر ایسے ایسے اعتراض جڑتا تھا کہ مشرقین مکہ سمجھتے تھے کہ اس نے آنحضرت کو دندان شکن جواب دیدیا اور تالیاں بجانے لگے تھے۔ قرآن میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے اور تفاسیر میں اس کی تفصیل آئی ہے چنانچہ سورہ زخرف میں یہ ہے۔" اور (اے پیغمبر) جب مریم کے بیٹے (مسیح) کی مثال بیان کی گئی تو بس تمہاری قوم کے لوگ اس کو سن کر ایک دم سے کھلکھلا پڑے اور لگے کہنے کہ (اس صورت میں) ہمارے معبود اچھے (رہے) یا عیسیٰ ان لوگوں نے عیسیٰ کی مثال جو تمہارے سامنے (بیچ میں) لاڈالی تو صرف کٹ حجتی کے طور پر لاڈالی) بات یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں (ہی کچھ) جھگڑالو۔" رکوع 6 (ترجمہ نزیر احمد) تاریخ ابن ہشام میں اس کی شان نزول یہ بیان ہوئی کہ سورہ انبیاء آیت 98میں جو لکھا ہے کہ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ

اے مشرکو تم اور جو کچھ تم پوجتے ہو دوزخ کا ایندھن ہوگا۔ جب حضرت نے کفار کے سامنے پڑھا تو ولید بن مغیرہ بیٹھا تھا۔ پھر جب عبداللہ زبعری آیا تو اس نے اس سے تذکرہ کیا کہ محمد نے ہمارے معبودوں کو یہ کچھ کہا وہ بولا" قسم خدا کی اگر میرے منہ پر ایسا کہتا تو میں لاجواب کردیتا مگر تم محمد سے پوچھنا کہ کیا ہر شے جو خدا کے سوا پوجی جاتی ہے اپنے پرستار کے ساتھ دوزخ میں ہوگی؟ ہم تو فرشتوں کو پوجتے ہیں اور یہود عزیر کو پوجتے ہیں اور عیسائی مسیح بن مریم کو۔ زبعری کا یہ جواب سن کر ولید اور لوگ جو اس کے ساتھ مجلس میں بیٹھے تھے نہال ہوگئے اور کہنے لگے کہ اس نے حجت میں محمد کو لاجواب کردیا۔" جلد اول صفحہ 125 مصری۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبعری کیسا بڑا منکر تھا۔ پھر یہ یوم خندق کفار کی طرف سے رجز خوانی بھی کرتا تھا (تنزیہ صفحہ 15)۔ اور جب اسلام کا غلبہ ہوا تو بھاگ گیا۔ زبیر کے بھائی نے اس کا قصہ زبیر سے بطور عبرت بیان کیا تھا کہ تمام مخالف شعراء قتل ہوئے۔ صرف ایک دو بچ رہے ہیں۔ آخر جب اسلام کی تلوار کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑا اور کوئی صورت جان کی امان کی باقی نہ رہی تو یہی عبداللہ بن زبعری شاعر فتح مکہ کے بعد آنحضرت اور اسلام کی مدح میں قصیدہ سناتا ہوا مسلمان ہوگیا۔ مسلمان ہوگیا اچھا ہوا۔ اسلام کی آبرو رہ گئی اور اس کی جان بچ گئی۔ لیکن اگر کوئی اس شاعر کی یا زبیر کی مدح کو حق سمجھے اور قرآن کی تصدیق میں دلیل بنائے تو ہم فوراً کہہ دیں گے واَ لشعراءُ یتبعھم الغاوٗن۔

فیصلہ معاصرین خلاف قرآن

ہم اپنے تئیں انہیں جاہلوں میں شمار کرتے ہیں کہ " جس شخص کو زبان عربی میں مہارت یا واقفیت نہ ہو تو وہ عہد نبوت کے فصحار وبلغاء کی مہارت اور ذوق سلیم پر اعتماد کرلیوے جن کے سامنے یہ دعویٰ کیا گیا۔"

اب ہم پوچھتے ہیں کہ " کیا عہد نبوت کے فصحاء وبلغاء " میں وہ تمام شعراء نامدار شامل نہیں جو مکہ میں حضرت کی تکذیب کرتے رہے اور قرآن کو قول البشر اور مہجور ہزل اور نہایت تحقیر کے معنوں میں سحر کہتے رہے جیسا ہم اوپر سنا آئے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس گروہ میں عہد نبوت کے تمام فصحاؤ بلغاء شامل ہیں صرف بعض ہی نہیں کیونکہ اوائل اسلام کے ان مسلمانوں کی فہرستوں میں جو قبل ہجرت یعنی زمانہ مکہ کے 13 برس تک مسلمان ہوئے یا حضرت کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کرگئے فصحاء بلغار عرب میں سے کسی ایک کا نام بھی ہم کو ڈھونڈھنے سے نہیں ملتا اور یہی زمانہ تھا جب لا اکراہ فی الدین کا حکم ناقد تھا اور آیت سیف وقتال سے منسوخ نہ ہوا تھا۔ پس شہادت کا پلہ الٹ گیا۔ اب آپ کو ثابت کرنا چاہیے کہ وہ کون سا فصیح تھا جو قبل غلبہ اسلام " فصاحت معجزہ اور بلاغت علیا کا معترف ہوا ہو بلکہ ہم آپ ہی کے شاہدوں کو پیش کرتے ہیں انہیں میں " کعب بن زہیر شاعر نکتہ سنج فصاحت زبان عرب ہے جو اس وقت اپنے انکار اور تکذیب پر اڑا رہا۔ جب تک کہ اس کا خون ہدر نہیں کردیا۔ اور جب تک اس کو یہ معلوم نہیں ہوگیا کہ اب سوائے چاپلوسی اور خوشامد کے جان کی امان باقی نہیں رہی۔ انہیں میں " ولید بن مغیرہ سا شاعر محقق " ہے جو مرتے مرگیا مگر مسلمان نہ ہوا اور ہمیشہ قرآن کی ہجو کرتا رہا۔ اس شخص کی یہ شان تھی کہ جو یہ کہہ دیتا تھا اسی بات کو قریش کہتے تھے۔ اس شخص کو اپنے مہارت اشعار کا یہ دعویٰ تھا کہ میرے برابر کوئی شخص، قصائد ورجز واشعار عرب وجنات سے واقف نہیں۔" (تنزیہ الفرقان صفحہ 10) حق تو یہ ہے کہ اس ایک شخص کا مسلمان نہ ہونا قرآن کی فصاحت وبلاغت کے دعوے کو ایسا باطل کردیتا ہے کہ اگر سارے شعراء ادب بھی مسلمان ہوجاتے تو بھی قرآن کی شان نہ بڑھا سکتے اور اگر فتح مکہ کے روز تک یہ بھی جیتا رہتا اور اس کا سر قلم نہ کردیا جاتا تو یہ بھی وہی کہنے لگتا جو کعب بن زبیر یا عبداللہ زبعری نے کہا۔ یہ ایسا بڑا شخص گزرا ہے کو اپنے سامنے اس نے گویا قرآن کی دال نہ گلنے دی۔ اس وقت تک اس کے اقوال قرآن شریف کی آیات میں موجود ہیں اور طرح طرح کی کوشش کی گئی ہے کہ اس کے قول کی تردید کی جائے۔

انہیں قرآن کے مخالفین میں عبداللہ بن زبعری " قریش کے شعراء میں سب سے بڑا تھا۔" انہیں میں عباس بن مرداس ہے۔ انہیں میں لبید بن ربیعہ ہے اور انہیں میں نابغہ جعدی اور وہ سب جو غلبہ اسلام کے وقت مسلمان ہوگئے یعنی جب آیت وقاتلو اھمہ حتی لاتکون فتنہ فی الدین ویکون الدین کلہ اللہ۔ اپنے ساتھ مخالفین کے سر پر بلا کی طرح ٹوٹی۔ تمام فصحائے عرب اس کے معارضہ سے عاجز ہوگئے اور سب نے اس کے علو مرتبہ کو تسلیم کرکے سر

جھکائے ۔" صفحہ 29 اور کہ " عہد نبوت کے تمام فصحائے نے اس کو پسند کیا اور کسی نے کچھ عیب اس کی فصاحت وبلاغت وعربیت میں نہ نکالا۔" صفحہ 29۔

اس کے برعکس اب کہ ہم حقیقت حال دکھا چکے ہم علانیہ کہہ سکتے ہیں کہ عہد نبوت کے تمام فصحاؤ بلغا نے قرآن کو رد کیا ۔اس کو کسی نے فصاحت بلاغت کے اعتبار سے کچھ بھی نہیں سمجھا۔ بلکہ معارضہ کرنے کو اپنی کسر شان سمجھا۔ مطلق التفات بھی نہ کی۔ اس کو سحر کہا کذب کے معنی میں اس کو مہجو کہا انتہا درجہ بے قدری کرکے زیادہ سے زیادہ تعریف کی تو یہ کہ قول شاعر مجنوں ہے۔

باب یازدہم

مولویوں کی خوش اعتقادیاں فصاحتِ قرآن کی نسبت

اگرہم قرآن کی نسبت دعوےٰ اعجاز فصاحت کے اجزا کو کسی کیمیاوی ترکیب سے الگ الگ کرکے دیکھیں توروشن ہوجائیگا کہ وہ محض قیاساتِ بعیدہ کو یکجا فراہم کردینے سے بنا ہے۔ اس میں غلط بیانی ہے ، خوش اعتقادی ہے ، مبالغہ ہے ۔ تعلی ہے اور تلقید ہے۔ اور بس جس قدر تعریفیں کسی کلام کی کبھی ہوئی ہیں یا ہوسکتی ہیں ، وہ سب قرآن کی عبارت پر چسپاں کردی گئیں ۔ جس طرح جود سخا کی تمام روایتیں حاتم کے سر تھوپ دی گئیں اور تمام دانائی کے اقوال حضرت سلیمان کے۔ اسی طرح قرآن کو اہل اسلام نے مرکز بنالیا۔مثلاًسید محمد صاحب لکھتے ہیں کہ " آیہ کریمہ یعنی فاصدع بما تومرواعرض عن المشرکین کی نسبت منقول ہے کہ :

کیا فصحانے آیاتِ قرآن کو سجدہ کیا

"ایک اعرابی نے جونہی سنا تو فوراً سجدہ میں گر پڑا اور سجدہ میں پڑا ہوا کہتا تھا کہ سجدہ کرتا ہوں میں اس آیت کی فصاحت کو کیونکہ اس کی فصاحت ایسی ہی عظیم ہے کہ قابل سجدہ کرنے کے ہے ۔" صفحہ 225۔

یہاں " منقول ہے " اس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا جو میلاد شریف کی حدیثوں یا مجالس عزا کی روایتوں کا "منقول " پھر بھی یہ زیادہ سے زیادہ تحسین ناشناس ہے۔ اعرابی کا قول کچھ قابل وقعت نہیں اور پھر اس کی سند بھی نہیں کسی خوش اعتقاد شخص کا قول ہے ۔مگرہاں ایسا ایسا کلام دنیا میں موجود رہا ہے اور اب بھی ہے جس کو بڑے بڑے نقادانِ سخن نے سجدہ کیا جن کے سجدہ کی صحیح روایات موجود ہیں اور جن کا سجدہ قابلِ سند تھا۔ ایک مثال سنئیے کتاب الاغانی (الجزء الرابع عشر) میں رواۃ کے نام وسلسلہ کے ساتھ لکھا ہے کہ جب لبید کا یہ شعر پڑھا گیا۔

شعر لبید اور سجدہ فرزوق

جلاالسیول عن الظلول کانھا

زبر تجد متوھا اقلامھا

فرزوق موجود تھا وہ سنتے ہی سجدے میں گر پڑا ۔ لوگوں نے پوچھا کہ تونے سجدہ کیوں کیا جواب دیا کہ تم کو معلوم ہے کہ قرآن میں سجدہ کہاں کرنا چاہیے اور مجھ کو خوب معلوم ہے کہ شعر میں سجدہ کہاں واجب ہے ۔

یہ کوئی اعرابی کا سجدہ نہیں بلکہ فرزوق کا سجدہ ہے اور فرزوق ایسا نحن شناس تھا کہ اپنے زمانہ میں خود مسجود شعراء رہ چکا اور یہ واقع تاریخ کے صفحوں میں درج ہے ۔ اب کوئی مسلمان ہم کو ایسی گواہی قرآن کی کسی آیت پر سنائے کہ جہاں کسی ایسے نقاد سخن نے سجدہ کیا ہو جو فرزوق کے پایہ کا ہوا

اور قبل زمانہ غلبہ اسلام رہا ہو اور جس کے سجدہ کی ایسی سچی روایت ہم تک پہنچی ہو۔ ہم ہی اس کے خلاف دکھلائے دیتے ہیں۔ عرب میں کسی سخن کی فصاحت کو سجدہ کرکے تسلیم کرلینا ایک معمولی بات تھی۔مکہ میں جب قرآن کی تحقیر ہوتی تھی اور اس کے حریفوں کا سخن مسجود ادباء بنا ہوا تھا تو اس کی بھی شکایت کی گئی چنانچہ لکھا ہے ۔ فما لھمہ لا یومنوں واذ تریُ علیھمہ القرآن لا یسجدون بل الذین کفر وایکذبون ۔ ان کو کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے روبرو قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ میں نہیں گرتے بلکہ یہ منکر لوگ تو اس کو جھٹلاتے ہیں۔ (سورہ انشقاق)

کیا قرآن کی آیت پڑھ کر کوئی مر گیا؟

اسی طرح ایک اور دوسری تعلی بیان کی گئی ہے۔مولوی سید محمد صاحب" عہد نبوت کے فصحاء وبلغاء " کی نسبت فرماتے ہیں کہ " اکثر ان میں لطف فصاحت سے بیخود ہو کر ایمان لے آئے اور بعضوں نے اگر باغراض نفسانیہ ضبط کیا مگر نہ کرسکے ۔" صفحہ 8۔ اس سے بھی بڑھ کر تعلی سید مہدی علی صاحب کی ہے آپ فرماتے ہیں "چنانچہ ثابت ہے کہ جب وہ سادے الفاظ کی آیت نازل ہوئی یا ارض ابلعی ماءکہ ویا سماء قلعی الخ تو بعض اس کو پڑھتے پڑھتے بہ سبب کمال ذوق کے مرگئے۔" شہاب ثاقب صفحہ 446۔

عاشقانِ کلام اللہ میں تو سب ہی مسلمان ہیں۔مگر ہم نے آج تک کسی ایسے شہید کا نام نہیں سنا جو اس آیت کی وجہ سے مرا ہو۔ مگر افسوس اسی قسم کی تعلیوں سے دعویٰ فصاحت اعجازی کیا جاتا ہے ۔ لیکن ہم کو معلوم ہے کہ دنیا میں ایسا کلام بھی رہا ہے اور ہے جس پر بعض لوگوں کی فی الحقیقت مرتے سنا اور مرنے والے صاحب ذوق سلیم تھے جن کے مرنے کی سند ہے اور جن کا مرنا سچا ہے ۔زمانہ سلف کی روایتوں کی تلاش میں کیوں جاؤں ہمارے ملک وزمانہ کی ایک روایت مشہور ہے ۔ ابھی تین ہی برس گزرے ۔

مولانا محمد حسین مرحوم الہ آبادی کی وفات

شمس العلماء مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی اجمیر شریف میں جب عرسِ خواجہ جوبن پر آیا ہوا تھا لاکھوں کے دیکھتے یہ شعر پڑھتے پڑھتے انتقال فرما گئے ۔

گفت قدوس فقیرے درفنا ودربقا
خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آدمی

مولانا علیہ رحمہ تو اس شعر پر مر گئے مگر ہزاروں ہیں جواب تک جیتے ہیں کیا تعجب نہیں کہ اس شعر کا مصنف جیتا رہا اور اپنے شعر پر نہیں مرا۔ پس اگر کوئی کسی کلام پر بیخود ہوجائے یا مرجائے تو یہ اس شخص کے رقیق الطبع ہونے کی دلیل ہے نہ کلام کے حقیقی اثر کی ۔ بعض اوقات انسان کے قلب پر ایک کیفیت طاری ہوتی ہے اور کوئی کلام اس پر تازیانہ کا کام کرجاتا ہے ۔ کلام تو بڑی چیز ہے ۔مولانا روم ایک زرکوب کی ہتھوڑی کی آواز پر از خود رفتہ ہوگئے تھے۔ اگر انہیں باتوں کے شمار سے کوئی کلام معجزہ قرار دیا جائے یا کلام خدا، تو لبید کا شعر معجزہ تھا کہ اس کو فرزوق نے سجدہ کیا۔ قدوس کا شعر معجزہ تھا، کہ اس کو پڑھتے پڑھتے مولانا ممدوح نے جان دے دی ۔ یہ روایتیں سچی وتاریخی ہیں۔

120 بدائع والی آیت قرآن

اسی قسم کے اور عجیب منطق ہیں جن سے کام لیا جاتا ہے مثلاً خلیفہ سید محمد حسن صاحب لکھتے ہیں کہ " انسان خواہ کیسا ہی فصیح وبلیغ کیوں نہ ہو ایسا کلام نہیں کرسکتا جس کے وجوہ بلاغت حروف سے زیادہ ہوں۔" اور پھر آپ قرآن شریف کی ایک آیت سورہ بقر بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ جس کو ہم مع ترجمہ ایک مقام مناسب پر لکھیں گے ۔ اور فرماتے ہیں کہ " اس آیت شریفہ میں ایک سو بیس نکات بدیعی معلوم کئے ہیں۔" اور پھر بڑے فخر سے یہ تعلی کرتے ہیں کہ " میں صرف ایک آیت کے لکھنے پر اکتفا کروں گا ناظرین اس پر تمام قرآن کو قیاس کرلیں۔" صفحہ 502و503 یعنی تمام قرآن میں نکات بدیعی الفاظ عبارت کے شمار سے زیادہ ہوتے ہیں۔ خوب! اس سخن کی داد

سوائے خوش فہم ملانوں کے کوئی نہ دے گا۔ اول تو وہ نکات جن کا فخر کیا جاتا ہے محض وہمی بلکہ قیاسی ہیں۔ دوم ایسے موہوم صنائع وبدائع فارسی عربی کے ہر شاعر کے کلام میں موجود ہیں اور ہر دیوان میں کوئی نہ کوئی ایسا فقرہ ملے گا جس میں خوش فہموں نے اس قسم کے بدائع کی کھوج کی ہے۔ سوم قرآن میں ایسے بہت سے مقامات موجود ہیں جن میں کچھ بھی بدائع موجود نہیں عبارتیں خالی ہیں۔ الفاظ حشویہ بھرے ہیں۔ بے معنی تکرار ہے۔ مثلاً ایک یہی عبارت ہے اور اسی سورہ کی۔ کوئی صاحب اس کے صنائع وبدائع کا شمار ہم کو حروف عبارت کی تعداد سے نصف ہی بتلائیں۔ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُواْ إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلّهِ جَمِيعاً وَأَنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعَذَابإِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُواْ مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُواْ وَرَأَوُاْ الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الأَسْبَابُوَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُواْ لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّؤُواْ مِنَّا كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ

ترجمہ: اور کبھی دیکھیں گے بے انصاف اس وقت کو جب دیکھیں گے عذاب کو زور سارا اللہ کو ہے اور اللہ کی مار سخت ہے جب الگ ہوجائیں جن کے ساتھ ہوئے تھے اپنے ساتھ والوں سے اور دیکھیں عذاب اور ٹوٹ جائیں ان کے سب طرف کے علاقے۔ اور کہیں گے ساتھ پکڑنے والے کا شکے ہم کو دوسری بار زندگی ہو تو ہم الگ ہوجائیں ان سے جیسے یہ الگ ہوئے ہم سے۔ اسی طرح دکھلاتا ہے اللہ ان کو کام افسوس دلانے کو اور ان کو نکلنا نہیں آگ سے (سورہ بقر 165)۔

حروف مقطعات

ان نکات بدیع کا اعتبار ہم کو تو بالکل نہیں رہا جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے الفاظ میں سے بھی مولوی لوگ بلاغت کا دریا بہادیتے ہیں۔ جن میں کوئی معنی تک نہیں یعنی ایسے الفاظ جو ہر زبان میں مہمل اور بے معنی کہے جاتے ہیں۔ ہمارے قول کی تصدیق کرنے کے لئے بہتر ہے کہ ناظرین تفسیر کبیر کے شروع حصہ کو ملاحظہ فرمائیں جس میں قرآن کے حروف مقطعات پر بحث ہے۔

یہ بھی مسلم ہے کہ لغت عرب میں ان حروف کے مجموعہ سے کوئی لفظ نہیں بنتا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ عرب کی زبان میں ان حروف اور ان اصوات کے کوئی معنی نہیں پھر بھی ضد سے ان کو مہمل نہیں کیا جاتا۔ گو صریحاً اقبال ہے کہ بقول جناب امیر اور امام جعفر " کوئی ان کے معنی نہیں جانتا۔" (تنزیہ الفرقان صفحہ 177)۔ ہم نہیں جانتے کہ مہمل کی اور کیا تعریف ہے۔ اس پر بھی زور لگائے جاتے ہیں۔ کوئی الف میں استقامت دیکھتا ہے۔ لام میں انحناء سر تسلیم خم اور میم میں میں دائرہ محبت۔ کوئی ان میں اللہ اور جبرائیل اور محمد کو دیکھتا ہے۔ کوئی اس میں مدت قیام امت محمدیہ اور کوئی کچھ اور کچھ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس میں کچھ نہیں۔ پس مولویوں کو اختیار ہے کہ اس میں سے سب کچھ نکال لیں۔ لیکن سمجھنے کی بات ہے کہ ہر کلام جس میں " کلمہ غریب یعنی وحشی " ہو وہ فصاحت سے خالی سمجھا جاتا ہے اور مولوی سید محمد صاحب نے سمجھایا ہے کہ " وحشی اس کلمہ کو کہتے ہیں کہ ان خالص عربوں کے نزدیک جن کو عربی معتبر اور مستند ہے اس کے معنی ظاہر نہ ہوں اور نہ وہ ان کے استعمال اور بول چال میں ہو۔" صفحہ 39۔ ہم یہاں اس سے بڑھ کر ایسے الفاظ اور ایسے حروف کا ذکر کرتے ہیں جن کے کوئی معنی نہیں یعنی جو سراسر مہمل ہیں اور قرآن میں آئے۔ پس اگر مولوی صاحب سچ فرماتے ہیں کہ " مہم عبارت فصاحت میں عام کتابوں سے بھی کمتر ہوتی ہے۔" صفحہ 316 تو اب ہم نہیں سمجھ سکتے کہ وہ ان حروف مقطعات کے استعمال کو کیونکر منافی فصاحت نہ مانیں گے اور جب ان میں سے بھی لوگ اسرار الہیٰ کے پیدا کرنے کے عادی ہوگئے تو اگر کسی عبارت میں ان کو " ایک سو بیس نکات بدیعی" مل گئے تو کیا عجب ہم اس پر بھی بس نہیں کرتے ھل من مزید پکارتے ہیں۔

مثنوی مولوی معنوی جو تصوف کا بحر ذخار مانا گیا اس میں سے غواصان بحر حقیقت نے کیسے کیسے نادر موتی نکالے جو اس میں تھا وہ تو تھا ہی جو نہیں تھا وہ اور بھی حیرت افزا ہے۔ اگر اس کا شروع بسم اللہ سے نہیں تو اس میں بھی نکتہ ہے۔ اگر اس کا دیباچہ حمد خدا اور نعت رسول سے خالی ہے تو اس میں گہرا راز ہے مگر ایک نکتہ جو ہم کو ایک کرشن بھگت نے سنایا اس کو سن کر ہمارے صوفی باصفا کان کھڑے کریں گے وہ یہ کہ مولانا علیہ رحمۃ نے اپنی مثنوی کو بشنو کے نام سے شروع

کیا جس نے برج بسیا شام کندھیا بنسی کی بجیا میں اتارلیا تھا جو نے کے بجانے میں فرو تھے اور رادھکا پیاری کے فراق کے سوزناک لے اس سے نکالتے تھے۔

بشنو از نے چوں حکایت مے کنند

وزجدائیہا شکایت مے کند

باب دوازدہم

متاخرین نے قرآن کے حق میں کیا گمان کیا

مسلمانی دعویٰ

ہم فصحاء وبلغاء عہد نبوت کی رائے سے تو واقف ہوچکے اب مولوی صاحب کے اس خیال کو پرکھتے ہیں کہ " بعد اس زمانہ کے بھی تمام اہل اسلام بلکہ مخالفین بھی قرآن کی فصاحت کو حدِ اعجاز اور طاقت بشری سے خارج سمجھا کئے اور متعصب لوگوں نے اگر اس کو اعجاز نہیں کہا مگر اس کی عربیت میں کوئیَ عیب نہیں نکالا۔ اس واسطے سلف سے آج تک یہ بات مسلمانوں کو گوش زد بھی نہیں ہوئی کہ قرآن میں بہ اعتبار فصاحت وبلاغت وعربیت کے کوئی عیب اور سقم ہے یا وہ اس کی عیب پوشی کا ارادہ کرتے اور اس کے عیوب کے واسطے قواعد بناتے اور اس کی تصحیح و توثیق کے واسطے کتابیں تصنیف کرتے۔" صفحہ 29۔

سرسید مرحوم

ہمارے ناظرین کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اہل اسلام کے اندر ایسے ایسے نامور علماء گزرے جنہوں نے قرآن کی معجزانہ فصاحت کا انکار کیا۔ ہمارے زمانہ میں سب سے مشہور مسلمان سرسید احمد گزرے جنہوں نے عقلی دلیل سے معجزہ فصاحت کا انکار کیا اور ان سے پہلے اور بہت لوگ گزرے جو علم ادب کے لحاظ سے اپنے زمانہ میں مشاہیر کے درمیان شمار کئے گئے ان میں سے مرذار اور نظام کا نام ہر واقف کار کو معلوم ہے۔

ابوموسیٰ

"ابوموسیٰ مرذار فرقہ معتزلہ کے راہب نے اس بات کا ابطال کیا کہ قرآن فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے معجزہ ہے۔ ملل ونحل شہرستانی جلد اول صفحہ 4 مصری" ان کا قول تھا کہ انسان فصاحت و نظم وبلاغت کے لحاظ سے مثل قرآن کے بنادینے پر قادر ہیں۔" صفحہ 37۔

نظام

"ابراہیم بن سیار نظام جس نے کتب فلاسفہ کا خوب مطالعہ کیا تھا۔" اس بات کا قائل تھا کہ " اہل عرب کو جبراً عاجز کیا گیا تھا اور روکا گیا تھا ورنہ اگر آزادی بخشی جاتی تو البتہ وہ اس بات پر قادر ہوتے کہ بلاغت وفصاحت و نظم کے اعتبار سے کوئی سورت مثل قرآن بنالاتے۔" صفحہ 29و30۔

نظام کی رائے کی عظمت دریافت کرنے کے لئے اس کے علم وفضل کا کچھ حال بھی معلوم کرنا چاہیے۔ یہ شخص دوسری صدی ہجری کے اواخر میں گزرا جو ابو الہذیل علاف استاد ماموں اور معتزلہ بصرہ کے پیشوا کا شاگرد تھا۔ اپنے زمانہ کا مسلم الثبوت استادِ یگانہ مانا گیا تھا۔ نظام کو فطرۃً علم ادب کے ساتھ خاص مناسبت تھی۔ اکتساب علم کے لئے اس کا دارومدار اپنے حیرت افزا حافظہ پر تھا اور چونکہ لکھنا پڑھنا اسے نہ آتا تھا اس لئے اس کو امی بھی ایک معنی میں کہہ سکتے ہیں۔ تمام علوم کی کتابیں اس کو نوک زبان تھیں۔ کہتے ہیں علاوہ قرآن کے توریت، انجیل وزبور بھی معہ تفسیر کے اس کو یاد تھے۔

خود بڑا نازک خیال شاعر تھا اور شعراء عرب کا کلام بھیا سے حفظِ تھا۔ اور ابو عبیدہ کا مقولہ تھا کہ نظام دنیا میں بے مثل پیدا ہوا یہ شخص اعتزال میں ایک نئے فرقے کا بانی ہوا جس کا نام نظامیہ تھا۔ جس کے عقائد معروضہ میں سے ایک یہ بھی تھا کہ قرآن کی فصاحت و بلاغت معجزہ نہیں۔ بلکہ اس میں غیب کی خبریں معجزہ ہیں۔ غرضیکہ نظام ایک ایسا شخص تھا، ایسے وقت میں گزرا ایسے استادوں کا شاگرد ایسے معلومات والا کہ اس سے بڑھ کر علم وادب سے کوئی واقف کار نہیں گزرا اور اس سے زیادہ قرآن کی فصاحت وبلاغت کی بابت کوئی تحقیق بھی نہیں کرسکتا تھا۔ پس جب اس نے قرآن کی فصاحت وبلاغت کو کسا اور آزاد رائے دی کہ وہ نہ معجزہ ہے نہ معجزہ کی مشابہ تو پھر اس کی رائے سے مادشما کا انحراف لغو فعل ہے (دیکھو تہذیب الاخلاق مشاہیر معتزلہ یکم رجب 1313ھ)۔

مسلمان منکرین اعجاز فصحات

خلیفہ محمد حسن صاحب بالقابہ ان منکرین اعجاز فصاحت کی نسبت لکھتے ہیں، کہ "اگرچہ جمہور علمائے اسلام کی یہ رائے ہے کہ قرآن مجید بوجہ " اپنی فصاحت وبلاغت " اور نظم و ترتیب کے معجزہ ہے مگر بعض علماء اخبار عن الغیب کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں۔ اور بعض نے صرف صرفہ ہی کو وجہ اعجاز قرار دیا ہے ۔ یعنی خدا کا فصحاء و بلغاعرب کی ہمتوں کو قرآن کے معارضہ سے پھر ادینا جس کا مدعا یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت اور نظم و ترتیب کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف ہمت کی وجہ سے مشرکین معارضہ نہ کرسکے ۔ چنانچہ ابراہیم بن سیار معروف بہ نظام معتزلہ اور بعض اصحاب شیخ ابوالحسن اشعری اور شریف مرتضیٰ علم الھدی اسی طرف گئے ہیں۔ اور عیسیٰ بن صبیح ملقب بہ مزادار نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ " فصاحت وبلاغت " اور نظم میں معارضہ ممکن ہے ۔" (حاشیہ صفحہ 4)۔

اسی طرح اور بھی نظیریں ہیں کہ بڑے بڑے ادیبوں نے جن کو اپنی عربیت پر ناز تھا باوجود مسلمان ہونے کے معجزہ فصاحت کا انکار کیا اور واثق دلائل سے انکار کیا اور اس واقعہ سے اعجاز فصاحت کی دلیل میں جو ضعف پیدا ہوتا ہے۔

سید مہدی علی کی رائے منکرین کی نسبت

اس کے رفع کرنے کی خاطر مولوی سید مہدی علی صاحب مصنف کتاب شفاء الجنان من شہادت الشیطان ملقب بہ شہاب ثاقب فرماتے ہیں۔

"واضح رہے کہ بعض علمائے متقدمین نے انکار اعجازِ فصاحت کیا تھامگر وہ انکارِ فصاحت نہ تھا انکار اعجاز فصاحت تھا یہ ان کی سمجھ تھی لیکن وہ علما بھی ایسے تھے جنھوں نے عراق وحجاز میں پرورش نہ پائی تھی اپنی فصاحت کی نسبت ان کو خیال ہو گیا ہوگا کہ ہم بھی اعلیٰ درجے کے فصیح ہیں۔ اس لئے فصاحت اعجازی نہیں ہوسکتی۔ اگر وہ اس حالت پر نظر کرتے کہ فصیحانِ عرب جن کی فصاحت یقیناً ان سے اعلیٰ درجے کی تھی فصاحتِ کلام مجید سے کس حالت میں ہوگئے تھے یہ انکار نہ کرتے پس یہ ایک دھوکا ہے جو ان کو ہوا۔" صفحہ 446۔ ہم نے دکھادیا کہ فصیحانِ عرب جو اہل عصر تھے جن کی فصاحت مستند مانی جاتی ہے انہوں نے قرآن کو فصاحت وبلاغت میں اعلیٰ ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں دیا اور بعد کے لوگوں نے بعد غلبہ اسلام جو ایسا سرٹیکفیٹ دیا تو یہ محض اعزازی ڈگری ہے جس سے وہ علمائے متقدمین " جن کو " اپنی فصاحت کی نسبت خیال ہوگیا تھا کہ ہم بھی اعلیٰ درجے کے فصیح ہیں۔" ہر گز ناواقف نہ تھے علاوہ اس کے ان علمائے متقدمین کو علم وفضل او رخصوصاً عربیت کا ایک ایسا درجہ حاصل تھا جو ہمارے ہندی علما کو حاصل نہیں ۔

ہماری رائے

اور گو یہ بھی سچ ہو کہ ان میں سے بعض عراق وحجاز کے باہر رہے تاہم اس سے ان کے نقاد سخن ہونے میں کچھ بھی فرق پیدا نہیں ہوتا اور جو وزن ان کی رائے کو اس معاملہ میں حاصل ہے وہ حشر تک بھی ہندیوں کی رائے کو حاصل نہیں جو صرف ایک تقلیدی خیال کی تائید کو اپنا ایمان جانتے ہیں اور تحقیق سے چنداں سروکار نہیں رکھتے پس انکار کی طرف شہادت کا پلہ جھکا ہوا ہے اور مولوی سید محمد

یا مولوی سید مہدی علی وغیرہ وغیرہ کی رائیں پاسنگ کے برابر بھی نہیں۔ ان کی رائے بے غرضانہ اور آزاد ہے اور ان کی رائے غلامی کی رائے ہے۔

زمانہ حال کے منکرین اعجازِ فصاحت اور ان کی رائے کا وزن

یہ مشکل بہت بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ علماء متقدمین میں جو محقق معجزہ فصاحت کا انکار کرچکے وہ تو کرچکے اب ہمارے زمانہ میں نہایت فہمیدہ وسنجیدہ حامیانِ اسلام ایسے موجود ہیں جو قرآن کی فصاحت وبلاغت کو معجزہ کہتے ہوئے یا اس پر اصرار کرتے ہوئے شرماتے ہیں ۔چنانچہ ہمارے فاضل مولوی صاحب شکایت کرتے ہیں کہ " انکارِ اعجاز کلام مجید پر بنائے فصاحت آج کل خاص اس لئے اختیار کیا گیاہے کہ مخالفینِ اسلام نے اس خاص امر میں بڑی کوشش کی اور ثابت کرنا چاہا ہے کہ فصاحت نہیں ہے۔ زمانہ حال کے حامیانِ اسلام نے اس کو آسان سمجھا ہے کہ باعتبارِ فصاحت انکار اعجاز کلام مجید کردیں اور کافی سمجھا ہے کہ دوسری خوبیوں کی نظر سے دعویٰ اعجاز کریں۔"

مولوی صاحب یہ نہیں سمجھتے کہ کس بات نے ان کو مجبور کیا کہ وہ وہی راگ نہ الاپیں جو آپ بتقلید سلف الاپ رہے ہیں؟ کیا وہ عربیت میں آپ سے خام تھے۔ کیا تاریخِ سلف پر ان کو کم عبور تھا۔ کیا دلائل حمایت اسلام وہ آپ سے زیادہ نہیں بیان کرسکتے تھے۔ کیا جوش اسلام ان کا ٹھنڈا ہو گیا تھا؟ نہیں۔ یہ سب ان میں پرانے مولویوں سے کم نہ تھا۔ مگر ان کی فہم ومعلومات کا دائرہ بہت وسیع تھا یعنی زیادہ سمجھ دار تھے اور ایک مضبوط دلیل کو ایک ضعیف وبے معنی دلیل سے جو صرف کم علمی وکم فہمی کے زمانہ میں چلائی گئی کمزور کرنے سے ڈرتے تھے۔

مولوی سید مہلی علی صاحب کا یہ فرمانا کہ " وہ علماء بھی ایسے تھے کہ جنہوں نے عراق وحجاز میں پرورش نہ پائی تھی اپنی فصاحت کی نسبت ان کو خیال ہوا ہوگا کہ ہم بھی اعلیٰ درجے کے فصیح ہیں اس لئے فصاحت اعجاز نہیں ہوسکتی۔ قطع نظر ایک امر غیر متعلق ہونے کے جو سخن فہمی پر کچھ بھی موثر نہیں ہوتا بعض منکرین اعجازِ فصاحت کے بارے میں حق بھی نہیں ہوسکتا۔

متنبّی اور انکارِ اعجاز قرآن

مثلاً متنبی گووہ کوفہ میں پیدا ہوا مگر بچپن سے قبائل عرب کے درمیان رہا سہا ، پرورش پائی اور ان میں شیروشکر ہوکر نہ صرف اہل زبان بلکہ اہل زبان کا استاد بن گیا اور لغت عرب کا ایسا ماہر کہ لفظ لفظ پر کلام عرب کی سند لاتا تھا ۔ مشہور ادیب ابو علی فارسی نے امتحاناً اس سے پوچھا تھا کہ فعلےٰ کے وزن پر کتنی جمع آئیں۔اس نے فی الفور دو لفظ گنادیئے۔ پھر ابو علی کہتاہے کہ میں تین دن کتب لغت تلاش کرتا رہا کوئی تیسرا لفظ نہ ملا (ابن خلدو جلد اول صفحہ 63)۔ پس اگر ایسے شخص کی نسبت بھی کہا جائے کہ اس کی پرورش عراق وحجاز کی نہ تھی تو یہ زبردستی ہے ۔ متنبی سے زیادہ عربیت والا کوئی شخص دنیائے اسلام میں پیدا نہیں ہوا بلکہ اس کو لوگوں نے ابو تمام جامع حماسہ پر بھی فوقیت دی ہے۔(ابن خلکان) آج تک کوئی صاحب علم نہیں گزرا جس نے متنبی کے سامنے عربیت کا دعویٰ کیا ہو کہ " ہم بھی اعلیٰ درجے کے فصیح ہیں۔" یا متنبی کے اس دعوےٰ کے آگے سر تسلیم خم نہ کیا ہو۔ فصاحت وبلاغت پر اس کو یہ غرہ تھا کہ محض زبان دانی کے برتے پر اہل زبان کے آگے اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے کلام کو معجزہ قرار دیا اور اپنا دعویٰ منوا بھی لیا۔ چنانچہ متنبی کی وجہ تسمیہ یہی ہے یہ نام اس کا مخالفوں نے دھرا تھا ۔ جب صحرائے سماوہ میں اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تو قبائل عرب میں سے بیشمار خلقت اس کی قائل ہوگئی اور اس کو نبی مان بیٹھی (ابن خلکان صفحہ 64)۔ اور جب وہ بدوی ڈاکوؤں کے ہاتھ سے بڑی بہادری سے لڑ کر مارا گیا تو ابو القاسم المظفر بن طبسی نے اس پر مرثیہ لکھا اور اسکی تعریف میں کہا :

همه فی شعره نبی والکن
ظهرت معجزاته فی المعانی

متنبی اپنے شعر میں نبی ہے اور علم معانی میں اس سے معجزات صادر ہوئے ۔"بچپن میں اس نے ایک کوفی فیلسوف ابوالفضل کی صحبت اٹھائی جو خود بددین تھا اور متنبی کو بھی اس نے بددین کرڈالا اور اس کے ملحدانہ خیالات اس کے اشعار سے ثابت ہیں۔" (خزانہ الادب جلد اول صفحہ 383)۔

متنبی کے مریدوں میں ایک شخص گزرا ابو عبداللہ معاذ بن اسمعیل اللاذقی جو اس کے دعوئے نبوت کی کیفیت یوں بیان کرتا ہے کہ " 320 ھجری میں ابو طیب متنبی ادقیہ میں آئے اس وقت ان کے منہ پر داڑھی نہ تھی۔ ان کی کاکلیں کانوں کی لوتک پڑی تھیں۔ پس میں نے ان کی تعظیم وتکریم کی جبکہ میں نے ان کی فصاحت وجاہت دیکھی۔ پھر جب میرے اور ان کے درمیان محبت بڑھ گئی میں ان کی صحبت کو غنیمت سمجھنے لگا اور ان کے ادب سے فائدہ اٹھانے لگا اور ان کے ساتھ مجھ کو تنہائی کا اتفاق ہوا تو میں نے ان سے کہا کہ خدا کی قسم آپ ایک خوبصورت جوان ہیں اور کسی بڑے بادشاہ کی مصاحبت کے سزاوار۔ یہ سن کر انہوں نے کہا " تجھ پر حیف تو سمجھا بھی کہ تو کیا کہہ گیا میں تو نبی فرستادہ ہوں۔ میں نے خیال کیا شاید ہنسی کرتے ہیں۔ پھر جب یہ غور کیا کہ میں نے ان کے منہ سے کبھی کوئی بیہودہ بات نہیں سنی، جب سے مجھ کو ان کے ساتھ سابقہ ہوا تو میں نے پوچھا آپ نے کیا کہا؟ انہوں نے جواب دیا، اسی گمراہ امت کی طرف"

یہی روای ایک دوسرے موقع کی نسبت کہتا ہے" میں نے ان سے پھر کہا کہ آپ نے کہا تھا کہ میں نبی فرستادہ ہوں امت کی طرف پس کیا آپ پر کوئی وحی اتری وہ بولے"ہاں" پس میں نے کہا کہ جو وحی آپ پر اتری اس میں سے کچھ مجھ کو سنائیے۔ پس انہوں نے مجھ کو کچھ ایسا کلام سنایا جس سے پاکیزہ کوئی کلام میرے کان میں نہیں پڑا تھا۔میں نے پوچھا اس قسم کی کتنی وحییں ہیں جو آپ پر اتریں۔ انہوں نے جواب دیا کہ، ایک سو اور چودہ عبرہ۔ میں نے پوچھا کہ عبرہ کا اندازہ کیا ہے پس انہوں نے ایک مقدار سنایا جو قرآن کی آیتوں میں سب سے بڑا تھا۔ میں نے پوچھا کتنی مدت میں نازل ہوا۔کہا کل ایک دفعہ میں۔" پھر راوی ایک قصہ بیان کرتا ہے کہ متنبی سے ایک کرامت ظاہر ہوئی جسے دیکھ کر میں اس کی نبوت کا قائل ہوگیا۔" میں نے اس کو سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا آپ اپنا ہاتھ پھیلائیے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسول ہیں۔ پس انہوں نے ہاتھ پھیلایا اور میں نے بیعت کی اور ان کی نبوت کا اقرار کیا اور میں نے اپنے خاندان کی طرف سے بھی ان سے بیعت کی۔ پھر اس کے بعد صحیح خبر ملی کہ ملک شام کے تمام شہروں میں اس کی بیعت عام ہوگئی۔"

اس کے بعد لکھا ہے کہ " ابن علی ہاشمی نے اس کو گرفتار کیا اور بہت سختی سے قید کرکے آخر اس سے توبہ کرائی۔" (صبح المبنی بزحاشیہ شرح التبیان لامعامتہ العبکری)۔

یہ شخص بلاشبہ عربیت میں کامل استاد اور ادب میں امام اور فن معانی میں گویا نبی ہو کر گزرا جس سے بڑھ کر کلام کا نقاد نہ ہوا اور نہ ہوگا حتےٰ کہ اس کے کلام کی داد مخالفین نے بھی دی۔ یہ شخص قرآن کا قاری بھی تھا اور کبھی اوروں کی طرح مسلمان بھی رہ چکا تھا۔ پھر ایسا شخص کیوں قرآن کا منکر ہوگیا اور خود کیوں مدعی نبوت بن کر قرآن کے معارضہ میں 114 عبرہ لکھے اور قرآن میں بھی 114 سورتیں ہیں۔ اور گو وہ سارا دفتر اسلام کے پرچم تلے نابود ہوگیا مگر متنبی کا نام اس کی وجہ تسمیہ۔ اس کے دعاوی کی کیفیت صفحہ تاریخ پر نقش ہے اور باآواز گواہی دیتی ہے کہ وہی شخص جو دنیا کے پردہ پر قرآن کی فصاحت وبلاغت جانچنے کی سب سے زیادہ قابلیت رکھتا تھا آیا۔ وہ طاقت بشری سے خارج ہے کہ نہیں۔ اس کا منکر ہوگیا۔ اگر وہ مسلمان رہتا اور قرآن کو معجزہ مانتا تو اس کی یہ شہادت کچھ خاص وقعت پر نہیں رکھتی کیونکہ ایمانی حسن ظن کے رنگ میں ہوتی لیکن اس کا انکار خیال مخالف پر قطعی شہادت ہے جس کے مقابل کوئی مسلمان زبان نہیں ہلاسکتا۔

رہا یہ کہ اسلام کی شمشیر نے اس سے توبہ کرالی تو یہ وہی بات ہوئی کہ گلیلیو کو اپنی اس تحقیق سے توبہ کرنا پڑا تھا کہ زمین ساکن نہیں بلکہ متحرک ہے وہ اس کی آزادرائے تھی یہ ایمان بالجبر۔

اسی طرح ایک دوسرے کامل الفن ابر علی معری کی نسبت لکھا گیا ہے کہ اس نے بھی قرآن کے اعجاز کا انکار کیا اور اس کے معارضہ میں قرآن لکھا تھا (صبح المبنی)۔

متنبی اور ابو علی کی طرح اور بھی سینکڑوں گزرے ہوں گے جنہوں نے قرآن کی اعجازی فصاحت کا انکار کیا علانیہ بھی اور خفیہ بھی جن کا انکار اور جن کا کلام ہم کو اسلامی تاریخ کی ڈاک میں نہ پہنچا مگر یہ دوچار جو مہ وخورشید کی طرح سپہر عرب پر تاباں تھے، اور جنہوں نے تاریخ پر اپنا سکہ جمادیا تھا صرف ان کے انکار کی روایت ہم تک پہنچی۔

فی الجملہ مولویوں کی تعلی کے مقابل ہم یہ کہنے کے قابل ہیں کہ نہ معاصرین منکرین میں سے اور نہ متاخرین مومنین ومخالفین میں کوئی آزاد تحقیق گزرا جو عرب کے علمِ ادب میں کافی دستگاہ رکھتا تھا۔ جس نے قرآن کے اعجازِ فصاحت کو تسلیم کیا۔ ولید بن مغیرہ، نصر بن حارث، کعب بن زبیر،

نظام مزدار، متنبی اور ابو العلی معری ایک زبان ہو کر کہہ رہے ہیں کہ علماء کی تعلیاں بے سند وناقابل پذیرہیں اور خوش اعتقادی اورعدم تحقیق پر مبنی۔

باب سیزدہم

فصاحتِ قرآن نہ اعجازی ہے اور نہ اعجاز کا کام دے سکتی ہے

جمہورِ اہل اسلام قرآن کے حق میں جوگمان بالیقین رکھتے ہیں اس کی بنا نفس الامر نہیں ہے بلکہ خوش اعتقادی جو ان کو کلام کے لئے مذہبی دلسوزی سے حاصل ہوگئی ۔ جس کووہ بشر کا کلام نہیں بلکہ اللہ پاک کا کلام کہتے ہیں۔ جب اللہ پاک کا کلام اس کو ایمانی رنگ میں مان لیا، تواس کا لفظ لفظ آسمانی ہے ۔ لفظ لفظ ایک خزانہ ہے ، جس کے مقابل دونوں جہان ہیچ، عقل، ہیچ، ہیچ فہم ، ہیچ فلسفہ ، لفظ لفظ شفا ہے اس سے مرض دفع ہوتاہے ۔ پہاڑ ٹل جاتا ہے ، وہ فصیح وبلیغ کیسا کیا کچھ نہیں ؟ وہ تو کلامِ قدیم بھی ہے ۔ پس ایمان کی آنکھ کے سامنے تو بحث کی حقیقت بیکار ہے ۔ جو مسلمان قرآن کو کلامِ خدا مانتاہے بلکہ ویسا کلام جس سے عالم خلق ہوگیا جو اس کو شفا مانتا ہے اس کے لئے کسی طبیب کی تحقیق کہ قرآن کی آیت سے مرض نہیں دفع ہوتا بیکار ہے یا کسی ناخدا کا قول کہ قرآن سے بیڑا نہیں پار ہوتا لغو ہے۔

اب سید مہدی علی صاحب کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ جن مسلمانوں نے صرف قرآن کی اعجازی فصاحت کا انکار کیا انہوں نے اپنے سارے خیالات کوظاہر نہیں کیا۔ بلکہ بہت بڑا ضبط کیاجو مخالف عقیدہ کوکھلے الفاظ میں رد نہیں کیا مبادا ان کے مسلمان بھائی ان سے زیادہ خفا ہوجائیں ۔ انہوں نے صرف انکار کیالیکن چونکہ ہم کو کوئی ڈر نہیں اس لئے ہم نے یہاں انکارِ معجزہ فصاحت کی وجوہ دلائل بھی آپ کوسنادیئے ہیں ۔ تاکہ معلوم ہوجائے کہ حامیانِ اسلام کے زمرہ میں جو منکرین معجزہ فصاحت ہوئے ان کی " بناء انکار عدم قابلیت نہ تھی۔" بلکہ مزید واقفیت وکثیرہ قابلیت عمیق مصلحت وعاقبت اندیشی ور نہ ایسے ایسے رسمی دلائل معجزہ فصاحت کے لئے جیسی ہم مولویوں کی زبان سے سنا کرتے ہیں وہ بھی بیان کرسکتے تھے بلکہ ان سے بہت بڑھ کر لیکن ایسا کرنے سے وہ معذور تھے کیونکہ انہوں نے اپنا مخاطب اہلِ فلسفہ واقفکار ان تاریخ سلف وخلف کوبنایا تھا اور ان کے سامنے اپنی بے عزتی گوارا نہ کی ۔ اگر ان کے مخاطب بھی ہمارے ہاں کے ملاّں ہوتے تو وہ بھی یہی کہہ دیتے جو آپ کہہ رہے ہیں ۔ لیجئے اب تک تو ہم نے پیشتر ان لوگوں کے خیالات کا ذکر کیا جو پکے مسلمان ہو کر اعجاز فصاحت قرآن مجید کے منکر رہے اب ہم صرف چند ہم اعتراض ان لوگوں کے بھی سنائے دیتے ہیں جن کو اسلام کے مخالفین میں شمار کیا جاتاہے۔ شرح واقف بغرض تردید چند اعتراض نقل کئے گئے مع ان جوابوں کے جو مسلمانوں کی طرف سے دئے جاسکتےہیں۔ ہمارا کام صرف اس قدر ہوگا کہ ہم ان کا جواب الجواب عرض کردیں اور دکھلائیں کہ اعتراض تو بہت ہی مضبوط تھے مگر ان کے جواب بالکل ناقص جو سمجھ دار کی تسکین کا باعث نہیں ہوسکتے۔

دلائل اعجاز قرآن مخفی نہ

پہلا اعتراض : اعجاز کے لئےلازمی ہے کہ وہ بدیہی ہوتا کہ جب اس پر استدلال کیاجائے تو اس میں شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے ۔ خود مسلمانوں کا اختلاف وجہِ اعجاز میں اس بات کوثابت کررہاہے کہ دلائلِ اعجاز مخفی ہیں پس ان کو ثبوت معجزہ میں کیسے پیش کرسکتے ہیں، جبکہ بعض مسلمان

نزاع فصاحت کے پنچ

بھی اعجاز فصاحت سے انکار کرچکے ۔ یہاں اس پر اضافہ کرتے ہیں۔ خلیفہ محمد حسن صاحب نے فرمایا ہے۔

"جن لوگوں کے لئے ہم نے یہ کتاب لکھی ہے وہ قریب کلُ کے زبان عربی سے ناواقف ہیں اور کسی کلام کی فصاحت وبلاغت کو سمجھنا اس کے نکات ولطافت کا اندازہ کرنا ہمیشہ اس پر موقوف ہوتا ہے

کہ اس زبان میں کامل مہارت حاصل کی جائے پس جو لوگ زبانِ عربی سے ناواقف ہیں یا اس میں ان کو کامل مہارت حاصل نہیں ہے اور اس کے فن معانی اور بیان وبدیع کو کامل طور پر نہیں جانتے وہ قرآن جیسے بلیغ ترین کلام کی فصاحت وبلاغت کو کسی طرح نہیں سمجھ سکتے اور نہ اس کے محاسن ولطائف کا اندازہ کرسکتے ہیں۔" اعجاز التنزیل صفحہ آخر ، او رمولوی سید محمد صاحب بھی بلا تامل فرماتے ہیں ۔" کہ اگر تمام عرب وغیر عرب کے مسلمان قیامت تک قرآن کی فصاحت کا اثبات کریں تاہم ان چند شعرا کی تصدیق کی برابر معتبر نہیں ۔ اب جو کوئی شخص کہ فصاحت قرآن پر حرف گیری کرے خواہ عرب ہو یا عجم کامل ہو ناقص وہ اس قابل ہوگا کہ بجز خاموشی کے اس کو کچھ جواب نہ دیا جائے" (تنزیہ صفحہ 13)۔

معجزہ دوامی

حاصل کلام یہ کہ معاصرین میں جو لوگ ماہرین فن تھے اور کاملین بس انہیں کی شہادت اس مسئلہ میں قابل قبول ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی عرب و عجم فصاحت کا اثبات کرسکتاہے اور نہ انکار پس فصاحت کا دارومدار بعض معاصرین کی مفروضہ رائے کے اجماع پر ہوگیا۔ جس کو زیادہ سے زیادہ ایک تاریخی حیثیت حاصل ہوسکتی ہے اور اگر اس رائے کی بنا پر معجزہ کا اقرار کیا گیا تو وہ دیگر انبیاء کے معجزات کے مثل ہو جاتاہے جو سب تاریخ کے دائرہ کے اندر آجاتے ہیں اور یوں مولوی سید محمد صاحب کا یہ سخن بھی باطل ہوجاتا ہے ۔ کہ " چونکہ شریعت محمدی ﷺ قیامت تک کے واسطے مقرر کی گئی ہے اس واسطے آنحضرت ﷺ کے معجزہ کو عقل سے متعلق فرمایا کہ جب تک اس عالم میں عقل رہے تب تک یہ معجزہ بھی رہے اور ہر عہد میں اس کا علم اور اثبات ہوسکے اور ہر طبقہ انسانی پر اتمام حجت ہوجاوے ۔" (تنزیہ صفحہ 26) حالانکہ " ہر طبقہ انسانی پر اتمام حجت " کسی عہد میں بھی نہیں ہوسکتا تھا حتیٰ کہ عہد آنحضرت ﷺ میں بھی نہیں۔ اور اس زمانہ میں بھی اگر اتمام حجت ممکن ہو تو محض معدودے چند لوگوں پر جو عربی کے فن معانی وبدیع کو کامل طور پر۔" خلیفہ محمد حسن یا مولوی سید محمد صاحب کی طرح جانتے ہوں جو علم عربی حاصل کرنے کے قبل ہی آبائی تقلید سے اعجازِ قرآن کے قائل ہوچکے تھے ورنہ اس زمانہ میں جو ایک شخص ادباء عرب کا سرتاج اور علم معنی وبیان کا امام ہے یعنی شام کا ایک عیسائی وہ اپنی واقفیت نامہ کے اعتبار سے اعجاز قرآن کو مان کر اس کے الہیٰ الاصل ہونے کا سب سے پہلے معتقد ہوچکتا مگر اب تو سند ایسے لوگوں کی بھی نہ رہی کیونکہ مولوی صاحبان کے قول کے مطابق سند صرف اقوال وآرائے " فصحاء وبلغاء عہد نبوت" ہیں وبس اور اس میں عقل کو مطلق دخل نہیں یہ ایک تاریخی واقعہ ہوا جس کا ابطال ہم تاریخی شہادت سے اوپر کرچکےہیں ۔ پس ثابت ہوا کہ فصاحتِ قرآن اگر فصاحت دراصل بھی ہو تو اس کی صرف اہل زبان اور معاصرین سمجھے نہ وہ معجزہ ٹھہر سکتی ہے اور نہ دوامی معجزہ بلکہ عقلی معجزہ تو ہر گز نہیں کہی جاسکتی اور نقلی معجزہ بھی نہیں صرف ایک وہم ہے جو ایک اور فاسد وہم سے پیدا ہوگیا ہے جو لفظ کلام اللہ کی غلطی تعبیر پر مبنی ہے۔

قرآن کا روشن ترین کلام بھی اعجاز نہیں

اگر یہ معجزہ عقل کے متعلق ہے اور ہر طبقہ انسانی پر حجت تو چاہیے تھا کہ جو کلام قرآن میں سب سے افضل کہا جاتا ہے کم سے کم وہ تو عقل انسانی پر کچھ حجت ہوتا۔ مثلاًوہ ایک آیت مع ترجمہ کے میں یہاں نقل کرتا ہوں جس کی وجوہِ بلاغت کے بیان میں سید محمد صاحب نے صفحے کے صفحے سیاہ کرڈالے اور جس کی نسبت خلیفہ محمد حسن صاحب اپنے ناظرین کو تاکیدی فہمائش کرتے ہیں کہ " اس پر تمام قرآن کو قیاس کرلیں۔" جس میں آپ " ایک سو بیس نکات بدیعی ۔" نکالتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ اس میں " شائد کچھ اور نکات ولطائف بھی ہوں جو اب تک کسی کے ذہن میں نہیں آئے ۔" سورہ بقرہ ع 13 میں یہ آیت ہے اور اس کا ترجمہ بھی وہی دیا جاتا ہے جو خلیفہ صاحب نے دیا"

اللہ ولی الذین امنوا یخر جھم من الظلمات الیٰ النورط والذین کفر وا اولیھمہ الطا غوت یخرو جو نھمہ من النورالےٰ الظلمات اولئکہ اصحاب النار ھمہ فیھا خالدون ۔ ترجمہ : یعنی جو لوگ ایمان لائے ان کا مالک اور کار ساز تو اللہ ہے جو ان کو تاریکیوں (گمراہیوں) سے نکال کر (ایمان ومعرفت کی) روشنی میں لاتا ہے اور جو لوگ انکار پر قائم رہے ان کے مالک اور کار ساز شیطان ہیں جو ان کو اجالے سے نکال کر اندھیروں کی طرف دھکیلتے ہیں۔ دوزخ انہیں لوگوں کے لئے ہے ۔ یہی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔"

بجز اس کے کہ اس میں ایک اعلیٰ اخلاقی حقیقت بیان کی گئی کہ خدا ایمانداروں کا حامی اور ہادی ہے اور شیطان اپنے دوستوں کے ساتھ بدی کرتا اور ان کو جہنم پہنچاتا ہے۔ کوئی شخص جو ملانوں کے مکتب سے باہر رہ چکا ہوا اور عقل وشعور کی بات سوچنے اور کہنے لگا ہو اس کلام میں وہ نکات و بلاغت دریافت کرنے کا متوقع نہیں ہوسکتا جو یہ مولوی ہم کو پڑھانا چاہتے ہیں اور اگر ہم فصاحت وبلاغت کے عقلی اصول پر چلیں جن کو سب سمجھ سکتے ہیں اور جو سب زبانوں کے لئے عام ہیں تو ہم کو فوراً احساس ہوجائے گا کہ جو بات عرب و عجم پر گراں ہوگی وہ اس میں موجود ہے یعنی الفاظ نور اور ظلمات اور یخترج کا بار بار لایا جانا ایک ایسی چھوٹی سی عبارت میں۔ اس کو یہ سمجھنے میں بھی دقت ہوگی کہ جو شخص کفر کرچکا اور طاغوت کو اپنا ولی بنا چکا اب وہ کیونکر نور کے سوانے میں کہا جاسکتا ہے کہ اس کی نسبت یہ بات سچ ہوسکے کہ شیطان اس کو نور سے تاریکی میں لے جائیگا۔ کیونکہ " جو لوگ انکار پر قائم رہے وہ ہمیشہ تاریکی میں بسا کئے۔ انہوں نے نقلِ مکان کیا ہی نہیں۔ ان کا دوست شیطان ہمیشہ ان کو تاریکی کی قید میں جکڑے رہا۔ اور رہے گا تاوقتیکہ خدا ان کا بند اپنے ہاتھ سے نہ کھولے۔ علاوہ اس کے ایک معنوی عیب اور بھی نمودار ہے کہ شیطان کے لوگوں کے ذکر میں طوالت کی ان کی سزا کا بھی ذکر کردیا۔ مگر اس کے جواب میں خدا کے لوگوں کی جزا ترک کردیا اور یہ بہت بڑی فرد گذاشت ہے۔

پس جب تک قرآن شریف کی آیت کے الفاظ کھلے کھلے ان معنوں پر دلالت کرنے والے نہ ہوں کہ اللہ دوست ہے ایمانداروں کا کہ ان کو اندھیرے سے روشنی میں نکال لایا اور ان کو بہشت کا وارث کیا مگر کافروں نے اپنا دوست شیطان کو بنایا جو ان کو اندھیرے سے روشنی کی طرف نکلنے نہیں دیتا اور ان کو جہنم واصل کرے گا اس وقت تک اس کے کمال کا دعویٰ غلط ہے۔ کیونکہ اس بحث میں یہ سوال نہیں کہ اس آیت میں کتنے محاسن ہیں بلکہ یہ کہ اس میں کوئی عیب تو نہیں رہ گیا۔ اس میں ایک لفظی سقم بھی ہے یعنی طاغوت جو عربی الاصل نہیں بلکہ عبرانی ہے اور بمعنی بت بعض صورتوں میں تارگم میں آیا۔ یہاں اس لفظ واحد کو پہلے تو بمعنی جمع استعمال کیا اور پھر غلط بمعنی شیاطین۔ پس ایک وحشی وغیرمانوس لفظ کو ایک غلط معنی میں اور غلط صیغہ میں استعمال کرکے کلام کو فصاحت سے گرادیا۔ جس کے مقابل میں ایک سو بیس مفروضہ خوبیاں ماند ہوجاتی ہیں۔ اس لفظ کے غیر مانوس ہونے پر اس سے زیادہ اور کیا شاہد چاہیے کہ علمائے اسلام نے تحقیق کرنا چاہا تو اس کو حبشی لغت قرار دیا اور اس کے معنی کاہن بتلائے۔ دیکھو اتقان نوع 38۔ مگر یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ دیکھو ربی گیگر کی کتاب " اسلام اور موسویت۔"

آیت یا ارض ابلعی

اسی طرح ایک دوسری آیت قرآن شریف میں ہے۔ سورہ ہود میں جس کی نسبت سید محمد صاحب کہتے ہیں کہ " مشہور ہے کہ مخالفین نے اور مشرکینِ عرب نے جو قرآن کے مقابلہ پر تھے جب اس آیت کو سنا تو کلام عرب میں بلکہ کلام عجم میں مثل اس کے ہر چند تلاش کیا کوئی کلام نہ ملا جس میں مثل اس کے نرم اور شیریں الفاظ ہوں اور پھر اس خوبی کی بندش اور نظم اور اس طرح معانی کی جودت اور رشاقت اور ایسا اختصار وایجاز اور باوجود ایجاز کے گویا واقعہ طوفان کی تصویر کھینچ دی ہے اور صورتِ حال پیش نظر کردی ہے پس عاجز ہو کر اقرار کیا کہ ایسا کلام طاقت بشری سے خارج ہے۔" (324)۔

یہ محض ایک مبالغہ ہے اہل عصر ایسی ایسی حکایتیں سن کر فوراً بول اٹھتے تھے قد سمعنا ہم تو یہ سن چکے ہیں۔ ان هذا الا اساطير الاولين یہ کچھ نہیں مگر نقلیں ہیں پہلوں کی۔ پس ہم کیسے مان لیں کہ لوگوں نے " کلام عرب میں بلکہ عجم میں مثل اس کے ہر چند تلاش کیا لیکن کوئی کلام نہ ملا۔" اگر عرب میں نہ ملا تو بھی تعجب ہے شاید ورقہ بن نوفل الکتاب العربی میں تلاش نہیں ہوئی کیونکہ نزول آیہ کریمہ کے وقت ورقہ بن نوفل کی الکتاب العربی میں تلاش نہیں ہوئی کیونکہ نزول آیہ کریمہ کے وقت ورقہ انتقال فرما چکے تھے مگر دور کیوں جاتے ہو خود توریت شریف میں اسی طوفان نوح کے قصہ میں لکھا ہوا ہے۔" خدا نے زمین پر ایک ہوا چلائی اور پانی رک گیا۔ اور سمندر کے سوتے اور آسمان کے دریچے بند کئے گئے اور آسمان سے جو بارش ہورہی تھی تھم گئی۔ اور پانی زمین پر سے گھٹتے گھٹتے ایک سو پچاس دن کے بعد کم ہوا۔ اور ساتویں مہینے کی سترہویں تاریخ کو کشتی ارارط کے پہاڑوں پر ٹک گئی۔" (توریت شریف کتاب پیدائش رکوع 8 آیت 1 تا 4)۔

قرآن کی آیت کا فصیح سے فصیح ترجمہ مولوی نذیر احمد صاحب نے کیا یہ ہے " اور حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی جذب کرلے اور اے آسمان تھم جا اور پانی (کا چڑھاؤ) اتر گیا اور (قوم کا) کام تمام کردیا گیا- اور کشتی جودی (پہاڑ پر جاکر) ٹھہری اور (چار دانگ عالم میں) پکڑوادیا گیا کہ ظالم لوگ(خدا کے ہاں سے) دھتکارے گئے -" مولوی صاحب جودی کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ " صاحب مجمع البحار لکھتے ہیں کہ دجلہ وافرات کے بیچ میں ایک جزیرہ ہے جس میں جودی پہاڑ واقع ہے-"

ہم نے جن فقرات پر خط کھینچ دیا ہے ان کو قرآن کے الفاظ میں مقابلہ کرو اور دیکھو کہ قرآن کس طرح اساطیر الاولین ثابت ہے اور اگر خیالات کے تناسب پر غور کرو تو یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ الفاظ توریت میں جوزور اورجان ہے جس کو ہر پڑھنے والا اپنی زبان میں بھی محسوس کرسکتا ہے وہ قرآن میں ندارد ہے - مثلاً "حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی جذب کرلے اور اے آسمان تھم جا -" معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ سب کن فیکون کی طرح دفعتہً واقع ہوگیا- حالانکہ زمین کا پانی بتدریج گھٹا اور یہ مطلب نہایت بلیغ کلام میں توریت شریف یوں ادا کرتی ہے -" سمندر کے سوتے اور آسمان کے دریچے بند کئے گئے - اور آسمان سے جو بارش ہورہی تھی تھم گئی -" اور کچھ عرصہ بعد " کشتی اراراط کے پہاڑوں پر ٹک گئی -" اراراط کے پہاڑ ملک آرمینیہ میں بہت مشہور ومعروف ہیں- مگر قرآن نے جودی ایک غیر مانوس نام کا استعمال کیا جس سے پڑھنے والے بہک جاتے ہیں جیسے مولوی نذیر احمد صاحب کو بھی دھوکا ہوا- عربیت کے لحاظ ایک اور نقص بھی ہے کہ ابلعی خالص عربی لفظ نہیں - اتقان نوع 38 میں اس کو بھی حبشی الاصل کہا ہے - پس اعجازی عربی مبین میں ایسے الفاظ کا استعمال قابل گرفت ہے -

آیات القصاص حیات

اسی طرح قرآن کا ایک اور جملہ ہے جس کی نسبت بھی قیاس آرائی کی جاتی ہے -مولوی سید محمد صاحب فرماتے ہیں " دیکھو عرب میں عہد نبوت سے پیشتر یہ مثل نہایت فصیح اور مشہور تھی القتل انفی للقتل یعنی قتل نافی اور مانع تر ہے واسطے قتل کے مطلب اس کا یہ ہے کہ ہر گاہ آدمی کو یقین ہے کہ اگر میں کسی کو قتل کروں گا تو سزا میں ضرور قتل کیا جاؤنگا تو یہ خوف اس کو دوسرے کے قتل سے باز رکھتا ہے ورنہ ہر روز ہزاروں خون ہوا کریں اور قتل سے باز رہنا باعث حیات انسان ہے پس خلاصہ اور نتیجہ مثل کا یہ ہوا کہ سزائے قتل میں آدمی کی زندگی ہے -کماذکرہ ، السیوطی والتفتازانی وغیرہم - اور اسی مضمون ومقصود کو حق تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے ولکمہ فی القصاص حیاۃ یا اولی الباب ط اب ہم مثل مذکور کا کلام الہیٰ سے مقابلہ کرکے کلام الہیٰ کے وجوہ بلاغت بیان کرتے ہیں یقین ہے کہ ادیب وصاحب مذاق کی طبعیت اس کو دیکھ کر پھڑک جاوے اور متعصب کے دل میں آگ بھڑک جاوے -" (تنزیہ صفحہ 220و221)-

ہم کو یہ سن کر القصاص حیاۃ عربی کے دولفظ ایسے ہیں کہ سارا عرب مل کر ان کو کبھی ایک جگہ یوں پاس نہیں رکھ سکتا ہے - حیرت ہوتی ہے اور ہم پوچھتے ہیں کیا عرب ایسا ہی بے مغزہ تھا؟ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے دعوؤں کو سن کر جن بزرگوں نے یہ کہا کہ قرآن کے اعجاز کو قائم رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وہ ملکہ ہی عرب سے سلب کرلیا تھا ، انہوں نے دراصل اس دعویٰ کا مضحکہ اڑایا اور اس قول سے ان کی مراد وہی تھی جو ہماری اس تمام کتاب سے ہے -ہم عرب کو ایسا بدشعور نہیں مان سکتے کہ ان دو لفظوں کو ایک جاجمع کرنے کے لئے ان کو ایزد متعال کے دست قدرت کی حاجت ہوتی جو سورج وچاند اور زمین کو کھینچ کر ایک خط مستقیم میں لے آتا ہے -

بلکہ میرا یقین تو یہ ہے کہ جولوگ القتل انفیٰ للقتل برجستہ کہہ چکے تھے انہیں میں سے کسی کی زبان پر القصاص حیاۃ بھی بے ساختہ جاری ہو کر بطور مثل کے زبان زد خاص وعام ہوگیا تھا اور اسی سے قرآن شریف نے استدلال فرمایا-

قصاص شرع یہود کا ایک مسمہ مسئلہ تھا اور اسلام میں یہ وہیں سے آیا کتبنا علیھم الخ " ہم نے لکھ دیا یہود پر توریت میں کہ جان کا بدلہ جان ، آنکھ کا بدلہ آنکھ ، ناک کا بدلہ ناک ، کان کا بدلہ کان ، اور دانت کا بدلہ دانت (الجروح قصاصً) اور زخموں کا بدلہ برابر -" سورہ مائدہ ع 7 - پس قصاص سے مراد محض خون کا عوض نہیں بلکہ مجرد بدلہ ہے - چاہے کسی ضرر کا کیوں نہ ہو- جان کا ہو یا عضو کا-

آیت زیر بحث میں جو کچھ کہا گیا۔ اس کی فلسفی شرح یہود میں مفصل بیان کردی گئی ہے اور اس کا ذکر ہابیل وقابیل کے قصہ میں آیا ہے جس کہ بطور حاصل مطلب یہ لکھا۔ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ اگر کوئی مار ڈالے کسی جان کو بجز جان کے بدلے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو مار ڈالا اور جس نے ایک جان کو جلایا تو گویا اس نے سب لوگوں کو جلایا (مائدہ ع 5 آیت 32) ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ اگر کوئی مار ڈالے کسی جان کو بجز جان کے بدلے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو مار ڈالا اور جس نے ایک جان کو جلایا تو گویا اس نے سب لوگوں کو جلایا۔ (مائدہ آیت 32)۔ اس کی تفسیر میں سید احمد مرحوم فرماتے ہیں۔" خدائے تعالیٰ نے قصاص کافائدہ بیان کیا ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ جس کسی نے کسی کو بغیر جان کے بدلے کے یا ملک میں فساد مچانے کے مار ڈالا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا یعنی ان کا قتل کردینا جائز وروا اقرار دے دیا اور جس نے جان کو زندہ رکھا یعنی قصاص کا حکم تعمیل کرنے سے جتنی جانوں کو بچایا تو اس نے تمام انسانوں کو زندہ کیا کیونکہ قصاص کے حکم سے زندہ بے گناہوں کی جان جانے سے محفوظ ہوگئی۔"اب صاف ظاہر ہے کہ یہود کی شرع اسلام کے قبل ہی پکار رہی تھی کہ قصاص حیات ہے۔ تصور موجود ہے اور شرح وبسط کے ساتھ گو بجنسہ ان الفاظ میں نہ سہی۔ خود مولوی صاحب کے اعتراف ہے کہ " خلاصہ اور نتیجہ مثل کا یہ ہوا کہ سزائے قتل میں آدمی کی زندگی ہے۔" تو اب جو حقیقت نہ دیکھنا چاہے وہی کہے کہ جس طرح قاف طور کے پاس بلااعجاز واظہار قدرت خالق نہیں آسکتا۔ اسی طرح قصاص اور حیات کو جمع کردینا طاقت بشری سے خارج ہے۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ یہ کوئی بہت ہی مشہور سخن تھا اور قرآن شریف نے اس سے استدلال کرکے قصاص کے مسئلے کی خوبی کو لوگوں پر مبرہن کردیا نہ کوئی نیا حکم سنایا نہ کوئی نیا محاورہ ایجاد کیا۔

مولوی صاحب نے صرف 15 نکات بدیعی ان دو الفاظ میں ہم کو دکھلائے مگر ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جلدی کی ورنہ تیس اور بھی نکل سکتے۔

اگر کوئی مولوی ہم کو ایسے ایسے دو ہزار نکات بھی اس آیت میں دکھلائے تو بھی ہم اس کو خدا کا کلام نہیں مان سکتے۔ لیکن ہم کو اس میں ایک ہی نقص یہ ثابت کرنے کو کافی سے زیادہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلامِ خدا نہیں۔

ہم سمجھا چکے کہ معنی قصاص بدلہ ہے جس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ قتل و موت جس کا صرف ایک جزء ہے نہ کل۔ پس مولوی صاحب کا یہ فرمانا سراسر غلط ہوا۔" سیزدہم آیت میں صنعت طباق ہے یعنی اجتماع ضدین کیونکہ قصاص شعر موت ہے جو حیات کی ضد ہے۔" اور یہ ان کے اس قول کو باطل کرتا ہے جس میں ہماری رائے کی تصدیق ہوتی ہے۔" ہشتم آیت کریمہ قتل وجرح وقطع عضو وغیرہ اس قسم کی ہر جرح کی نافی ومانع ہے۔ کیونکہ قصاص سب کو شامل ہے اور مثل سے صرف قتل کی نفی ظاہر ہے۔"

پس نہ صرف آیت کریمہ سے صفت طباق مفقود ہوگئی بلکہ اس میں بڑا عیب نکل آیا کہ لفظ قصاص کو غلط معنی میں استعمال کرکے قصاص کو غلط معنی میں استعمال کرکے قصاص کو حیات کہا کیونکہ قصاص صرف اسی حالت میں حیات متصور ہوسکتا ہے۔ جب وہ مشعر موت قاتل ہو۔ جیسا وہ شاذ ہوا کرتا ہے نہ ہمیشہ اور جب قصاص مشعر جرح وقطع ہوگا۔ جیسا وہ عموماً ہوتا ہے تو حیات متصور نہ ہوگا بلکہ قتل کی حالت میں بھی جب قصاص بصورت دیت یعنی خون بہا جاری ہوسکتا ہے وہ حیات نہیں کہلادیگا۔ یعنی آیت کو بھی وہی عیب عارض ہے جو مولوی صاحب نے مثل میں نکالا۔" چہارم نفی قتل کی مستلزم حیات نہیں ہے جو کہ مثل سے مقصود ومآل اور متقضائے حال ہے کیونکہ بعض قتل کی نفی میں ظلم ہے اور قطع حیات جس طرح نفی قتل قاتل میں۔" پس ہم بھی کہتے ہیں کہ ہر قصاص حیات نہیں بلکہ صرف وہی جو قاتل کو موت تک پہنچاتا ہے اور یہ حالت شاذ ونادر ہوتی ہے۔ یعنی بادی النظر میں جو خیال آیت کریمہ سے پیدا ہوتا ہے وہ غلط ہے اور اس کی درستی نہیں ہوسکتی۔ تاوقتیکہ لفظ قصاص کا استعمال خلاف ظاہر بلکہ غلط معنی میں روا نہ رکھا جائے۔ اس کا دوسرا جز بھی عیب سے خالی نہیں۔ اگر قصاص کا لفظ اپنے اصلی معنی میں استعمال ہوا اور اس سے سب کچھ مراد لی جاوے قتل جرح قطع خون بہا وغیرہ اور موت کا بدلہ خون بہا قرار دیا گیا تو قصاص حیات ہر گز نہ ٹھہرا۔ اگر حیات کے ظاہری معنی لئے جاویں اور وہ خوبی بھی زائل ہوگئی جو آپ بتلاتے تھے۔" ششم

آیت کریمہ میں لفظ حیات کے نکرہ فرمانے میں یہ فائدہ ظاہر ہوتاہے کہ حیات ایک شئے عظیم ہے اور مرغوب فیہ ہے جس کی درازی اور تطاول کی امید کرتا ہے۔ ایسی ہی شئے سزاوار ایسی سزائے عظیم کی ہے کہ اس کے عوض نفس قتل کیا جاوے۔" صفحہ 326)۔

تو اب یہ ماننا پڑا کہ یہاں حیات سے مراد تمدنی حیات مراد ہے جو مترادف امن کا ہے اور آیت کا مقصود صرف یہ کہنا تھا کہ قصاص امن ہے جان ومال کی حفاظت کے لئے لازمی جس پر سوسائٹی کی آسائش منحصر ہے ۔ یوں معلوم ہو گیا کہ دوسرا لفظ بھی خلاف ظاہر معنی میں استعمال ہوا اور ہم کو افسوس سے کہنا پڑا کہ اس سے وہ پانچویں خوبی بھی زائل ہو گئی جو آیت میں آپ نے ہم کو سوجھائی تھی کہ " انہیں دو لفظوں سے یہ مطلب اول نظر میں بلا تکلف نکل آتا ہے۔"

اب جو عیب ہم کو نظر آئے وہ تو گویا اس پری پیکر کے اعضا ئے ریئسہ یعنی جان کو عارض ہیں اور مولوی صاحب نے ہم کو ایسی خوبیاں دکھانا چاہیں جو صرف اس کی پوشاک ، نقش ونگار۔ ظاہری زیب وزینت سے تعلق رکھتی ہیں۔وہ توحسنِ صوری پر فدا ہیں اور ہم حسنِ معنوی کے دلداہ ۔ ہمارا ان کا نباہ نہیں ہوسکتا ان کا عشق بجاہے اور ہماری بے اعتنائی۔

بی چیونٹی کی وحشت

اعجازی آیات میں سے جس کے گلزار بدائع میں مولوی صاحب نے اپنے ناظرین کو سیر کرائی ایک یہ بھی ہے ۔ یا ایھا النمل ادخلوا امسا کنکمہ لا یحظمنکمہ سلیمن وجنودہ وھمہ لایشعرون۔دیکھو ادنے امر یہ ہے کہ اس آیت میں گیارہ اقسام کے کلام جمع کئے گئے ہیں۔ اولاً ندا کیونکہ حرف یا ہے ثانیاً کنایہ یعنی ای ثالثاً تنبیہ یعنی ھا رابعاً تسمیہ یعنی نمل سابعاً تحذیر یعنی لا یحطنکمہ ثامناً تخصیص یعنی سلیمن تاسعاً تعلیم یعنی جنودہ عاشراً اشارہ یعنی وھمہ الحادی عشر عذر لا یشعرون ۔ اور علاوہ ان کے پانچ حقوق الہیہ کا بیان ہے اولاً حق اللہ ثانیاً حق رسول ثالثاً نمل قائل کا حق جس کا یہ مقولہ ہے رابعاً رعیت نمل قائل کا حق خامساً سلیمن اور لشکر کا حق ۔" صفحہ 324،232۔

اس پر میں اس لئے بحث کرتا ہوں کہ اس کا بطور مشق کے مولوی صاحب نے پیش کیا ہے تا کہ "ناظرین کو بصیرت ہو اور ہر ایک آیت میں اسی طرح وجوہ بلاغت نکالا کریں ۔" مجھ کو اندیشہ ہے کہ میرے ناظرین کو عموماً میری طرح علم ادب کے غوامض تک رسائی نہیں اور اس عالمانہ تقریر کو بدقت سمجھیں گے۔ پس ان کی مشکل اس طرح حل ہوسکتی ہے کہ میں اس آیتہ کریمیہ کا ٹھیٹھ اردو ترجمہ ان کو سناددوں کیونکہ میں اب تک اپنا نافہمی سے کلام کی جان اس کے مفہوم کو سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے :" ایک چیونٹی بولی اری چیونٹیو جا گھسو اپنے اپنے بلوں میں روند ڈالے تمہیں سلیمان اور اس کا لشکر اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔" ناظرین تمہیں اختیار ہے کہ تم بی چیونٹی کے اس سخن پر مولوی صاحب کی طرح وجد میں آجاؤ جو شاید وجوہ بلاغت کے پہچاننے میں حضرت سلیمان سے بڑھ گئے جو اس قول سے چنداں متاثر اور محفوظ نہ ہوئے کیونکہ لکھا ہے کہ یہ سنکر آپ ہنس پڑے (فتبسمہ ضحا کامن قولھا) اور ہم سے بھی ہنسی ضبط نہیں ہوتی۔"

اب یہاں ایک بہت بڑی بات ہے جو مولوی صاحب کی آنکھ سے پوشیدہ ہے ۔ اور جس کا ظاہر ہوجانا تمام عقدوں کو حل کئے دیتا ہے ۔ وہ یہ کہ یہ کل کلام معجزہ نظام جس کا ہر ہر لفظ وہر ہر حرف مولوی صاحب کے انداز میں عصائے موسیٰ ید بیضا واحیاء موتے سے بڑھ کر ہے ۔ خدا کا کلام نہیں ہے بلکہ میدان کی چیونٹیوں میں سے کسی چیونٹی کا جس کو قرآن نے اپنے اندر لے لیا۔ واقعی وہ عربی بولنے والی چیونٹیاں کیسی باکمال ہوں گی کہ جن کے روز مرہ پر ہمارے زمانہ کے مولوی اس طرح فریفتہ ہیں اور اگر بقول نواب یار جنگ مولوی چراغ علی خاں صاحب یہی سچ ہے کہ " جیسے عرب میں اس اور کلب کے مشہور قبیلے تھے۔" ایسے ہی نمل بھی ایک قبیلہ یا قوم کا نام تھا۔" اور حسب روایت مورخ احمد المقرزی خلیفہ ہارون الرشید کا گزر بھی وادی نملہ میں ہوا تھا اور وہاں کی بڑھیا نے ایک بیش بہا نذر پیش کی تھی۔ (تہذیب الاخلاق جلد سوم) تو ذرہ بھی شق نہیں کہ قول نملہ قبیلہ نملہ کی سردار ایک عورت کا ہے اور سراسر قول بشر ہے ۔ پس معلوم ہو گیا کہ چاہے وہ کلام حیوان ہو یا کلام انسان نہ کلام ملک ہے نہ کلام خدا مگر کلام خدا کے اندر بزعم مولوی صاحب ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا موتی ہے اور کسی دوسری کلام سے کمتر نہیں اب بھی اس کو طاقتِ بشری سے خارج سمجھنا نا سمجھی ہے ۔

سورہ ابی لہب

ہم کو تعجب ہے کہ مولوی صاحب نے سورہ ابی لہب کی وجوہ بلاغت بیان کرکے ناظرین کو کیوں محظوظ نہ کیا چونکہ وہ تو ایک ایسی سورۃ ہے کہ دینی لٹریچر میں فی الحقیقت اس کی مثل نہ آج تک کچھ کہا گیا نہ آئندہ کبھی کہا جائے گا۔ اس میں چچا بھتیجے کی لڑائی ہے جس میں چچی صاحبہ نے بھی اچھا خاصہ حصہ لیا۔ کیسے جچے تلے وار ہیں ۔ کیسے موزوں الفاظ ، ایجاز ایسا کہ کئی پشت کے خانہ جنگی کا دریا کوزہ میں بند کردیا۔

نعمائے بہشت کی تعریف کی فصاحت

مولوی صاحب نے جو آیات قرآن کی اعجازی فصاحت کے نمونہ میں پیش کیں ان میں ہم کو صرف یہ ایک آیت جچتی ہے ۔ سورہ زخرف کی بہشت کی تعریف میں فیھا ما تشتھیہ الانفس وتلذ الاعین۔ سچ اس کے وہ ہے جس کو نفس چاہتاہے اور جو لذت بخشتا ہے آنکھوں کو۔ ان کا فرمانا بجاہے کہ " اس میں کس قدر ہے ایجاز واختصار ہے اور ان دو لفظوں میں کس قدر معانی کثیر اور اشیائے غیر عدید مجتمع فرمائی ہیں کہ اگر تمام خلق ان چیزوں کی تفصیل کرے تو نہ ہوسکے۔" صفحہ 325اس کی فصاحت اور بلاغت کے ہم قائل ہیں۔ اس کو جتنا سراہو کم ہے اور جو کچھ لسانی خوبی اس میں بیان کرو حق ہے مگر افسوس کہ ہم کو اس میں ایک بہت بڑا اخلاقی سقم دکھائی دیتا ہے جس کے باعث اس کو ہم خدا کا کلام نہیں مان سکتے ۔ بہشت کی تعریف میں ہم کو ایک اور سخن یاد ہے جو نفس کی خواہش اور آنکھ کے مزے سے دور ہے مگر جس کے مقابل یہ آیت گرد ہوجاتی ہے ۔ وہ بے شک زبان عربی میں بے مثل ہے۔ عرب کو ویسا موتی دوسرا پیدا کرنا محال وہ خود آنحضرت کی زبان کا نکلا ہوا فقرہ ہے ۔ مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علے قلب بشر (دیکھو مشکواۃ صفتہ الجنتہ) جس کو نہ آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا اور جو انسان کے وہم میں بھی نہ آیا۔ بے شک یہ کلام خدا ہے بیشک یہ الہام ہے لاریب وحی ہے گو قرآن کے باہر اور ہم کو قرآن کے اندر بھی کثرت سے ایسا کلام ہے جس میں سے کچھ بھی مولوی صاحب نے پیش نہیں کیا جس کے باعث ہم قرآن شریف میں کلام خدا کے بھی قائل ہوئے۔

لگڑی میں سے کرنِ آفتاب

اب مجھے یہ کہنے کی اجازت ملنا چاہیے کہ مولوی سید محمد کی تقریر بڑے بڑے غور سے پڑھی تھی اور میں ان کو صدق دل سے یقین دلاتا ہوں کہ میرے دل میں کوئی آگ نہ بھڑکی ۔ گو میں پھڑک ضرور اٹھا وجوہِ بلاغت کی تفصیل سن کر نہیں میں نہ ادیب ہوں نہ صاحبِ مذاق بلکہ یہ دیکھ کر کہ مولوی صاحب کیسی دور کی کوڑی لاتے ہیں اور سوچتا تھا کہ کیا اعجاز اسی کو کہتے ہیں جو ظاہر نہ ہوسکے تاقتیکہ آدمی چار پائے بروکتا بے چنہ نہ بن جائے۔ اور مختصر اور مطول اور اطول کو مولوی صاحب کی طرح از بر نہ کرے جو صرف معدودے چند کو نصیب ہوسکتا ہے اور مجھ کو تو ہرگز نہیں۔ میں معجزہ باہر سے کچھ اور مراد لیتا تھا اور سمجھتا تھا کہ اس کو بدیہی ہونا ضروری ہے نہ ظنی جس کا ادراک سب کے لئے یکساں ہو ۔ بحث ومباحثہ کے الجھاؤ کے۔

خلیفہ محمد حسین اور مولوی سید محمد کی یہ تمام کدو کاش میری نظر میں ہیچ ہوجاتی ہے ۔ جب میں مرزا حیرت کی تفسیر قرآن سورہ فاتحہ میں یہ پڑھتا ہوں کہ " علامہ فخر الدین رازی نے اس سورۃ سے دس ہزار مسئلے نکالے ہیں۔" اللہ غنی کمال کیا۔ مجھ کو ڈر ہے کہ اگر سورۃ الکنز کے یہ خزائن علامہ رازی کھود کھود کر جمع نہ کرجاتے تو شاید خلیفہ صاحب وسید صاحب اور مرزا صاحب کو دس ہزار برس میں بھی اس کے دسویں حصہ کا پتہ نہ لگتا۔

الحمد کی تو سات آیات ہیں جس میں حروف ہیں اصوات ہیں الفاظ ہیں اور عبارت ۔ کسی جھاڑی سے ایک پتہ توڑ لو جیسے لاکھوں پتے گڈریہ اپنی بکریوں کو کھلادیتا ہے ۔ جس میں نہ قسمیہ کسی کو نظر آیا نہ آمین نہ دعا نہ آیت مگر کسی بزرگ نے بتلادیا۔

برگِ درختاں سبز در نظر ہوشیار
ہر ورق دفتر معرفتِ کردگار

پس علامہ رازی بھی اس عرفان کے آگے کچھ نہ رہے ۔ اب بتاؤ کہ تعریف کا سزاوار کون ہے۔ برگ یا ہوشمند ۔ پس ہم سید صاحب کی بھی تعریف کرتے ہیں خلیفہ صاحب کی بھی رازی کی بھی۔ لیکن ہم پتے بکریوں کو کھلائے جائیں گے اور اس کو پتہ سے زیادہ نہ سمجھیں گے ۔ بی چیونٹی کی گفتگو پر ہم ہنستے رہیں گے اور مولوی صاحب کی تفسیر و تقریر پر ۔ قرآن میں ربط نہیں لوگ ربط دیتے ہیں ۔اپنے اوقات ضائع کردیتے ہیں۔ آیاتِ قرآن کے اندر اس سے زیادہ نکات بدیعی نکالتے ہیں جتنا اس کے خالق نے اس میں ودیعت کئے ۔ ہاں انگریزی مثل کے موافق لکڑی کے اندر سے آفتاب کی کرن نکالتے ہیں اور اپنے اوپر لوگوں کو ہنساتے ہیں اور لوگ پوچھتے رہ جاتے ہیں۔ ایکمہ زواتہ ایماناً۔

پروفیسر مولوی حمید الدین

پروفیسر مولوی حمید الدین صاحب جو قرآن میں ایک نئی قسم کی فصاحت و بلاغت کے قائل ہوئے ہیں، جس تک مولوی صاحبان ابھی نہیں پہنچے ایک تحقیق کی بات لکھتے ہیں جو بہت سلجھی ہوئی ہے اس کو ہم یہاں بغیر نقل کئے ہوئے نہیں رہ سکتے ۔آپ فرماتے ہیں۔" علمائے اسلام نے جب یہ ثابت کرنا چاہا کہ قرآن مجید بلاغت کے لحاظ سے معجزہ ہے تو اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ پہلے بلاغت کے اصول اور قواعد مرتب کردئے جائیں۔ اس کا اصلی طریقہ یہ تھا کہ خود کلام عرب کا تتبع کیا جاتا اور بلاغت کی جزئیات کا استقصا کرکے اس کے اصول اور ضوابط منضبط کئے جاتے ۔ لیکن جس زمانہ میں یہ کوشش کی گئی اس وقت عجم کے علوم وفنون کا اثر مسلمانوں پر غالب آگیا تھا، اس لئے مسلمانوں نے جس طرح اور علوم وفنون یونان اور فارس سے اخذ کئے اس فن کے مسائل بھی انہیں کی تحقیقات کے موافق مرتب کئے ، عجم کے نزدیک بلاغت کے اصلی ارکان، تشبیہ اور بدیع ہیں۔ اس سے علمائے اسلام نے بھی انہیں چیزوں کو مہتم بالشان قرار دیا حالانکہ اہل عرب کے نزدیک بدیع ایک لغو چیز ہے ۔ اور تشبیہ چنداں قابل اعتنا نہیں۔" (الندوہ دسمبر 1905ء)۔ مولویوں کی ساری کوششوں کو یہ نقشہ ہے اور نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں قرآن میں بلاغت وفصاحت ہے اس کا انہوں نے پتہ نہ پایا اور جہاں کچھ نہیں وہاں سے اعجاز فصاحت کے قائل ہو بیٹھے۔

باب چہارم

بائبل مقدس اور قرآن شریف کی خصوصیات

وہ لوگ جو الہامی کتاب کے لئے کسی ایسے معجزہ کی ضرورت سمجھتے ہیں، جو "عقل کے متعلق" ہو تاکہ جب تک اس عالم میں عقل رہے تب تک یہ معجزہ بھی رہے اور ہر عہد میں اس کا علم اور اثبات ہوسکے اور ہر طبقہ انسانی پر اتمام حجت ہوجاوے۔" تو ان کو بجز بائبل مقدس کے کوئی کتاب اس صفت کی نہ ملے گی۔ کیونکہ صرف اسی میں وہ خصوصیات و بلاغت ہے جس کے تمام وجوہ معنوی اور عقلی اور دوامی ہیں اور جس کے اندر خداوند کریم نے ایک صلاحیت پیدا کردی کہ ہر زبان میں اس کا ترجمہ یکساں ہوسکتا ہے تاکہ ہر قوم وملک کا شخص اس سے وہی لطف اٹھائے جو اہل زبان اٹھا سکتا ہے وہ کتاب تو فلسطین میں لکھی گئی اور زمانہ قدیم میں مگر وہ ساری دنیا کی کتاب ہے ساری قوموں کی اور ہر ایک ملک وہر زمانہ کے لئے۔

بائبل گویا اسی زبان میں لکھی گئی جو عالمگیر ہے اس کے محاوروں کو اس کے الفاظ کو اس کے خیالات وعبارات کو تمام زبانوں میں ایسی آسانی اور خوبی وعمدگی کے ساتھ ظاہر کرسکتے ہیں کہ دنیا کی کسی کتاب کا اس کے مقابلے میں آنا ناممکن ہے ۔ اس کی عبارت کو خدا تعالیٰ نے دنیا کی تمام زبانوں میں ترجمہ ہوجانے کی بے مثل صلاحیت وقابلیت بخشی اور اس کے پیروان کو اس کی اشاعت اور ترجمہ کی حیرت انگیز وبے نظیر توفیق اور ان دو خصوصیتوں نے اس کو عالمگیر کتاب بنا رکھا ہے اور عالمگیر مذہب کی بنیاد حتےٰ کہ کوئی کتاب اس کی برابری نہیں کرسکتی اور یہ ایک ایسا معجزہ ہے جس سے بڑھ کر انسان کی زبان کے عمل میں نہیں آسکتا۔ جس زبان میں چاہو بائبل کو پڑھو وہی لطف ہے جو اصل زبان میں پڑھنے سے حاصل ہوسکتا برخلاف قرآن شریف کے اگر اصلی زبان میں پڑھو تو بھی ہر قدم پر شان نزول کا سہارا لو۔

قرآن کی بے ربطی

ہر آیت پر ایک قصہ سنو تب آگے بڑھو۔ لوگ اس کو ثواب کے لئے پڑھتے ہیں۔ اور جو اس کو بار بار پڑھنے کے لئے دل کو مجبور کرتے ہیں وہ واقعی اپنی مشقت کا ثواب اٹھاتے ہیں۔ غیر زبان میں اس کو پڑھنا قریباً محال ہے۔ ایک ایسی روکھی پھیکی چیز ہے اس کا ترجمہ ہو نہیں سکتا گویا وہ کتاب جزیرہ نما عرب کے لئے بنی تھی۔ اس سے باہر اس کو لے جانا اس کے اوپر اور دوسروں پر ظلم کرنا ہے اور مستقل غرض بھی اس کتاب کی صرف اہل عرب کو برکت پہنچانا تھا اور عرب کے اس حیلے کو دفع کرنا خدا کا کلام صرف یہود و نصاریٰ کو ملا۔ ان کی کتابیں پڑھ و سمجھ نہیں سکتے اس لئے معذور ہیں۔ أَن تَقُولُوٓاْ إِنَّمَآ أُنزِلَ ٱلْكِتَابُ عَلَىٰ طَآئِفَتَيْنِ مِن قَبْلِنَا وَإِن كُنَّا عَن دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ ترجمہ: اس واسطے کہ کبھی کہو کتاب جو اتری تھی سو دوہی فرقوں پر ہم سے پہلے اور ہم کو ان کے پڑھنے پڑھانے کی خبر نہ تھی۔ (سورہ انعام آیت 156)۔

قرآن شریف کے جو بہت بڑے دوست ہیں ان کو بھی قرآن کی بے ربطی پر یہ کہنا پڑا ہے کہ " اگرچہ قرآن من جانب اللہ نازل ہوا لیکن اس کے اجزا میں بہت کم تناسب ہے۔ عبارت تو اس کی حیرت انگیز ہے۔ لیکن سلسلہ مضامین اور دلائل منطقی اس میں اکثر مفقود ہیں۔" (تمدن عرب مترجمہ علامہ بلگرامی صفحہ 109)۔ اور جو اول درجہ کے حامی ہیں انہوں نے درد سے اعتراف کیا کہ " یہ امر صاف نظر آتا ہے۔ کہ قرآن مجید کی اکثر آیات میں کوئی خاص ترتیب نہیں ہے۔ ایک میں کسی فقہی حکم کا بیان ہے۔ اس کے بعد ہی کوئی اخلاقی بات شروع ہوجاتی ہے۔ پھر کوئی قصہ چھڑ جاتا ہے۔ ساتھ ہی کافروں سے خطاب شروع ہوجاتا ہے پھر کوئی اور بات نکل آتی ہے غرض یہ کہ عام تصنیفات کا جو طرز ہے کہ ایک قسم کے مطالب ایک جا بیان کئے جائیں قرآن پاک کا یہ طرز نہیں۔" میں یہاں مولوی شبلی نعمانی کی عبارت نقل کررہا ہوں جو الندوہ دسمبر 1905ء میں ہے آپ لکھتے ہیں " بعض علماء نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیتوں میں ابتدا سے لے کر انتہا تک ترتیب اور تناسب ہے۔ بقاعی نے اس کے ثبوت میں مستقل تفسیر لکھی ہے جس کا نام نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور رکھا ہے لیکن اس کے مطلب جو تفسیروں میں نقل کئے ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زبردستی تناسب پیدا کیا ہے۔ اور اس قسم کا تناسب دنیا کی نہایت مختلف بلکہ متناقض چیزوں میں بھی پیدا ہوسکتا ہے۔"

قرآن کے ترجمے

جبکہ اصل زبان کے پڑھنے والوں کو ایسی سنگلاخ زمین پر چلنا پڑتا ہے تو پھر غیر عربی دانوں کا کیا حال ہوگا یا ان بیچاروں کا جو اب تک شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ پڑھتے رہے۔ حافظ نذیر احمد صاحب فرماتے ہیں۔" ان میں سے جو قرآن پڑھتے بھی ہیں وہ منہ سے الفاظ قرآن کے ادا کرلینے کو کافی سمجھتے ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ قرآن اسی غرض سے نازل ہوا کہ اس کے الفاظ جس سے جتنی دفعہ ہوسکے طوطے کی طرح کہہ لئے جاویں ان کے مفہوم سے کچھ غرض و مطلب ہی نہیں۔" (دیباچہ قرآن)۔ ایسے لوگوں کا وجود اسی لئے پیدا ہوگیا کہ قرآن کے بے ربطی اس سے بڑھ کر ہے جتنا مولانا شبلی نے قبول فرمایا اور اب یہ لوگ قرآن کو محض ثواب کی غرض سے پڑھتے ہیں مولوی شبلی کے قول کی حقیقت سے بھی آگاہ نہیں ہوسکتے۔

حافظ نذیر احمد صاحب نے شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کی مذمت میں کچھ فرمایا ہے جن لوگوں نے مختلف زبانوں میں قرآن کے ترجموں کو پڑھا ہے وہ یہ کہنے پر مجبور ہونگے کہ جو نقص شاہ عبدالقادر کے ترجمے کا بتا یا جاتا ہے وہ ترجمہ کا نقص ہر گز نہیں (ترجمہ صحت میں بے نظیر ہے) بلکہ نقص نفس کتاب کا ہے۔ جس کا ترجمہ ہو نہیں سکتا اور یہ نقص تمام ترجموں میں مشترک ہے بلکہ یہ باشعور لوگوں کو خود جناب مولانا ممدوح کے ترجمے میں بھی ملا ہے۔ سنو آپ کیا فرماتے ہیں۔" شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ اپنے وقت میں اور اپنی شان میں بے نظیر تھا لیکن اس کی بے ترتیبی اور اس کے انقباض نے عوام کو وہ فائدہ نہ ہونے دیا جس کی مترجم نے توقع کی تھی۔ لوگ اس کو بہ مجبوری پڑھتے ہیں اس لئے کہ اس سے بہتر اور کوئی ترجمہ نہیں مگر خوش نہیں ہوتے اور اکثر جگہ سے تو سمجھتے بھی نہیں شوق سے پڑھنا شروع کرتے ہیں اور اکتا کر چھوڑدیتے ہیں۔" اصل زبان میں بھی ترتیب نہیں بے ربطی قرآن کا خاصہ ہے بھلا ترجمہ میں ترتیب کہاں سے آجائے۔ غرضیکہ مسلمان ترجمہ پڑھتے ہی

نہیں اور اچھا کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر مولانا شبلی کی مانند بے ربطی وبے ترتیبی دیکھیں تو سوائے اس خیال کے کہ اللہ قادر ہے جس طرح چاہے ہم سے کلام کرے کہ ہم کو سننا پڑیگا اور کوئی تسلی ان کو نہیں ہوگی اور اگر معنی سمجھیں تو اکتا کر چھوڑ دینا ہوگا۔ اور ثواب سے محروم ہوں گے ۔ غیر مسلمان دنیا کی تمام کتابیں پڑھتے ہیں۔ وید، ژند، بھاگوت گیتا ۔ بدھوں کی کتاب مقدس ۔ اور ان سے لطف اٹھاتے ہیں مگر قرآن شریف نہیں پڑھ سکتے اور جو شوق سے پڑھنا بھی چاہتے ہیں تو اسی شوق سے جس سے طلبائے طن فن جراحی کی مشق کرنا سیکھتے ہیں۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں ۔" ترجمہ ہونا چاہیے تھا سلیس شگفتہ مطلب خیز بامحاورہ کہ ایک بار نظر ڈالو تو چھوڑنے کو جی نہ چاہے صفحے کے صفحے اور ورق کے ورق پڑھتے چلے جاؤ طبیعت نہ گھبرائے ۔" میں کہتا ہوں کہ اگر اپنے ترجمہ کی نسبت ان کو ایسا گمان ہے تو وہ بڑے دھوکے میں ہیں۔ اول تو انہوں نے اپنے ترجمہ کو ترجمہ نہیں رہنے دیا۔ دوم جو وہ چاہتے ہیں وہ ایک خیال محال ہے۔ ہاں اگر بجائے زید بن ثابت کے مولانا ممدوح اس کمیٹی کے پریزیڈینٹ ہوتے جس نے قرآن کو حضرت عثمان کے عہد میں مرتب وجمع کیا تو شاید یہ نقص رفع ہوجاتا۔ مگر اب وہ توقت ہاتھ سے نکل گیا۔ ہاں قرآن شریف کا ایک ترجمہ کچھ ترتیبِ نزول کی رعایت سے انگریزی عالم راڈول نے کیا ہے جس سے ایک خوبی پیدا ہوگئی ہے جو کسی اور ترجمہ میں نہیں آسکتی ۔ بلکہ جو اصل قرآن شریف میں بھی ندارد ہے اور پڑھنے والے اس کو پڑھ کر کم اکتاتے ہیں مگر اس طرز کے موجد اہل کتاب ہوں گے اور ان کی جان فشانی وفہم کی داد دینے والے اہل اسلام میں کوئی نہیں۔مولوی سید مہدی علی صاحب تو اس پر طعنہ مارتے ہیں کہ " کلام مجید کو باترتیب نزول کسی مسلمان نے جمع کرنے کا قصد نہیں کیا۔" (خلافاً للشعیہ) اس لئے یہ مسئلہ ایسا مہتم بالشان ہے کہ ذراسی غلطی میں بڑے بڑے فتور آسکتے ہیں اور یہ امر جب قرون اوّل کو نصیب نہیں ہوا تو اب ہمارے نصاریٰ بھائی اس کام کے کرنے کی ہمت باندھتے ہیں اسی سبب سے باندھ سکتے ہیں کہ ان کو درددین ہے ۔ نہ ضرورتوں سے واقفیت ہے بلکہ اعتراض مقصود ہے ۔" (شہاب ثاقب صفحہ 456) نصارا نے تحقیق کو مدِ نظر رکھا ہے اور جو عیب ہے اس کو دیکھا ہے اس کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے ان کو علمی مذاق ہے۔ آپ کی ساری ہمت اس بات پر صرف ہورہی ہے کہ اعتراض نہ وارد ہو جو عیوب ہیں ان کو عیب کوئی نہ کہے ۔ علمائے نصاریٰ کو علمی درد تھا اور جو کچھ ان کا علمی درد تھا وہ آپ کا درددین بھی نہیں کرتا۔

حاصل کلام یہ کہ قرآن کی وجوہ بلاغت ایک علم ظنی پر مبنی ہے اور مخفی ہیں جو کسی اوسط درجہ کے صاحب علم پر بھی ظاہر نہیں ہوسکتے اور جن کے حامیوں کو بار بار یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ " جس کسی کو تلاشی ہو وہ کتب وجوہ بلاغت وصنائع وبدائع قرآن میں جن کے نام شروع رسالہ ہذا میں درج ہو چکے دیکھ لیوے اور اپنا اطمینان کرلیوے ۔" (تنزیہ صفحہ 325) جس کے معنی ہم یہ سمجھے کہ اس امر کے تصفیہ کے لئے دارومدار مولوی صاحبان کے فتوے پر ہے مگر واویلا ان پر جن کو دین میں عرفان حاصل کرنے کے لئے دیوبند یا جامع ازہر جانا پڑے ۔

انجیل عالمگیر اور عالمگیر زبان میں لکھی

ہم شروع کتاب میں لکھ چکے کہ دنیا کی کوئی زبان عالمگیر نہیں اور کوئی نبی جو اپنی قوم کی بولی بولتا آیا سارے جہان کے لئے یکساں شریعت نہیں لاسکتا تھا جیسا کہ قرآن شریف میں بھی شاہد ہے ۔ قرآن عربی میں آیا عرب کے لئے ۔ عہد عتیق عبرانی اور کلدانی میں بنی اسرائیل کے لئے ۔ مگر ہاں انجیل شریف اس حکم سے مستثنےٰ ہے ۔ سیدنا عیسیٰ مسیح رومی عہد میں یہودیہ کے درمیان بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے اور ان کی بولی بولتے ہوئے آئے یعنی وہ بولی جو رومی تسلط نے مخلوط کردی تھی ۔ وہ ایک مرکب زبان تھی وہ گویا عبرانی بھی تھی۔ آرامی بھی یونانی بھی لاطینی بھی۔ پس دراصل جو زبان ہمارے مولا بولتے تھے وہ بنی اسرائیل سے اس طرح مخصوص نہیں کہی جاسکتی جیسے عربی عرب سے ۔ یہودی تمام جہان میں تتر بتر تھے اور ہر ملک ودیار سے سال بسال یروشلم میں فراہم ہوتے تھے اور ان سب کے لئے بلکہ غیر اسرائیل کے لئے بھی انجیل عام تھی اور شاید اسی خیال نے اس روایت کو پیدا کردیا جس کا ذکر ارنوبیس نے کیا کہ " جب سیدنا عیسیٰ مسیح کوئی ایک لفظ بولتے تھے تو تمام قومیں جو ایک دوسرے سے بہت دور تھیں اور مختلف زبانوں کی اپنے اپنے معروف الفاظ اور اپنی خاص بولی میں اس کو سمجھتے تھے ۔" (پادری ڈونہیو کا اپا کریفا ۔ صفحہ

124)۔لیکن اس امر کے ثبوت میں کہ انجیلی بنی اسرائیل سے خاص نہیں عالمگیر خوشخبری ہے۔ سیدنا مسیح کی آخری وصیت موجود ہے ۔" تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ۔" (انجیل شریف بہ مطابق راوی حضرت متی رکوع 28آیت 19)۔ اور پھر اپنے شاگردوں کو اس کام کے لئے یوں تیار کیا کہ ان کو تمام جہان کی بولیاں بولنا معجزانہ طریقہ سے سکھا دیا۔ چنانچہ نزول روح القدس کے وقت ان کو" انہیں آگ کے شعلہ کی سی پھٹتی ہوئی زبانیں دکھائی دیں اور ان میں سے ہر ایک پر آٹھہریں اور وہ سب روح القدس سے بھر گئے اور غیر زبانیں بولنے لگے جس طرح روح نے انہیں بولنے کی طاقت بخشی ۔" (انجیل شریف اعمال‌الرسل رکوع 2آیت 3و4)۔ اور آن کی آن میں ہر ایک ہفت زبان ہو گیا۔"اور سب حیران اور متعجب ہو کر کہنے لگے دیکھو یہ بولنے والے کیا سب گلیلی نہیں پھر کیونکر ہم میں سے ہر ایک اپنے وطن کی بولی سنتا ہے ۔؟ حالانکہ پارتھی اور مادی اور علامی اور مسوپتامیہ اور یہودیہ اور کپدکیہ اور پنطس اور آسیہ اور فروگیہ اور پمفلیہ اور مصر اور لبوآ کے علاقہ کے رہنے والے ہیں جو کرینے کی طرف ہے اور رومی مسافر خواہ یہودی خواہ ان کے مرید اور کریتی اور عرب ہیں۔مگر اپنی اپنی زبان میں ان سے خدا کے بڑے بڑے کاموں کا بیان سنتے ہیں۔" (اعمال‌الرسل رکوع 2آیت 7تا 11)۔

پھر جب یہ انجیل جو دنیا کی تمام زبانوں میں اہل جہان کو زبانی پہنچائی گئی ضبط تحریر میں آئی تو یونانی میں لکھی گئی یہ وہ زبان تھی جو اس زمانہ میں فی الحقیقت عالمگیر زبان تھی اور جس کی کتابت تمام جہان میں رائج تھی اور صرف اسی زمانہ میں نہیں بلکہ صدیوں بعد تک ویسی ہی رہی۔ کوئی پڑھا لکھا نہ تھا جو یونانی نہ جانتا ہو رومی ہو یا یہودی کوئی شخص تعلیم یافتہ نہ کہا جاسکتا تھا جو اس زبان سے ناواقف ہو۔ ہر شائستہ قوم نے اس کو اپنی زبان بنالیا تھا۔ روم کی سلطنت عالمگیر تھی اور یونان کی زبان حتٰے کہ جب عرب کا شمار شائستہ قوموں میں ہوا تو اس نے بھی یونانی کو اپنے لئے فخر سمجھا۔ پس مسیحی دین کے نوشتوں کی نسبت یہ کہنا کہ وہ بھی کسی قوم کی زبان میں لکھے گئے بیجا ہوگا۔

پھر جب یونانی عالمگیر زبان نہ رہی تو مسیحی نوشتوں نے اپنا یہ کمال دکھایا کہ وہ دنیا کی ہر زبان میں ترجمہ ہوگئے جس صفت سے تمام جہان کی کتابیں خالی ہیں۔ ہر زبان میں ان کا ترجمہ ہو گیا اور ہر قوم اور ہر ملت ان کو اپنی مادری زبان میں پڑھتی ہے ۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ کتابیں خود تمام زبانوں میں ترجمہ ہو گئیں۔ یہ معجزہ ان کتابوں کا ہے انہوں نے اپنے معتقدین کو مجبور کیا کہ وہ ان کو ترجمہ کریں۔ ورنہ جہان کے اور مذاہب والے بھی توموجود تھے کیونکہ خدا نے ان کو توفیق نہ دی کہ وہ اپنی کتابوں کو اس طرح عام کردیتے ہیں۔ کوئی ملک نہیں جہاں انجیل موجود نہیں۔ جسم کے لئے روٹی کا ملنا مشکل ہے مگر روح کے لئے انجیل کا ملنا آسان جس طرح ہر ملک میں آسمان سے بارش اور اوس گرتی ہے اسی طرح انجیل بھی خدا کی قدرت سے سب کو نصیب ہے ۔ پس یہ سب سے بین ثبوت مسیحی دین کے عالمگیر ہونے کا ہے اور یہ ایک معجزہ کتابی ایسا ہے جس کا نہ مقابلہ آج تک کسی سے ہوسکا اور نہ آئندہ ہوسکے گا۔ ہر شخص آنکھ کھولے اور اس معجزہ کو دیکھ لے ۔ اس معجزہ کے ثبوت میں کسی کتاب کی تحریر یا کسی عالم کی تقریر ضروری نہیں یہ بدیہی معجزہ ہے جس طرح خداوند تعالیٰ" اپنے سورج کو شریروں اور نیکو پر طالع کرتا ہے اور راستوں اور ناراستوں پر مینہ برساتا ہے ۔ اسی طرح اس آفتاب صداقت کو تمام جہان پر چمکا دیا۔ اپنے فضل کی اس بارش کو ہر متنفس پر برسایا۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب راچہ گنا

باب پانزدہم
قرآن وغیر قرآن میں کوئی حقیقی فرق نہیں

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اعجاز کے جو وجوہ بیان کرتے ہو وہ اعجاز کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ کیونکہ اگر نظم غریب کا خیال کیا جائے تو آسان امر ہے خصوصاً جب ایک مرتبہ سن کر اس کے ڈھنگ سے واقف ہولے ۔ چنانچہ مسیلمہ نے اس کی نقل اتاری تھی ۔ اگر بلاغت کا خیال کیا جائے تو وزن اور نظم مخصوصہ سے قطع نظر کرکے ہم کسی بلیغ ترین خطبہ یا قصیدہ سے قرآن کی کسی سورت کا مقابلہ کرتے ہیں تو ہم کو ان کے درمیان کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا ہے۔ حالانکہ معجزہ کے لئے لازم

ہے کہ فرق نہ صرف ایسا بین ہو جیسا زمین وآسمان بلکہ اس میں شک وشبہ کی گنجائش تک باقی نہ رہے تاکہ مدعی معجزہ کے صدق پر وثوق کے ساتھ یقین کلی ہوجائے۔

قرآن غیر قرآن مانا گیا اور اس کے برعکس

کہ قرآن اور غیر قرآن کے درمیان کوئی بین فرق نہیں۔ اس بات کے ثبوت میں یہ معترض نہ صرف اپنی رائے پیش کرتے ہیں بلکہ بعض مسلمہ تاریخی واقعات سے استدلال کرتے ہیں۔ایک یہ کہ قرآن کی بعض سورتوں کے باب میں اصحاب رسول اللہ کے درمیان اختلاف ہوتا تھا چنانچہ عبداللہ بن مسعود سورہ فاتحہ اور معوذین کو قرآن کی سورت نہیں مانتے تھے اور ان سے بڑھ کر کون شخص وجوہ اعجاز کا ماہر ہوسکتا ہے؟ پس اگر ان سورتوں کا اعجاز فصاحت وبلاغت ایسا بڑھا ہوا تھا کہ وہ غیر قرآن سے ممتاز نہیں تو ممکن نہ تھا کہ کبھی بھی ان کے قرآن ہونے میں شک گزرتا۔ ایسا ہی حضرت ابی بن کعب کا اختلاف ہے کہ وہ دو سورتوں یعنی حفدو خلع کو قرآن کہنے پر اصرار کرتے تھے اور انہوں نے اپنے نسخہ قرآن میں ان کو درج بھی کردیا تھا۔ یعنی جس طرح الحمد و اور معوذتین کو ابن مسعود نے خارج کردیا تھا (اتقان جلد اول صفحہ 69 مصری) اگر وہ دو سورتیں حفدو خلع اپنی نظم اور بلاغت وفصاحت کے اعتبار سے بالکل مثل قرآن کے نہ ہوتیں تو ابی بن کعب کیونکر ان کو قرآن سمجھ لیتے پس عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعب کا اختلاف بڑی مضبوط دلیل اس بات کی ہے کہ قرآن اور غیر قرآن میں فی نفسہ کوئی امتیاز ایسا نہیں کہ دلیل معجزہ پر ہوسکے اور اگر وجوہ اعجاز ایسے لوگوں پر مشتبہ رہے تو پھر اس کے مخفی اور مشتبہ اور محض ظنی ہونے میں کیا کلام رہا۔

اس امر پر ایک اور مضبوط دلیل صحیح بخاری پارہ 26 میں بھی ہے۔ باب ما یتقی من فتنۃ المال میں وارد ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا لواَنّ لا بن ادمَ مثل واد مالاً لاحبَ ان لہ الیہ مثلہ وَ لا یملاء عین ابن ادمَ لاَ التراب ویتوب اللہ علی من تاب (اگر فرزند آدم پس ایک گھاٹی برابر مال ہوتا تو یہی آرزو رکھتا کہ اتناہ ی مال اسے اور ملتا، اور فرزند آدم کی آنکھ کوئی چیز بجز خاک کے سیر نہیں کرتی اور اللہ رحمت سے توجہ کرتا ہے اس پر جو توبہ کرتا ہے) حضرت ابن عباس نے کہا مجھ کو نہیں معلوم آیا یہ قرآن کی آیت ہے یا نہیں اور کہا کہ میں نے یہی بات ابن زبیر کو منبر کے اوپر سے کہتے سنی۔ اسی جگہ دوسری حدیث ہے انس سے بروایت ابی کہ ہم اس قول کو قرآن ہی سے سمجھتے رہے۔ تاوقتیکہ آیت الھکم نازل ہوئی۔ اگر اب بھی کوئی شخص قرآن کو غیر قرآن سے ممتاز جانے تو زبردستی ہے۔

قرآن کو شہادت سے پہچانا نہ اعجازِ عبارت

دوسری یہ کہ جب خلیفہ اول کے زمانہ میں قرآن شریف جمع کیا جاتا تھا تو جب کوئی شخص قرآن کا کوئی حصہ لے کر آتا تو اس سے گواہی اور قسم لی جاتی اس بات کے ثبوت میں کہ وہ دراصل قرآن کے نسخہ میں جگہ دیتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر قرآن کی فصاحت وبلاغت ایسی ممتاز ہوتی کہ حدِ اعجاز تک پہنچی ہوئی ہوتی توصحابہ کو بلا تکلف کسی چیز کے قرآن یا غیر قرآن ہونے میں تمیز کرلینا کچھ بھی مشکل نہ ہوتا محض نفسِ کلام سے قرآنیت ثابت ہوجاتی اور لانے والے کی ثقاہت یا اس کے قول پر شہادت یا اس کی قسم کی حاجت نہ پڑتی جس طرح کہ اگر کسی ماہر فن جوہری کے سامنے کوئی شخص جواہر لائے تو اس کو جواہر کہنے کے لئے وہ لانے والے کی قسم کا محتاج نہیں ہوتا۔ لانے والے کا سچا یا جھوٹا ہوناوہ خود پرکھ لیتا ہے۔ پس جو دلیل ابن مسعود اور ابن کعب کے فعل سے حاصل ہوئی تھی وہی دلیل صحابہ جامعین قرآن کے اس فعل سے بھی حاصل ہوئی ہے۔

شارح مواقف پہلی بات کا جواب یہ دیتا ہے کہ قرآن کی خوبیاں ان بلغاء عصر پر کھلی ہوئی تھیں جن سے اس کی بابت تحدی کی گئی تھی اور بدیں وجہ ان کے علاوہ دوسروں سے جب معارضہ کیا گیا جو فن فصاحت وبلاغت میں قاصر ہیں اور ان کے مراتب کو نہیں پہچانتے تو ان کو چاہیے کہ یہ دیکھ کر عبرت پکڑیں کہ کس طرح بلغائے زمانہ ماہرین فنِ معارضہ سے عاجز ہوچکے پس ان کی کم فہمی اعجاز کو باطل نہیں کرسکتی۔

اس کا جواب الجواب ہماری طرف سے ہوگیا۔ جب ہم دکھا چکے کہ معاصرین نے دعویٰ قرآن کو تسلیم نہیں کیا اور عاجز نہیں ہوئے بلکہ خوب مقابلہ کیا تاوقتیکہ ان کی زبان کو تلوار نے بند نہیں کیا۔

دعویٰ مسلیمہ

مسلیمہ کے باب میں جو دعویٰ معاصرین کا ہے شارح نے صرف اس پر اکتفا کیا کہ اس کے سخن کو حماقتیں کہہ کر ٹال دیا اس لئے ہم کو یہاں کچھ زیادہ لکھنا پڑے گا۔ واضح ہو کہ مسلیمہ نے بھی اپنے اوپر ایک قرآن نازل ہونے کا دعویٰ کیا تھا جس سے وہ قرآن شریف کا بمخالفت جناب رسول عربی معارضہ کیا کرتا تھا۔ اس کا اب ضائع ہوگیا اور جو لوگ بعض کلام کو اس سے منسوب کرتے ہیں وہ مختص افترا ہے کیونکہ مسلیمہ اپنے زمانہ میں بڑا کامیاب شخص گزرا جس نے لاکھوں کو حضرت کے عہد میں اپنا کلام سنا سنا کر گرویدہ کرلیا تھا پس یہی بات اس امر کی کافی دلیل ہے کہ اس کا " قرآن " ایسا لچر نہ تھا جیسا مسلمان ہم کو باور کرانا چاہتے ہیں۔ دو سو ہجری تک اس قرآن کا پتہ ملتا ہے اور اکثر لوگوں نے اس کو پڑھا اور اس کی تعریف کی۔ خلیفہ مامون کے زمانے میں عبد المسیح الکندی جو اہل زبان تھا اور جس کی عربیت پر اس کی کتاب معذرت شاہد ہے قرآن مسلیمہ کی بابت اپنے مخاطب سے کہتا ہے " مسلیمہ حنفی اور اسود عنسی اور طلحہ ابن خویلد الاسدی وغیرہ نے بھی تیرے حضرت کی طرح کلام کیا تھا۔ میں نے مسلیمہ کے صحیفے کو پڑھا ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ تیرے لوگوں پر اگر وہ ظاہر ہوتا تو بہتیرے پھر جاتے۔ صرف اتنا فرق ہوا کہ تیرے نبی کی طرح مسلیمہ وغیرہ اپنے واسطے مددگار نہیں کرسکا۔"

اختلاف ابن مسعود وابن کعب

دوسری بات کا جواب یعنی حضرت ابن مسعود نے بعض سورتوں کو خارج از قرآن کہا شارح یہ دیتا ہے کہ روایات اختلاف صحابہ خبر احاد کی قسم سے ہیں جو مفید یقین نہیں قرآن تو سارا کا سارا متواتر ہے۔ اور اگر ہم اس اختلاف کے واقعہ کو مان بھی لیں تو بھی اختلاف صرف اس بات میں تھا کہ وہ سورتیں قرآن میں ہیں یا نہیں اس بات میں اختلاف نہ تھا کہ محمد ﷺ پر نازل ہوئیں اور کہ ان کی بلاغت حد اعجاز تک پہنچی ہوئی ہے۔ ہم تالیف القرآن اور تاویل القرآن میں بخوبی ثابت کرچکے کہ اختلاف صحابہ کی روایات نہایت مضبوط ہیں۔ بلکہ ان تمام روایتوں سے مضبوط ترجن سے تواتر قرآن ثابت کیا جاتا ہے۔ رہا محل اختلاف اس کا جواب کچھ بھی نہیں دیا گیا اور یہ نہیں سمجھایا گیا کہ قرآن میں اور اس میں کیا فرق ہے جو محمد ﷺ پر نازل ہوا۔ یہ دونوں چیزیں تو ایک ہی ہیں۔ اگر پہلی بات مانتے تو دوسری بھی مان لیتے۔ دراصل عبد اللہ بن مسعود پہلی بات نہ مانتے تھے اس لئے دوسری بات نہ مانتے تھے اور ابی کعب دوسری بات مان چکے تھے اس لئے پہلی بات کے قائل تھے۔ رہا مسئلہ بلاغت۔ ہم کب کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود الحمد یا موذتین کو غیر بلیغ مانتے تھے بلکہ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ وہ بلاغت وفصاحت میں بالکل قرآن کے برابر بڑھ کر ہیں۔ ان کا نزول محمد صاحب پر اس صحابی کے نزدیک ثابت نہ تھا۔ اور وہ اس کو خارج از قرآن سمجھتا تھا۔ اس کے نزدیک وہ کلام خدا نہ تھا باوجود فصاحت و بلاغت میں بے مثل ہونے کے پس قرآن اور غیر قرآن میں بلحاظ فصاحت کوئی ضروری اور لازمی فرق نہیں ور نہ اس معیار کو ہاتھ میں رکھتے ہوئے ایسا اختلاف ممکن نہ تھا۔

حدیث تلک الغرانیق

عنوانِ قرآن یعنی بسم اللہ کی نسبت جو اختلاف ہوا ہے کا تذکرہ ہم گزشتہ فصل میں کرچکے یہاں ضرورت اعادہ نہیں۔ بطور مثال ہم یہاں ایک اور واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جس سے روشن ہوجائے گا کہ قرآن اور غیر قرآن میں کس طرح التباس ہوجاتا تھا اور معاصرین مومنین اور منکرین ان میں کوئی مابہ الامتیاز نہ دیکھتے تھے۔آیت قرآن ماارسلنا من قبلکہ من رسول والا نبی (حج ع 7) کی شان نزول میں مفسرین مثل صاحبِ معالم التنزیل وغیرہ نے قصہ تلک الغرانیق کا بیان کیا ہے جس پر تمام روایات اور آرائے علمائے اسلام کو صاحب مواہب لدنیہ نے ایک جگہ جمع کیا ہے۔ اس میں لکھا ہے " روایت کیا ابن ابی حاتم اور طبری اور ابن المنذر نے کئی طریقوں سے سعبہ سے اس نے ابی بشر سے اس نے سعید ابن جبیر سے اس نے کہا پڑھا رسول ﷺ نے مکہ میں سورۃ النجم کو پس جب پہنچے

افرائیتمہ اللات العزیٰ ومنات الثلثۃ الاخریٰ تک تو شیطان نے ڈال دیا آپ کی زبان پر فقرہ تلکہ الغرانیق العلےٰ وان شفاعتہن لترتجیٰ۔ پس کہا مشرکین نے کبھی نہیں ذکر کیا محمد ﷺ نے ہمارے خداؤں کا بھلائی کے ساتھ آج کے دن سے پہلے (آنحضرت نے) سجدہ کیا اور (مشرکین) نے بھی سجدہ کیا پھر نازل ہوئی یہ آیت وما ارسلنا من قبلکہ من رسول ولا نبی الاانا تمنے القی الشیطان فی امینتمہ۔"

یہاں اس سے کچھ بحث نہیں کہ یہ فقرہ بتوں کی تعریف میں کس کی تصنیف ہے آیا شیطان کی یا کسی مشرک کی یاآنکہ خود آنحضرت نے اپنی طرف سے اس کو پڑھ کر سنایا۔ اس میں کلام نہیں کہ سامعین نے اس کو خود آنحضرت کی زبان کا مانا اورمابعد آنحضرت نے اس کو " القائے شیطانی " فرمایا لیکن مشرکین اورمومنین میں سے کسی نے عبارت ولفظی فصاحت کے اعتبار سے اس کو غیر قرآن نہیں سمجھا پس مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ کلام بشر یا کلام شیطان کو کلام خدا سے امتیاز کرلینے کےواسطے کوئی معیار اہل زبان کے پاس موجود نہ تھا۔

جمع قرآن کا اصول

تیسری بات کے جواب میں یعنی جامعین قرآن نے آیات کو شہادت اور قسم کی بنا پر قرآن میں داخل کیا۔ شارح فرماتاہے کہ یہ اختلاف اس وجہ سے نہ تھا کہ کسی آیت یاجزء قرآن کے قرآن ہونے یا نہ ہونے میں شبہ تھا بلکہ شبہ صرف یہ ہوتا تھا کہ سلسلہ آیات وسورتیں کسی آیت پیش شدہ کی جگہ کون ہے کس سورۃ میں اور کس آیت کے بعد اس کو داخل ہونا چاہیے اور گواہی اور حلف لیا جاتا تھا تاکہ صحیح مقام کی نسبت یقین حاصل ہوجائے۔

یہ محض ایک تاویل ہے خلاف حقیقت اور تاویل بھی غلط اور بعید محض اعتراض سے بچنے کی خاطر گواہی وحلف صرف اس لئے تھا کہ معلوم ہوجائے کہ آیت پیش شدہ قرآن کی ہے یا قرآن کی نہیں اور آیات کی ترتیب میں جو بے ربطی موجود ہے وہ اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ آیات وسورتوں کا صحیح مقام ونحل دریافت کرلینا بالکل ناممکن تھا اور اس امر کے دریافت کرنے کی کچھ بھی کوشش نہیں کی گئی۔

مولانا شبلی الفاروق حصہ دوم میں جمع قرآن کی بحث میں تحریر فرماتے ہیں کہ " زید بن ثابت اس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہاں سے قرآن کی سورتیں یاآیتیں ہاتھ آئیں ایک جا کی جائیں۔ حضرت عمر نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ جس نے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہ سے لکھا ہو میرے پاس لیکر آئے۔ اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اس پر دو شخصوں کی شہادت لی جاتی تھی کہ ہم نے اس کو حضرت کے عہد میں قلم بند دیکھا تھا۔" پس اہتمام شہادت اور قسم صرف اس لئے تھی کہ کوئی آیت جو قرآن نہیں ہے قرآن میں داخل نہ ہوجائے اور آیتوں اور سورتوں کی ترتیب توسوائے خدا کے کسی معلوم نہ تھی۔

پس مخالفین کا وہ اعتراض نہ اٹھا کہ اگر اعجازی فصاحت وبلاغت قرآن اور غیر قرآن میں مابہ الامتیاز ہوتی تو یہ شہادت اور حلف بیکار تھا۔ جب شہادت اور حلف لازمی ہوا تو اعجازی فصاحت کا حیلہ بے بنیاد ہے قرآن وغیر قرآن میں کوئی امتیاز نہیں تھا۔ اگر اس کی فصاحت طاقت بشری سے خارج ہوتی تو بشر کے کلام کا دھوکا اس پر کبھی نہیں آتا اور نہ فرقہ عجاردہ اور میمونہ یہ کہنے کہ جرات کرتے کہ " سورہ یوسف قرآن سے نہیں وہ تو قصوں سے ایک قصہ ہے اور زیبا نہیں کہ ایک عشقیہ قصہ قرآن شریف سے ہو۔" ملل ونحل صفحہ 73و74۔

باب شانزدہم
صنعت میں اعجاز کی گنجائش نہیں

کسی کتاب کا بیمثل ہونا اعجاز نہیں

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ جو امور صنعت کے متعلق ہوتےہیں ان میں مدارج ومراتب ہوتے ہیں ایک سے ایک بڑھ کر اور س کی کوئی ایسی حد مقرر نہیں ہوسکتی جس سے آگے بڑھنا ناممکن ہو۔

پس ہر زمانہ کے لئے لازم آیا کہ کوئی شخص کسی خاص صنعت میں اپنے اہل عصر سے بڑھ جائے اور ایسے مرتبہ پر پہنچ جائے جس تک کوئی اور نہ پہنچے پس اگر کوئی بقول تمہارے قرآن ایسا فصیح ہے کہ اس کی مثل دوسرا کلام عربی میں نہیں تو یہی کہا جائے گا کہ حضرت محمد صاحب سب سے افصح تھا اور بس معجزہ کی اس میں گنجائش کہاں اور ہر صنعت کے اعتبار سے ہر ایک وہر زبان میں کوئی نہ کوئی سے ایسے اعلیٰ مرتبہ پر اور بے مثل ہوا کرتی ہے پس خصوصیت قرآن کہاں رہی۔

اس کا جواب فاضل شارح نے یہ دیا کہ ہر زمانہ میں معجزہ اسی جنس سے ظاہر ہوتا ہے جس کا چرچا اہل زمانہ میں کثرت سے ہوتا ہے اور جس میں وہ لوگ مہارت رکھتے ہیں اور وہ اس میں غور کرکے دریافت کرلیتے ہیں کہ کس حد تک پہنچنا طاقت بشری سے خارج ہے اور صرف خدا کی قدرت میں داخل مثلاً سحر زمان موسیٰ میں رائج تھا اور لوگوں نے اس میں بڑی ترقیاں کرلیں تھیں۔ جب حضرت موسیٰ نے اسی جنس سے اپنا معجزہ دکھلایا تو جادو گر جو اس فن میں ماہر تھے موسیٰ کا فعل دیکھ کر پہچان گئے کہ وہ طاقت بشری سے خارج ہے اور ایمان لے آئے۔ گو فرعون جو اس راز سے بے بہرہ تھا، بے ایمانی پر اڑا رہا۔ اسی طرح بلاغت عہد رسول اللہ میں انتہائی درجہ کو پہنچ چکی تھے " حتےٰ کہ ان لوگوں نے سات قصائد کو دروازہ کعبہ پر لٹکادیا تھا اور اس تحدی کے ساتھ کہ کوئی اس کا معارضہ کرے۔ چنانچہ کتب سیر اس پر شاہد ہیں۔" پس جب نبی ﷺ اسی جنس کا معجزہ لے کرآئے جس میں وہ لوگ ماہر ہوچکے تھے تو تمام بلغاء جو اس فن میں اپنے زمانہ میں کامل تھے عاجز ہوگئے۔ باوجودیکہ انہوں نے بہت تکرار اور دلیری اور انکار نبوت سے کام لیا۔

ہم بہت تفصیل کے ساتھ ثابت کرچکے ہیں کہ اہل عصر نے جو اس فن میں استاد تھے اور جن کے قول کی سند ہوسکتی تھی اس دعویٰ کو قرآن کے اگر اس نے کیا بھی ہرگز تسلیم نہیں کیا بلکہ ہمیشہ رد کرتے رہے۔ اگر موسیٰ نے اپنے ہم عصر ساحروں کے روبرو دعویٰ کیا تو ساحروں نے جیسا قرآن میں لکھا ہے ان کے دعوے کو تسلیم کرلیا مگر تم بتادو کہ قرآن کے دعوےٰ کو معاصرین نے کب تسلیم کیا۔ کب فصحاء وبلغاء نے قرآن کی فصاحت وبلاغت کو مانا۔

یہ تیسرا اعتراض جو ہے جس میں فصاحت وبلاغت صنعت وکاریگری سے تشبیہ دی گئی ہے جس کے لئے کوئی حد نہیں ہوتی اور جس میں کوئی نہ کوئی شے سب سے افضل ہوجاتی ہے ہم اس کو مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔

ہیکل سلیمان واہرامِ مصر

حضرت سلیمان کی ہیکل ایک نادر عمارت تھی جس کو مثل اور عمارتوں کے انسانی ہاتھوں نے بنایا تھا مگر وہ ایسی بے مثل ہوگئی کہ لوگوں نے اس کو تعمیر کو جنات سے منسوب کردیا۔ یہی حال اہرامِ مصر کا ہے۔ ویسی عمارت نہ پہلے کسی نے بنائی اور نہ بعد میں کبھی بنی اور نہ کبھی آئندہ بنتی معلوم ہوتی ہے۔ یہ تو دور کی باتیں ہیں اپنے ملک اور اپنے زمانہ میں تاج محل کو دیکھ لو۔ فن تعمیر کے استاد جب اس کو دیکھتے ہیں دانت تلے انگلی دباتے ہیں اور اس شخص کے متخیلہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں جس کے ذہن میں پہلے پہل اس کی تصویر آئی۔ ماہرین فن اس عمارت کو " مرمر کا خواب " کہتے ہیں جس کے چاروں منارے چار وانگ عالم کو صدیوں سے للکار تحدی کررہے ہیں، مگر کوئی نہ اٹھا جو اس کی مثل بناسکے۔ جس طرح سے ہیکل سلیمان کو یا اہرام مصر کو یا تاج محل کو عوام جنات کا کام کہہ سکتے ہیں اسی طرح کسی شاعر کے کلام کو جو بے مثل رہ گیا ہو الہام یا قرآن کو خدا کا کلام کہہ سکتے ہیں مگر حقیقت کچھ اور ہے۔

عرفی وآذر کیوان

علمی عجائبات کا میدان بھی بہت وسیع ہے۔ عرفی نے اپنے کلیات کی تعریف ایک رباعی میں کہی تھی۔

ایں طرفہ نکات سحری واعجازی
چوں گشت مکمل بہ رقم پردازی
مجموعہ طراز قدس تار نخیش گفت
اول دیوان عرفی شیرازی

اس میں یہ حیرت افزا صنعت ہے کہ اخیر مصرع میں اکائیوں کی جمع سے قصائد کی تعداد دہائیوں کی جمع سے غزلوں کی اور سینکڑوں کی جمع سے رباعیات وقطعات کی تعداد نکلتی ہے اور پھر کل مصرع کے اعداد جوڑنے سے تاریخ کلیات۔ پھر اس سے بھی حیرت افزا اور تعجب انگیز صنعت کی کتاب آذر کیوان مجتہد مجوس کی تھی جس نے چودہ جز کا ایک نامہ اکبر کو لکھ کر بھیجا۔ بظاہر وہ فارسی میں تھا مگر الفاظ اور نقاط کے ہیر پھیر کر پڑھنے سے عربی میں تھا ترکی بھی اور ہندی بھی۔ اس کی نسبت تاریخ مآثر الامر جلد دوم میں یہ لکھا ہے کہ "نامہ ازمولفات خود کہ مشعر ستائش مجردات وکواکب ومتضمن نصائح وحکم بود فرستاد مشتمبلر چہاروہ جزہر سطرش پارسی بحت بودو تصحیف آں عربی وچوں قلب مے کروند ترکی وباز مصحف آں ہندی مے شد"۔ ایک ہی عبارت فارسی بھی ہو عربی بھی ترکی بھی اور ہندی بھی پارسیوں نے تو اس کو یزدان اور زردشت کے الہام سے منسوب کیا ہوگا مگر یہ انسانی صنعت تھی۔ اسی طرح عرفی تو اپنے مصرع کو الہام اور اعجاز ہی کہا گئے مگر ہم اس کو بشر کے نتائج فکر کا ایک اعلیٰ نمونہ سمجھتے ہیں۔ ہم مان لیں گے کہ عرفی اور آذر کیوان نے اپنی صنعت میں کمال کیا اور دنیا کے لٹریچر میں اس کی نظیر ملنا محال ہے۔ مگر یہ طاقتِ بشری سے خارج نہیں۔

باب ہفدہم

معیارِ بلاغت اور قرآن کے لفظی عیوب

چوتھا اعتراض (الف) کہ قرآن میں تکرار لفظی واقع ہے جو منافئ بلاغت ہے جیسے سورہ رحمٰن میں جہای بای آلاء ربکما تکذبان 31 دفعہ وارد ہوا اور بعض مقامات میں نہ صرف فضول ہے بلکہ صریح خلاف محل اور بے موقع جیسے اگر کوئی شخص چلتے چلتے گر پڑے تو کوئی بول اٹھے الحمد اللہ - یعرف المجرمون بسیمھم فیوخذ بالنواصی والاقدام .ھذہ جھنم التی یکذب بھا المجرمون یطوفون بینھا وبین حمیم آن۔ ایسی ایسی مصیبتوں کے ذکر کے بعد کہہ دیا فبای آلاء ربکما تکذبان۔ پہچانے پڑیں گے گنہگار اپنے چہرے سے پھر پکڑے جاویں گے ماتھے کے بالوں سے اور پاؤں سے پھر کیا کیا نعمتیں رب کی جھٹلاؤ گے۔ یہ دوزخ ہے جس کو جھٹلاتے تھے گنہگار پھرتے ہیں بیچ اس کے اور کھولتے پانی کے۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔

(ب) قرآن کے اندر تکرارِ معنوی بھی ہے بار بار ایک ہی قصہ کو دہرایا ہے۔

(ج)۔ اس میں ایضاح واضح ہے یعنی جو بات صاف وکھلی ہے اس پر ایسے الفاظ بڑھائے جو معنی میں کچھ زیادتی نہیں پیدا کرتے اور فضول ہیں مثلاً تلکہ عشر کاملہ۔ پس کلام غیر مفید کی بھرتی بلاغت کے بڑے عیوب میں سے ہے۔

پانچواں اعتراض۔ جہاں یہ کہنا منظور تھا کہ چونکہ قرآن خدا کی طرف سے ہے اس میں کچھ بھی خلاف نہیں - وہاں یہ کہا لو کان من عندغیر اللہ لوجد وافیہ اختلافاً کثیرۃ جس کے معنی خلاف مقصود یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ قرآن میں اختلاف تو ہے مگر کثرت کے ساتھ نہیں حالانکہ خلاف قلت کے ساتھ ہو یا کثرت کے ساتھ دونوں ہر حال میں مذموم ہے (چوتھے اور پانچویں اعتراض کا جواب شارح مواقف نے نہیں دیا)۔ اس بحث میں قرآن کے دوستوں اور دشمنوں نے جو کچھ لکھا اس پر رائے قائم کرنے کے لئے عربی کی معلومات کی ضرورت ہے۔ مفسرین نے ان اسقام کو چھپانے کے لئے جو ہر زبان دان کو کھٹکا کئے خوب زور لگائے اور چاہا کہ عیوب کو محاسن کر دکھائیں۔ سارا دارومدار ان کا اس پر رہا کہ جہاں کسی نے کوئی سقم دکھایا تو فوراً کسی نامور یا گمنام شاعر کے نام سے کوئی کلام اسی قسم کے سقم کی نظیر میں سنداً پیش کردیا اور اپنی دانست میں سبکدوش ہوگئے اور مطلق خیال نہ کیا کہ نثر کے سقم کے لئے جہاں انشاء کا میدان وسیع ہے نظم کی سند عقلاً جائز نہیں جہاں مصنف کو قواعد عروض نے ایک تنگ دائرہ میں قید کردیا اور اس پر بھی غور نہیں کیا کہ اگر الہیٰ انشا پردازی میں بھی وہی سقم رہ جائیں جو انسان میں رہا کرتے ہیں تو خدا کو بشر پر کیا فوقیت رہی۔

لہذا ان لطیف علمی مباحثوں کو ادباء کی کاوشوں کے لئے چھوڑ کر ہم یہاں محض نمونہ کے طور پر دو تین مقامات قرآن شریف کے ایسے پیش کرتے ہیں جن میں عبارت کا نقص ہر شخص کو نظر آئے گا جو کسی زبان میں بھی صحت کے ساتھ بولنے یا لکھنے کا عادی ہے۔ عربی چاہےوہ جانے یا نہ جانے۔

سورہ انفال ع 1 ۔ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ أُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقاً مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ

الخ(لفظی ترجمہ) "جو کھڑی رکھتے ہیں نماز اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں وہی ہیں سچے ایمان والے ان کے واسطے درجے ہیں ان کے رب پاس معافی اور روزی آبرو کی جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے درست کام پر اور ایک جماعت ایمان والوں میں سے ناراض تھی۔"

"جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے درست کام پر ،ایک بالکل بے جوڑ فقرہ درمیان میں گھسا ہوا ہے جو نہ سیاق سے میل کھاتاہے نہ سباق سے اگر یہ مشبہ بہ ہے تو مشبہ کا پتہ صفحہ قرآن میں نہیں اس کے سمجھنے میں کیا دقت ہے۔ مولانا نذیر احمد سے پوچھنا چاہیے جن کو یہ ترجمہ اختیار کرنا پڑا" (اور اے پیغمبر مالِ غنیمت کے بارے میں ان لوگوں کو اسی طرح کی غلطی واقع ہوئی ہے) جیسے (جنگ بدر کے وقت واقع ہوئی تھی) کہ تمہارے پروردگار نے بڑی حکمت کی اور تمام کو گھر سے نکلنے پرآمادہ کیا(اور تم نکل کھڑے ہوئے)۔"

سمجھنے والے تو گونگوں کے اشارے اور بچوں کی باتیں بھی سمجھ لیتے ہیں مگر بولنے والے کو اپنی مراد الفاظ کی ربط سے سمجھنا چاہیے ۔ لہذا اس عبارت کی حمایت میں کوئی معقول بابت نہیں کہی جاتی اور کسی زبان میں کوئی عمدہ لکھنے والا اس معنی کو اس طرح کبھی نہیں ادا کرے گا۔

سورہ یونس ع 9 آیت 86 میں ہے وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى وَأَخِيهِ أَن تَبَوَّءَا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا وَاجْعَلُواْ بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ

(ترجمہ) ہم نے وحی بھیجی موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف کہ تم دونوں اپنی قوم کے لئے مصر میں مکانات بنالو اور (اے لوگو) تم اپنے گھروں کی عبادت گاہ بناؤ اور نماز ادا کرو اور تو خوشخبری دے ایمان والوں کو" پہلے حکم تثنیہ کے صیغہ سے دینا شروع کردیا پھر ربط توڑ کر اس کو جمع کردیا اور پھر دفعتہً اس کو واحد بنادیا۔جو قاعدے بولنے کے لئے بنائے گئے اور وہ منطق کے تابع ہیں اور ہر زبان میں یکساں ان کی اس عبارت میں منطق رعایت نہیں رکھی گئی اور یوں تو لوگ قاعدہ اور بے قاعدہ ہر طرح سے اپنے خیالات ظاہر کرہی دیتے ہیں۔ سورہ فتح ع 1 آیت 8و9 إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرً لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (ترجمہ)ہم تجھ کو (اے محمد) گواہ اور بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا تاکہ (اے مسلمانوں) تم اللہ پر اور اس کے رسول پرایمان لاؤ اور تم اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو اور اس کی تسبیح کرو صبح وشام" اس مختصر عبارت میں متکلم حاضر اور غائب کو مخلوط کرکے ضمیروں کے ساتھ خلط ملط کردیا۔پہلے خطاب رسول سے تھا جس میں خدا متکلم ہے اور مسلمان غائب ، پر جھوٹ مسلمانوں سے خطاب ہوگیا اور رسول کو غائب بنایا اور اسی کے ساتھ خدا کو جس میں نہ معلوم متکلم کون ہے۔ پھر پے درپے ضمیریں لائے غائب کوئی رسول کے لئے کوئی خدا کے لئے مگر کون کس کے لئے اس کا جواب مفسروں کی طبع آزمائیوں پر منحصر رہا۔ یوں عبارت کا یہ نقص خوب عیاں ہے۔

سورہ بقرہ ع 18۔" اور جس جگہ سے تو نکلے پھیر منہ اپنا طرف مسجد الحرام کے یہی تحقیق ہے تیرے رب کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے اور جس جگہ سے تو نکلے پھیر منہ اپنا طرف مسجد الحرام کے اور جس جگہ تم ہو پھیرو منہ اپنے اس کی طرف ۔" ایک بڑی سی عبارت کو ایک فقرہ کا فاصلہ دے کر دوبارہ دہرانا جبکہ کچھ بھی زیادتی معنی میں نہیں ہوتی کلام کی خوبی کو بہت کم کردیتاہے بالخصوص ایسی حالت میں کہ عین اس کے اوپر والے رکوع میں بھی یہی عبارت آچکی تھی۔" پھیر منہ اپنا طرف مسجد الحرام کے اور جس جگہ تم ہو پھیرو منہ اس کی طرف۔"

انسان کے کلام میں ایسے حشووزائد کا ملنا موجب حیرت نہیں مگر خدا کے کلام میں اور اعجازی کلام میں ان کی گنجائش بالکل نہیں رہتی۔

باب ہشتدم
تحدی کی فلاسفی

ہم تو یہ ثابت کرچکے کہ قرآن شریف نے کیوں ایسی تحدی کی؟ وہ کس قسم کی تھی اور اس کا مطلب کیا تھا مگر ہم علماء اسلام کی تحریرات میں اس قسم کی باتیں پڑھتے ہیں جس سے ہم کو یقین ہوگیا کہ وہ تحدی کی فلاسفی کو نہیں سمجھے اور جو غلط فہمی ان کو ہوچکی ہے وہ قرآن کی تحدی کو سمجھنے میں بہت بری طرح عارض ہے۔

مثلاً مولوی سید محمد صاحب فرماتے ہیں " کوئی کتاب یا کوئی کام اس وقت معجزہ ہوتا ہے جبکہ اس کے ساتھ اس کے ماہرین کاملین سے تحدی کی جائے اور باوجود تحدی کے کوئی اس کا معارضہ نہ کرسکے۔ بجز الہامی شخص یعنی نبی کے کوئی دوسرا شخص عاقل تحدی نہیں کرتا کیونکہ نبی کو باعلام والہامِ خدا یقین ہوجاتا ہے کہ دنیا میں مثل میرے کوئی شخص اس کام کو نہیں کرسکتا۔" صفحہ 25

اگر کوئی سنجیدگی کے ساتھ غور کرے تو سمجھ لے گا کہ تحدی اپنی ذات میں کچھ بھی وزن نہیں رکھتی اور جو عقل سے کام لیا جائے تو تحدی کسی حال میں روا نہیں۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے۔ مشک آنست کو خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ انسان کی صنعت کا ہر اعلیٰ نمونہ زبان حال سے تحدی کرتا ہوا سنائی دیتا ہے۔ تاج محل کے روضہ کے دروازہ پر کوئی تحدی کندہ نہیں دیکھی مگر اس کی بے نظیری کا آواز مشرق سے مغرب تک پہنچ گیا اور اس کی مثل لانے سے تمام کاریگر عاجز ہوگئے۔

مگر ہاں ممالک ایشیا میں تحدی وخود ستائی شعرا کے لئے دعا سمجھی گئی اور وہ بھی صرف نظم میں ورنہ نثر کے لئے مذموم ہے اور فی الحقیقت تحدی ایک ڈینگ ہے، ذوق سلیم کے منافی اور مہذب طبائع کے سراسر مغائر۔

عرفی کی تعلی

شکسپیئر جس نے سلف وخلف کے سلاطین سخن کے سرے سے تاج اتار کر خود پہن لیا، محال ہے کہ ہم اس کے کلام میں ایسی تعلی مل سکے جو ہم عرفی شیرازی کے منہ سے سنتے ہیں۔

گل اندیشہ من سحر غلط معجزہ رنگ
بلبل نطق من الہام غلط وحی سرائے

حافظ کی تعلی

لسان الغیب فرماتے ہیں:

ندیدم خوشتر از تو حافظ
بہ قرانیکہ اندر سینہ داری،

اور شاید کوئی حرف گیر گستاخی کرے آپ نے فرمایا:

کیسے گیرد خطا در نظم حافظ
کہ ہیچ لطف در گوہر نباشد

اور مبادا کسی کو آپ کی نقل کرنے کی جرات ہو فرماتے ہیں

عدو کہ منطق حافظ طمع کند در شعر
ہمال حدیث ہما و طریق خطافاً است

آپ اپنے کلام پر ستارے نثار کرتے ہیں

کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

اور کو کلام ازلی ٹھہراتے ہیں

شعر حافظ در زماں آدم اندر باغ خلد
دولت نسرین و گل راز نیت اوراق بود

اب اس سے زیادہ کوئی تحدی کیا کرے گا۔

اصحاب معلقات کی

مگر ہم کو خوب معلوم ہے کہ شیوع اسلام کے وقت عرب میں تحدی کا بازار گرم تھا۔ ہم اوپر نقل کرچکے شرح مواقف سے کہ دروازہ کعبہ پر سبع معلقہ کے قصائد اسی تحدی کے ساتھ لٹکادیئے گئے تھے کہ کوئی اس کے مقابل کچھ کہہ کرلائے۔ در کعبہ پر کسی قصیدہ کا لٹکادینا عرب کے تمام قبائل کو نقارہ کی چوٹ پر تحدی کردینا تھا اوراس سے بڑھ کر اس ملک اور زمانہ میں اعلانِ عام کا کوئی اور طریقہ نہ تھا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سبعہ معلقہ کامعارضہ کسی سے نہ ہوسکا اوروہ بے نظیر رہ گئے ۔

بنی تمیم کی تحدی

بلکہ تحدی تو خود آنحضرت کےروبرو کی جاتی تھی ۔ چنانچہ سیرۃ ابن ہشام میں لکھا ہے کہ 9 ہجری میں جب وفد بنی تمیم آنحضرت کے پاس آیا جس میں عطاردبن حاجب خطیب اور زبرقان بن بدرشاعر 1* تھے۔

1*۔ یہ وہی زبرقان ہے جس کی تقریر سن کر حضرت بول اٹھے تھے ان من البیان لسحلً (تفسیر رازی آیت ما انزل علی الملکین ببابل ھاروت وماروت)

اور یہ لوگ مسجد میں داخل ہوئے تو انہوں نے آواز دے کر حضرت کو پکارا کہ اے محمد باہر نکل ہمارے پاس آ۔ ان کا اس طرح آپ کوآواز دینا آپ کی خاطر مبارک پربہت گراں گزرا ۔ پھر جب آپ باہر تشریف لائے تو انہوں نے کہا اے محمد ہم تیرے پاس آئے ہیں کہ تجھ پر اپنا فخر دکھائیں ہمارے شاعر اور ہمارے خطیب کوبولنے کی اجازت دے ۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے خطیب کو اجازت دیتا ہوں۔ بولے ۔ پس عطاردبن حاجب اٹھا اور خطبہ پڑھا جس میں اس نے بڑی دون کی لی ہے اور یہ بھی کہا " بس جو کوئی ہم پر فخر کرتا ہوچاہیے کہ ہماری تعداد کے موافق اپنی گنتی گنائے اور اگر ہمیں منظور ہوتا تو ہم اس میں کلام کو طول دیتے۔ لیکن جو کچھ ہم کو عطا ہوا اس میں مبالغہ کرنے سے ہم حیا کرتے ہیں۔ گوہم مبالغہ کرنا بھی جانتے ہیں اور اس وقت میں یہ کہتا ہوں کہ (فاتو بمثل قولنا وامر افضل من امرنا) تم لے آؤ کوئی قول ہمارے قول کی مثل اور کوئی امرجو ہمارے امر سے افضل ہو۔

ہم کو ان لوگوں کی جسارت پرحیرت ہے کیونکہ یہ وہ زمانہ ہے جب مکہ فتح ہوچکا تھا اور حضرت غزوہ تبوک سے فارغ ہوچکے تھے اور اسلام کاغلبہ مسلمہ تھا۔

جب عطارد بیٹھ گیا توآنحضرت نے ثابت بن قیس کو حکم دیا کہ توکھڑا ہوکر اس شخص کوجواب دے چنانچہ جو خطبہ جوابیہ اس نے پڑھا اس میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔" ہم اللہ کے مددگار ہیں اور اسکے رسول کے وزیرہیں جنگ کرتے ہیں لوگوں سے حتےٰ کہ وہ اللہ کے اوپر ایمان لاتے ہیں پس جو کوئی ایمان لے آتا ہے اللہ پر اور اس کے رسول پر تواس کامال اور اس کاخون ہم پر حرام ہوجاتا ہے لیکن جو انکار کرے گا اس سے ہم اللہ کی راہ پر برابر لڑتے رہیں گے اور اس کا قتل کرڈالنا ہمارے لئے آسان کام ہے۔"

جب مشاعرہ ہوچکا تو جیسا ہونا چاہیے تھا وفد بنی تمیم میں ایک شخص بول اٹھا" یہ شخص (محمد) غالب رہا کیونکہ اس کا خطیب ----------ہمارے خطیب سے بڑھ کر نکلا اور اس کا شاعر ہمارے شاعر سے اور ان کی آوازیں ہماری آوازوں سے زیادہ میٹھی ہیں۔" جب یہ لوگ ان باتوں سےفارغ ہوئے تو مسلمان ہوگئے ۔ اور رسول ﷺ نے ان کو بہت ہی اچھی طرح سے انعام واکرام عطا فرمائے ۔ جلد سوم صفحہ 56و60۔

یہ تو بطور جملہ معترضہ کے تھا اور نہ مقصد ہمارا یہ ہے کہ عرب میں تحدی کا مذموم رواج عام تھا اور کوئی کلام نہیں کہ جو عقلا تھے وہ اس سے خود اجتناب کرتے تھے اور ان لوگوں کی بات کو خاطر میں نہ لاتے تھے جو تحدی کے عادی تھے۔

صاحب مقامات حریری کا انکسار

ہم نے کہا کہ تحدی کی قبیح رسم عام تھی اور کبھی کبھی تحدی ایسے لوگوں نے بھی کی جن کو تحدی زیبا تھی۔ چنانچہ اب ہم باب 12 میں ذکر کر چکے متنبی شاعر نے کس طرح تحدی کی اور نہ صرف تحدی بلکہ دعوئے نبوت اور اپنے کلام کو اعجاز کہا مگر جوں جوں مذاق درست ہوتے جاتے ہیں اور لوگ تہذیب میں ترقی کرتے ہیں تحدی وتعلی کا بازار بھی سرد پڑتا جاتا ہے حتیٰ کہ حریری سے مسلم الثبوت استاد فن ادب میں اس کی بو بھی نہیں معلوم پڑتی حالانکہ اگروہ تحدی کرتا تومتنبی کی طرح سزاوار تھا کیونکہ تمام ادبائے حتیٰ کہ زمخشری نے بھی اس کا لوہا مان لیا۔ مگر ہمارے مولوی سید محمد صاحب جو زمان ماضی میں اوقات بسر کرتے رہے اس بات کو لغو سمجھتے ہیں کہ انہوں نے بوجہ تواضع وانکسار کے اپنی کتاب کی فصاحت کا دعویٰ نہیں کیا اور بنظر ایمان واسلام کے قرآن کی مدح کی ۔" صفحہ 315 حریری کے مقامات عربی لٹریچر میں بے مثل ہیں ان کو بے مثل کہنے والے کسی دینی عقیدہ کی حمایت کرنے والے عوام نہیں بلکہ ادباء سلف وخلف حتےٰ کہ زمخشری سا ادیب جو خود بھی اس میدان میں اپنے قلم کے گھوڑے کو تھکا چکا اور یوں حریری کا حریف تھا وہ بھی اللہ کی قسم کھا کر اور کلام اللہ کی قسم کھا کر اور بیت اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہے کہ مقامات حریری ایسا معجزہ ہے جس نے اہل عالم کو چھکا دیا۔ اس کا یہ حلفی سرٹیفکیٹ شیخ محمد عبدالقادر صاحب المکتبہ الازہریہ نے اپنے محشی نسخہ کے سرورق پر ثبت کیا ہے (مطبوعہ 1317 ہجری) اقسم بااللہ وآیاتہ (ومعشر الحج ومیاقاتہ ان الحری بان " نکبت بالتر مقاماتہ معجزۃ تعجز کل الودی اولوسروافی صنومشکاتہ ۔)

مرزا قادیانی کی دیدہ دہنی وعلمائے اسلام کی بے اعتنائی

ہم افسوس سے دیکھتے ہیں کہ وہ برا ایشیائی مذاق جو نخوت سے پیدا ہوتا ہے جس کی بنیاد مجہل ہے بلکہ جہل مرکب اب بھی کم نہیں ہوا خصوصاً ان لوگوں میں جو اپنے ہم مذہبوں کی نادانی اور سادہ لوحی سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ پھر بھی کبھی کبھی دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی عیب بہت بڑھ جاتا ہے تو اس کی برائی بھی سب پر منکشف ہوجاتی ہے اور سب لوگ نفرین نفرین کرنے لگتے ہیں تب دفعتہً اصلاح کی صورت نکل آتی ہے اور تاریکی میں نور چمک جاتا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ تحدی اور تعلی کو جہان میں جو عظمت حاصل ہوگئی تھی شاید وہ ابھی نہ گھٹتی اگر اس کے چند بدترین نمونے ہم کو اپنے وقت میں نہ مل جاتے جس پر تمام بافہم لوگ نفرین کرنے لگے جس سے گویا تحدی کا سارا طلسم ٹوٹ گیا اور کھل گیا کہ وہ ڈھول میں پول ہوتا ہے اور کسی عاقل کو ایک دم بھی اس کی طرف التفات نہ کرنا چاہیے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے جب دیکھا کہ اس زمانہ کے مولوی قرآن کی آیات تحدی کی نسبت ایسی بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ تحدی کو بجائے خود دلیل اعجاز سمجھتے ہیں اور برہان نبوت اور جب اس کو خود دعوئے نبوت کرنے کی ضرورت ہوئی تو فوراً وقت کو غنیمت جانا۔ یہ بیچارہ کوئی معجزہ نہ لاسکا۔ پس بقول شخصے ملاّ کی دوڑ مسجد تک ، اس نے تحدی کرنا شروع کردی جس کی نسبت اس کو خوب یقین ہوچکا تھا کہ کوئی عاقل اس پر التفات نہ کرے گا اور تمام نادان اس پر لٹو ہوجائیں گے۔ اور اس کو اس میں کچھ مشکل بھی نظر نہ آئی کیونکہ وہ دوزندہ اور بہت کامیاب نظیریں ایران میں دیکھ چکا تھا محمد علی باب نے بالکل قرآن کے اسلوب پر کتاب البیان کو الہام کے نام سے سنایا۔ اور دعویٰ کیا کہ ساری دنیا میں قدرت نہیں کہ اس کے ایک فقرہ بلکہ ایک حرف یا نقطہ کی مانند کوئی کہہ سکے اور لاکھوں نے اس قول کو خدا کے قول کی طرح مان لیا۔ پھر تھوڑی ہی مدت بعد حسین علی بہاء اللہ نے ایک کتاب عربی میں قرآن کی طرح کتاب الاقدس کے نام سے سنائی اور ویسے ہی دعوے کئے اور بڑی کامیابی حاصل کی۔ اعلیٰ آثار ہم مرزا صاحب بھی تشریف لائے اگر فارس میں مرید تھے تو پنجاب میں کچھ کمی نہیں۔

مرزا کی تحدی اور اس کی وضاحت

قرآن میں تحدی ہے مگر یہ امر مشتبہ کہ تحدی کس اعتبار سے کی گئی باعتبار فصاحت وبلاغت یا باعتبار ہدایت یا باعتبار امیت پھر یہ بھی واضح نہیں کہ اس تحدی کی آواز مخالفین کو بھی سنائی گئی یا محض دائرہ مومنین میں محدود رہی اور یہ تویقینی ہے کہ جب تحدی کی گئی تومدینہ کے زمانہ میں یعنی غلبہ اسلام کے وقت جب وہ لوگ جن سے تحدی کا کیا جانا بیان ہوتا ہے اپنی آزادی کھو چکے تھے اور مخالفت

میں جان جانے کا اندیشہ تھا پھر اس کی مفصل تاریخ بھی ہم تک نہیں پہنچی کہ اس تحدی کے ساتھ معاصرین نے کیا سلوک کیا۔ گو یہ معلوم ہے کہ اس کا معارضہ بھی کیا گیا تھا اور اس سے بے اعتنائی بھی۔ مگر جن لوگوں نے معارضہ کیا ان کا کلام تمام ملک میں حکومت اسلام ہوجانے کے باعث غارت ہوگیا اور ایک بڑی بات ڈھکی مندی سی رہ گئی۔ اب تماشا دیکھو کہ خوب سوچ سمجھ کر مرزا نے اپنی تحدی کو قرآن کی تحدی کی طرح مشتبہ نہیں رہنے دیا اس کا مطلب مختلف الفاظ میں بکرات ومرات بیان کردیا ۔ اپنی پیشگویوں کے الفاظ کی طرح مہمل نہیں رکھا۔ چھپوادیا ۔ اشتہار دیا۔ انعام کا وعدہ کبھی ہزار کا کبھی دس ہزار کا، مخالفین پوری طرح آزاد ہیں ۔ قادیان کے پاس کوئی تلوار نہیں جس کا ڈر ہو۔ مرزا سے بڑھ بڑھ کر عربی دان موجود ہیں اور مرزا سے ہزار درجہ بہتر عربی لکھنے والے اور عجمی ہونے میں سب کو مساوات حاصل ہے۔ پھر بھی مرزا یہ کہتا ہے ہم اس کے (المکتوب الیٰ العلماء الھند) سے جس میں اس نے اپنی عربی عبارت کا خود فارسی میں بھی ترجمہ کیا ہے صرف فارسی عبارت نقل کرتے ہیں۔" وہ درقدرت شما نماند کہ چیزے بمقابل من درعربی بنویسیدیس قسم خوریداگر راست گوہستید۔آیا قسم ہے خورید کہ شما بداں قصور راضی شدہ اید کہ درباره فہم قرآن در شما ثابت شد پس شمارا ایں طاقت نماند کہ آنچہ من نوشتم بنویسید وشما ایں قدرت نشہ کہ دریں میدان مقابلہ من کنید پس قسم خورید اگر براستی ہستید۔(صفحہ 178)۔

وکمال من درزبان عربی باوجود قلت کوشش وجستجو من نشانے است از خدا تعالیٰ تاعلم وادب مرابرمردم ظاہر کند پس آیا درمخالفان معارض کنندہ موجوداست ومن باایں ہمہ چھل ہزار لفظ، درلغت عرب تعلیم وادہ شدہ ام ومعلومات کاملہ وسیعہ درعلوم ادبیہ مرا عطا کردہ اند باوجود آنکہ دراکثر اوقات بیمارے باشم وایام صحت درمیان کم مے باشد وایں فضل خداے من است اومرا در فصاحت ازآں چہار کس وزراعباسیہ افزوں ترکرو کہ ابوالحسن علی وابو عبد اللہ جعفر وابواعیسےٰ ابراہیم وپدر ایشاں محمد بن حسن بن فرات بود ومراد دربیان شیریں تراز آب شیریں کردہ چنانکہ مراہادیان مہدیان ساخت مرا افصح المتکلمین کرو۔ پس بسیارے از نمکین سخنان ہستند کرمراعطا کروند وبسیارے از نوپیدا نکات ہستند کہ مرا تعلیم آں دادند پس آنکہ اززبان آوراں علماء باشد وہمچوا ادبیان حسن بیان راجمع کردہ باشد من اور برائے معارضہ مے خوانم اگر ازمعارضین ومنکرین باشد ومن درنظم ونثر فائق

شدم ودرآں ہر دو مراہمچو روشنے صبح نورے عطا فرمودہ اندر دایں فعل بندہ نیست ایں نشان رب العالمین است پس ہر کہ بعد ازیں معارضہ انکار کردوایک سو نشست وبمقابلہ درمیدان نیاور دونہ پیشقدمی کرد پس اوبرصدق من گواہی داد اگرچہ شہادت را پوشیدہ داشتہ باشد۔ اے حسرت براناں کہ مرا بانکا یادمے کنند وبازدرمیدانے بمقابلہ من نمے آئندہ ہمچو خربر مکان خود آواز با بردارند وچوں جنگ کنندہ بیروں نے آئندہ ۔ انجام آتھم (234و235)۔

اگر اب تحدی کی کچھ وقعت رہ گئی ہو اور فریق مخالف کے عجز کی کوئی دلیل تو مولوی سید محمد صاحب پھر فرماویں کہ " کوئی کتاب اور کوئی کام اسی وقت معجزہ ہوتا ہے جبکہ اس کے ساتھ اس کام کے ماہرین کاملین سے تحدی کی جائے۔ اور باوجود تحدی کے کوئی اس کا معارضہ نہ کرسکے۔" بہتر ہے کہ وہ مرزا کی خلافت راشد کا جواب لکھ دیں۔ جس طرح آپ نے مسلیمہ کذاب کے کلام کا ابطال کیا اس طرح بیسیوں مولویوں نے مرزا کے کلام میں اسقام نکالے اور جس طرح، پادری عماد الدین کے اعتراضات کوآپ نے دفع کرنا چاہا اسی طرح بیسیوں دفعہ مرزا اور اس کی ذریات بھی اعتراضات کورد کرچکے۔

مرزا کے مقابل مولویوں کا عجز اور اس کے

ایک ضروری بات ہے جس کا کہہ دینا بہت ہی مناسب ہے وہ مرزا کے مقابلے میں جو مولوی دب گئے اس کی وجہ یہ ہے کہ گووہ بھی اس قسم کی عبارت لکھنے پر قادر ہیں جیسا قرآن کی ہے مگر ان کے لئے ناممکن تھا کہ وہ اس میدان میں قدم رکھیں اور اسلام سے ہاتھ دھوئیں ادب آج تک مانع رہا کہ کوئی مسلمان اس اسلوب پر عبارت بنائے یا کسی عبارت کو اس کی مثل کہے ۔ مرزا کو نہ خدا کا خوف تھا نہ رسول کا ڈر ۔ انگریزی راج کے امن میں بیٹھے سیف اسلام کی زد سے محفوظ ۔ اس نے سارے مسلمانوں کو قرآن کی سی عبارت میں تازہ بتازہ نو بنو گالیاں دے کر چکرادیا اور درجنوں " تبت یدا" لکھ ڈالے ۔ علماء جو حقیقت سے واقف تھے اور گویا محض معجزہ صرفہ کی وجہ سے ان کی زبان قرآن کی مثل کے کہنے سے بند تھی۔ انہوں نے تو برملا اس کو کافرکہنا شروع کردیا۔ جہلا جو خود کچھ نہ کرسکتے تھے نہ نفس معاملہ کے سمجھنے کا شعور رکھتے تھے، وہ جس طرح قرآن پر ایمان لاتے تھے مرزا کے کلام پر بھی

ایمان لے آئے۔ اس کش مکش میں ایک تیسرا گروہ بھی نکلا جو یہ تماشہ دیکھ کر قرآن کا بھی منکر ہو بیٹھا اور مرزا سے بھی اگر سچ پوچھو تو مرزا کی طرف اکثر مسلمانوں کو جو قرآن کی عبارت کو اعجازی اور من اللہ تقلیداً ماننے بیٹھے تھے رجوع کرنے کی ایک اور بھی مضبوط وجہ تھی۔ قرآن عرب میں لکھا گیا عربی زبان میں اور ایک عربی کے ہاتھ سے جہان کو ملا جس کی مادری زبان بھی عربی تھی۔اس میں کوئی عجوبہ نہ تھا۔ پھر وہ بھی سنتے آئے کہ اس کی سی عبارت نہ کسی نہ دیکھی نہ سنی اگر اس میں کوئی عجوبہ ہوسکتا تھا تو اب وہ اور بھی بڑھ گیا جب ایک عجمی نے اس کی مثل کہنا شروع کردیا۔ مسلیمہ کا کلام ہمارے پاس نہیں۔ نصر بن حارث کا کلام ہمارے پاس نہیں ۔مرزا کا موجود ہے دیکھ لو۔

مرزا قرآن کا معارضہ مفہوم عام میں کرتا ہے

چنانچہ اس کے مکتوب میں سے ہم ذیل کی عبارت ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جو ہم کو قرآن کے اعلیٰ سے اعلیٰ مضامین میں سے کسی طرح کم نہیں معلوم ہوتی ہے۔ اب جو نہ مانیں وہ مرزا جی سے اور ان کے چیلوں سے بھگت لیں۔

ولیسوا اسواءً من العلماء والفقراء فنهم الذين يخافون حضرة الكبريا ء ولا يقفون ماليس لهمه به علمه ويخشون يوم الجزاء ويفو ضون الامر الى الله ذى الجلال والعلاء ويقولون مالنا ان نتكلمه فى هذا اوما اوتينا علمه عواقب الاشياء انا تحان ان نكون من الظالمين . آولكه الذين اتقوا اربهمه فسيهد يهمه الله انه لا يضيع الخاشيعن واما الذين لا يخشون الله لا يتركون سيل الاهو او يخلدون الى خبيثات الدنيا وتبالى قلمه بهمه عالمه القدس والبقاء و لا يرون مليخرج من افواهمه من كلمات الكبروالخلاء . ولا يعبشون عيشة الاتقياء ويجعلون الدنيا اكبر همه والنجل اعظمه مقاصد همه ويشون فى الارض مشى المرح والا عتد ء فا لئكه الذين تسو ا ايام لله ومداعيد و يئسوامن يوم الصادقين واختار واسبيل المفسدين (انجام آتھم صفحہ 81و82)۔

اس سے بھی بڑھ بڑھ کرمضامین کتاب الاقدس بہاء اللہ اور البیان وایقان ومحمد علی باب ایرانی میں موجود ہیں۔ یہ کتابیں بابیوں کے قرآن ہیں اور ایک سورۃ کی سورۃ بالکل قرآن کے اسلوب پر کتاب دبستان مذاہب میں دی ہوئی ہے جو اس طرح شروع ہوتی ہے۔ بسمه الله الرحمنٰ الرحيمه . يا ايها الذين امنوا امنوا بالنورين اثر لهما (مطبوعہ نول کشور 1881ء صفحہ 272)۔

کہ مرزا قادیانی نے اصل قرآن شریف کا معارضہ کیا اور اس کی مفروضہ تحدی کا جواب دیا اور اپنے کلام کے لئے اس سب کا دعویٰ کیا جو مسلمان قرآن کے لئے کرتے چلے آئے۔ اس کے ثبوت میں ہم مرزائی تفسیر القرآن سے جو بطور ضمیمہ ریویو آف ریلیجیز 1907ء میں علیحدہ چھپتی رہی ذیل کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

"جب خداوند کریم نے اپنے پیارے خاتم الانبیاء کے معجزات اور برکات کودوبارہ دنیا میں تازہ کرنا چاہا تاکہ آپ کی صداقت دنیا پر از سر نو حجت پوری کرے تو خداوند کریم نے اس زمانہ میں اپنے ایک برگزیدہ بندے کو --- بروز محمدی بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا اور علاوہ اور معجزات ونشانات کے ایک معجزہ یہ بھی آپ کو عنایت کیا کہ آپ نے بہت سی کتابیں عربی زبان میں پراز حقائق ومعارف قرآنیہ لکھیں اور بڑی تحدی سے ان میں سے ہر ایک کی مثل عرب و عجم سے طلب کی اور قرآن متاع کی مانند ان کو اختیار دیا کہ اپنے سب مدد گاروں کو بلالیں اور پھر ساتھ ہی یہ پیشن گوئی بھی کردی کہ ہر گز کوئی ان کی مثل نہ لاسکے گا۔ چنانچہ ان کتابوں کو شائع ہوئے سالہا سال گزر چکے اور عرب و عجم ان میں سے ایک بھی مثال نہ لاسکے حالانکہ مخالفت کی کوئی حد نہیں آپ نے اپنے صدق وکذب کا سارا دارومدار مثل کےلانے نہ لانے پر رکھ دیا تھا۔ لیکن اب تک کوئی بھی نہیں لایا۔"

"ناظرین خیال توفرمائیں کہ ان مولوی صاحبان کی مخالفت خدائے ذوالجلال کی فرستادہ کے ساتھ کس حد تک پہنچ گئی ہے کہ جب آپ کے منجانب اللہ ہونے پر وہی دلیل پیش کی جاتی ہے جو کہ خود قرآن مجید نے اپنے اور آنحضرت ﷺ کے منجانب اللہ ہونے پر پیش کی ہے اور اس دلیل سے

انہوں نے قرآن مجید اور آنحضرت کامنجانب اللہ ہونا تسلیم کیا ہے بلکہ قرآن مجید اور آنحضرت کے منوانے کے لئے یہی دلیل لوگوں کے سامنے پیش بھی کرتے ہیں لیکن جب خدا کے فرستادہ ۔۔۔کے منجانب اللہ ہونے کے لئے یہی خدا کی قائم کردہ دلیل بعینہ پیش کی جاتی ہے تو بجائے آپ کے منجانب اللہ ہونے کے ماننے کے اس مسلمہ دلیل پروہی اعتراض کردیتے ہیں جو کہ قرآن مجید اور آنحضرت ﷺ کے مخالفوں نے اس دلیل پر کیا ہوا ہے اور نہ خدائے علیم سے ڈرتے ہیں اور نہ شرم کرتے ہیں۔"

"اپنی بیوقوفی کا ثبوت دینے کے لئے ان مولوی صاحبان نے ایک اور جواب بھی دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کتابوں میں فلاں فلاں عبارت قواعد کے خلاف ہے اور فلاں فلاں فقرہ دوسری کتابوں سے لیا ہوا ہے اور یہاں پر بھی نہ تو یہ خیال کیا کہ ہمارا یہ اعتراض براہ راست قرآن مجید پروارد ہوتا ہے کیونکہ قرآن مجید کی بہت سی عبارتوں پر یہ کہا گیا ہے کہ علم قواعد کے فلاں قاعدہ کے یہ خلاف ہے اور اس کی بعض عبارتیں بعینہ امراء القیس وغیرہ کے قصائد میں موجود ہیں اور جو جواب ہم وہاں دیا کرتے ہیں احمدیوں کا حق ہے کہ وہی جواب ہمارے اعتراض کا دیدیں ۔ یہاں سے ناظرین کو یہ بات بھی معلوم ہو گئی ہو گی کہ ہمارے مولوی صاحبان اگرچہ زبان سے خداوند تعالیٰ کے علم کو سب کے علوم سے وسیع اور بالاتر کہتے ہیں پر عملاً نحو میر ، ہدایتہ النحو شافیہ کافیہ وغیرہ کے مصنفوں کے علموں سے علیم و حکیم خدا کے علم کو کم قرار دیتے ہیں۔ بلکہ خدا پر لازم وفرض قرار دیتے ہیں کہ وہ ان مصنفین کے بیان کردہ قواعد کے ماتحت چلے اور اگر وہ اپنی خدائی کے لحاظ سے کوئی عبارت یا کوئی لفظ ان کے مقرر کردہ قواعد کے خلاف بولے گا تو اس کا وہ کلام ضرور غلط قرار دیں گے"(نمبر 7 1907ء صفحہ 53,50)۔

اب مولوی سید محمد صاحب کا یہ طعن کہ نصارا نجران نے قرآن کی مثل کیوں نہ کہا یا یہود مدینہ نے یا نصارئے بیروت نے باطل ہو گیا کیونکہ اگر انہوں نے نہ بھی کہا تو کیا ہوا۔ وہ کچھ مرزا سے گئے گزرے نہ تھے۔ وہ قرآن سا کلام کہنا اپنا فخر نہ جانتے تھے اور مابعد اگر نہیں کہا تو اس لئے کہ نہیں کہہ سکتے تھے زیر سایہ ہلال رہتے تھے ۔مگر خیر مرزا نے تو کہہ دیا۔

چو کارے بے فضول من برآید

مراد روے سخن گفتن نہ شاید

اگر انسان نے کہا چلو جن نے کہہ دیا اور الشیطان کان من الجن ۔ غرضیکہ جن امور کو ہم عقلی بحث میں حل کر رہے ہیں ، اس کو مرزا نے عوام پسند طریقہ سے اپنی تحدی میں حل کر دیا۔ ہمارا گمان یہ ہے کہ مرزا اسلام اور قرآن سے بالکل منکر ہے اور اس نے اپنے افعال اور اقوال سے قرآن اور اس کے پیغمبر کا بہت سی اچھی طرح مضحکہ اڑایا ہے۔

قادیان نے اسلام کا مذاق اڑایا ہے

قادیان کی کمپنی نے تاریخ اسلام کے ایسے ، ایسے عقدے حل کردئیے کہ وہ لوگ جو مسلمان نہیں ان کے دل سے مشکور ہیں۔ یہاں نبوت بھی ہے وحی بھی ہے الہام بھی ہے کتاب بھی حدیث بھی ہیں امہات المومنین بھی آسمانی نکاح بھی اورمدینہ بھی۔ غرضیکہ وہ سب موجود ہے جو مروجہ اسلام کے لئے ضروری ہے ۔ ہاں جہاد نہیں اور معلوم ہے کہ کیوں۔ آخر الا کراہ فی الدین بھی تو کبھی اسلام کا دستور عمل رہا۔ ۔ یہ سوء اتفاق سے ہے کہ اس کے عملاً منسوخ ہوجانے کی نوبت آتی نظر نہیں آتی ۔ اب اس سے زیادہ قرآن اور اسلام کے ساتھ اور کیا مذاق ہوسکتا ہے اور لطف یہ کہ اس گروہ کے کل کردار مسلمان ہونے کا دم بھرنے والے ہیں۔

باب نوزدہم

قرآن کی مفروضہ بے نظیری اور اس کے اسباب

ہم کہہ چکے کہ من حیث المجموع عربی نثر کی تمام موجودہ دینی کتب میں قرآن ایک معنی میں بے نظیر ہے ۔ اب ہم اس کی بے نظیری کے چند اسباب بھی بتائے دیتے ہیں جو بہتوں کے کانوں میں بالکل نئے معلوم ہوں گے ۔

قرآن بقیتہ السیف

اول قرآن اپنی جنس کی ایک ہی کتاب رہ گئی اور جب وہ اکیلا ہے تومقابلہ ومعارضہ ممکن نہیں۔ قرآن کو بے نظیری کی جو سند ملی تو اس لئے نہیں کہ اور کتابوں کے ساتھ مقابلہ کرکے اس کو معاصرین نے سب سے بلند وبالا پایا بلکہ اس لئے کہ اس میدان میں جو اور دلاور تھے وہ گزرگئے اور قرآن اکیلا رہ گیا۔ اس نے میدان میں مقابلہ کرکے اپنے مخالفوں کو نہیں جیتا بلکہ حسن اتفاق سے میدان کو دلاوروں سے خالی پایا اور اسی کے سرسہرا بندھ گیا۔ ان قرنوں کا حن کو زمانہ جاہلیت سے تعبیر کرتے ہیں کل کلام جو عرب کے لٹریچر پر مشتمل تھا ناپید ہوگیا۔ پس ایسی بے نظیری دراصل عقلا کی نظر میں وقعت نہیں رکھتی ۔بے نظیری وہ کہ اپنی جنس میں سے دوسرے افراد کے موجود ہوتے ہوئے مقابلہ میں بے نظیر اترے۔

قدیم عربی لٹریچر معدوم

سید محمد صاحب نے ڈاکٹر لیٹنر کی سنن الاسلام سے کچھ مضمون اپنے خیالات کی تائید میں پیش کیا ہے ۔ اسی میں سے ہم بھی یہاں ایک حصہ نقل کئے دیتے ہیں ۔" شروع اسلام اور اس سے سو برس پہلے عربوں میں ایک فخر اور بھی تھا یعنی فصاحت وبلاغت چنانچہ اس میں اس قدر اقتدار بہم پہنچایا تھا کہ ایک فصیح صاحب تقریر جماعت کثیر کو صرف اپنی قدرت کلام سے جس ارادہ سے چاہتا تھا روک لیتا تھا اور جدھر چاہتا تھا جھونک دیتا تھا۔" پھر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔" افسوس ہے کہ سوائے ان سات معلقات کے اور کوئی معلقہ نظر نہیں آتا بلکہ آج ادب اورانشائے عرب کی کوئی تصنیف اسلام سے سو برس پہلے کی نہیں ملتی کچھ عمداً اور کچھ بے اعتنائی سے معدوم ہوگئیں مگر اشعارِ عرب سے معلوم ہوتاہے کہ پرانی زبان ہے کیونکہ اس کی صرف ونحو اور عروض کے قاعدے سب بااصول ہیں۔" صفحہ 53و56۔

اس سے روشن ہے کہ زبان عربی شیوع اسلام کے وقت پکی عمر کو پہنچ چکی تھی اور ادب لغت کے اعتبار سے کامل ہوچکی تھی۔ اور اس کے ادب وانشا معنی بیان صرف ونحو وعروض سب کے قواعد منضبط ہوچکے تھے۔ یہ ہماری زبان اردو کی طرح بن نہ رہی تھی۔ بلکہ یونانی ولاطینی یا سنسکرت کی طرح بن چکی تھی۔ عالم شباب دیکھ چکی تھی ۔ڈاکٹر لینٹنر نے جو کچھ کہا کم کہا ۔ عربی زبان وعربی تمدن کی شان اس سے بھی اعلیٰ وارفع تھی اور ہم ایک دوسرے یورپی مصنف کی تحقیقات کا ذکر کرتے ہیں جو مسلمانوں میں ازحد مقبول ہے اور ڈاکٹر لیٹنر کی طرح گویا مسلمان سمجھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر لیبان نے جس ضخیم کتاب تمدن عرب کا ترجمہ اردو علامہ بلگرامی نے کیا ، ہم کو " اعراب جاہلیت " کی مختصر مگر نہایت ہی دلچسپ عربوں کا قدیم تمدن اور داستان سنائی ہے جس کا خلاصہ ہم اس جگہ ان کے منہ سے چند سطروں میں سنائے دیتے ہیں۔

عربوں کا قدیم تمدن اور اس کی بربادی

"عربوں کے قدیم تمدن کی بابت تاریخ عالم اس درجے ساکت نہیں جیسی وہ ان قدیم تمدنوں کی نسبت ساکت ہے جنہیں حال کی تحقیقات نے آثار قدیمہ کے گردو غبار میں سے کھو کر نکالا ہے۔ اگر بالفرض تاریخ کو پورا سکوت بھی ہوتا تو بھی ہم ثابت کرسکتے تھے کہ یہ تمدن زمانہ حضرت رسالت مآب ﷺ سے بہت پہلے تھا۔ ہمیں اس قدر یاد دلانا کافی تھا کہ آنحضرت کے وقت میں بھی ، عربستان میں ایک اعلیٰ درجے کی زبان اور اس زبان میں تصنیفات موجود تھیں اور اعراب جاہلیت نے دو ہزار سال سے دنیا کی مہذب ترین اقوام کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کرلئے تھے اور اقلاً سو برس سے توانہوں نے ایسی ترقی کی تھی جسے منجملہ ان اعلیٰ ترقیوں کے شمار کرنا چاہیے جن کی یادگار اس وقت تک دنیا میں موجود ہیں۔ ایک اعلیٰ زبان اور اس میں تصنیفات دفعتہً پیدا نہیں ہوسکتیں اور ان کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ قوم نے ایک زمانہ دراز طے کیا ہے۔ کسی قوم کا دوسری اقوام مہذب کے ساتھ روابط قائم رکھنا ہمیشہ خود قوم کی ترقی کا باعث ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اس قوم میں ترقی کی صلاحیت موجود ہو اور عربوں نے ثابت کردیا کہ ان میں یہ صلاحیت موجود تھی۔" صفحہ 76

اب ہم پوچھتے ہیں کہ عرب کا وہ قدیم وعالیشان تمدن جس کا آفتاب طلوع اسلام میں نصف النہار پر تھا کہا گیا اور اس کی علمی دولت کے آثار کیا باقی ہیں۔ عرب کی فصاحت وبلاغت کا نمونہ کہا

ں ہے اور اس کی جوانی کی امنگوں کا ترانہ کہاں جن کا معارضہ ومقابلہ کرنے کے لئے قرآن آسمان سے نازل ہوا تھا ؟ ہم مولوی سید محمد صاحب سے یہ سوال کرکے بالکل نا امید ہوگئے ان کا جواب یہ ہے کہ " قرآن سے پہلی کتاب یا اسی وقت کی بجز سبعہ معلقہ وعقد ثمین کے غالباً اور کوئی نہیں ۔" صفحہ 20 " آنحضرت سے پیشتر کی کوئی کتاب دستیاب نہیں ہوتی اور اگر کچھ معدودے چند اشعار مثل حماسہ وسبعہ معلقہ وعقد ثمین کے ہیں تو اس قدر نہیں کہ ان میں سب الفاظ قرانیہ ہوں ۔" صفحہ 5 اور ان چند کتابوں کا جو نام لیا تو یہ بھی عزیز الوجود ہونے کی وجہ سے قابل قدر ہوگئیں۔ورنہ کوئی دلیل نہیں کہ یہ اس سرسبز عرب کے حدیقہ بلاغت میں کے کوئی سب سے اعلیٰ قسم کے پھول ہیں۔ ہاں اگر اس زمانہ کے نام آوروں کے کلام کے مختلف نمونے ہمارے پاس موجود ہوتے جیسے یونان یا روم یا ہندوستان کے سلف کا گراں مایہ کلام ہمارے ہاتھوں میں ہے بیشک ان کے مقابلے سے یہ بات جانچی جاسکتی کہ آیا قرآن کو کمال فوقیت حاصل تھا اور اس کی حقیقت مسلمہ محک پر کسنے کے بعد کیا تھی یعنی اس زمانہ میں جو قواعد فصاحت وبلاغت ومعانی وبیان کے مسلمہ تھے ان کے لحاظ سے قرآن کا کیا پایہ تھا۔ مگر نہ اس زمانہ کی کتب ادب میں سے اس وقت کچھ باقی بچا موجود ہے جس کی بنا پر قرآن کے دعویٰ کا فیصلہ انصاف سے کیا جاسکے۔ کلام جاہلیت (اور اس زمانہ کو یہ نام اگر اس اعتبار سے دیں کہ ہم اس کی نسبت بالکل جاہل ہیں تو بجا ہے) موجود ہی نہیں اور جو ہے وہ نہ ہونے کے برابر۔ قواعد اس کے کیا تھے (اور ضرور تھے کیونکہ " پرانی زبان ہے اس کے صرف ونحو اور عروض کے قاعدے سب بااصول ہیں ۔") ہم کو معلوم نہیں اور جو معلوم ہوئے وہ ایسے لوگوں کے ہاتھ سے جو مسلمان تھے اور ایسے وقت میں ہوئے جبکہ وہ آسمان اور زمین میں بدل چکے تھے جب وہ تمدن پلٹ چکا تھا اور انقلاب پرانے آثاروں کو مٹاچکا تھا۔ سلاطین عباسیہ کے عہد میں یہ نئے قواعد منضبط ہوئے جن میں ہر طرح قرآن کی رعایت رکھی گئی اور ایسے لوگوں نے مرتب کئے جو قرآن کو ابطور اعتقاد کے آسمانی کتاب اور خدا کا قول اور کامل مان چکے تھے جن کی کوئی تحقیق آزاد نہ تھی جو نہ جاہلیت اور اسلام کے درمیان انصاف کرنا جانتے تھے اور نہ انصاف کرنے کے قابل رہے تھے۔

پس ہم کہتے ہیں کہ قرآن نہ فصیح تھا نہ بلیغ تھا یعنی اس عروج کے وقت اس کو کوئی فصیح وبلیغ ماننے والا نہ تھا ۔ وہ فصیح وبلیغ ماننے والا نہ تھا ۔ وہ فصیح وبلیغ بن گیا۔ اس کے حامیوں نے بنادیا اور اب وہ ضرور فصیح ہے عرب کی محبت اس کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی باپ کے سات فرزند مرچکے ہوں اور اب ایک جو بہت ہونہار نہ تھا باقی رہ گیا ہو۔ لوگ ہمیشہ اس خیال پر چلتے ہیں کہ قرآن ہماری آنکھوں میں کس پایہ کا ہے اور دراصل بہت ہی اعلیٰ پایہ کا ہے۔ اگر وہ ایک دم کے لئے اس زمانہ میں جاکھڑے ہوں جو دس برس تک اسلام نے مکہ میں دیکھا اور معاصرین کی آنکھوں سے عکاظ کی محفلوں میں دیکھیں اور اساتذہ سے پوچھیں توآنکھیں کھل جائیں اور سارا راز فاش ہوجائے کہ کیوں معاصرین قرآن کو بے قدری کی نظر سے دیکھتے تھے اور کیوں انہوں نے اس قابل التفات نہ سمجھا جیسا کہ ہم باب 7 میں ثابت کرچکے ۔ اس زمانہ میں جب اسباب فیصلہ موجود تھے جاہلیت کا کلام اپنی خیروخوبی کے ساتھ پیش نظر تھا۔ لہذا قرآن مقابلہ میں اہل عصر کو نہیں جچا اور وہ اس کو حقارت سے دیکھتے رہے کیونکہ وہ اس کو اپنے قواعد کے خلاف پاتے تھے۔ ان کے پاس جو معیار کلام موجود تھی جس پر وہ ہر کلام کو ناپتے تھے ، اس نے قرآن کے خلاف فیصلہ کیا تھا۔

مولوی پادری ڈاکٹر عماد الدین مرحوم نے اس بحث میں یہ لکھا ہے ۔

"مسلمانوں کو لازم تھا کہ علم فصاحت وبلاغت میں ان فصحاء عرب کی تصنیفات جو قرآن کے مقابل پر تھے اور جو اس کو فصیح نہ جانتے تھے پیش کرتے اور ان کی کتب کے قواعد سے قرآن کا مقابلہ کرکے دکھاتے تاکہ ہم جانتے کہ ان سے بڑھ کر یا گھٹ کر مگر مسلمانوں نے اس معتبر فصحا کی کتابیں گم کر ڈالیں اور خود قرآن کے معتقد بن کر اور اسے کلام الہیٰ فرض کرکے یہ یقین کرلیا کہ خدا سے زیادہ کون فصیح ہے۔ پس یہ اس کا کلام ہے اس لئے بہت ہی فصیح ہوگا۔ پس تمام قواعد فصاحت اس کی بول چال کے موافق بناکر یہ چند فصاحت کی کتابیں اپنے درمیان جاری کرلیں۔" صفحہ 31۔

اس پر مولوی صاحب یہ فرماتے ہیں ۔" اگرچہ ان ہفوات مکرہ کے جوابات ہوچکے ہیں، مگر بطور اختصار پھر ناچار اعادہ کرتا ہوں کہ ان کتابوں کا لانا اور دکھانا مسلمانوں کے ذمہ نہیں کیونکہ وہ اس کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ قواعد فصاحت وبلاغت کی کتابیں قبل اسلام یا عہد نبوت میں تصنیف نہیں ہوئیں اور پادری صاحب بھی اس کو خوب جانتے ہیں۔"

بھلا ہم کیونکر مولوی صاحب کی ایک بے تحقیق بات کو جس پر تاریخی نظر سے مولوی صاحب نے کبھی غور بھی نہیں کیا ڈاکٹر لیٹنز یا ڈاکٹر لیبان کی محققانہ ومورخانہ رائے سے جو فلسفہ کے

اصول پر مبنی تلی ہوئی ہے ترجیح دے سکتے ہیں۔ یہ انہیں کے ذہن میں آسکتا ہے کہ حماسہ وسبعہ معلقہ وعقد ثمین کل ادب جاہلیت یا اس کے کسی معتد بہ حصہ پر شامل ہے اور کہ باوجودیکہ عربی اپنے کمال کو پہنچ چکی تھی ، مگر پھر بھی قواعد فصاحت وبلاغت کی کتابیں اسلام یا عہد نبوت میں تصنیف نہیں ہوئیں۔آپ لکھتے ہیں۔

مسلمانوں نے جاہلیت کی کتابیں گم کر ڈالیں

"پادری صاحب جو کھتے ہیں کہ مسلمانوں نے وہ کتابیں گم کر ڈالیں ۔ یہ عجب افترا اور بے سند بات ہے اور ظاہر میں خلاف عقل ہے کیونکہ جو کفار قریش استمداد اور استعانت جنگ کے واسطے اطراف وجوانب کے قبائل میں دور دور تک جاتے تھے اور ہر ایک قبیلہ کو جنگ پر آمادہ کرتے تھے۔پس اگر فصاحت قرآن کی کتابیں خلاف قرآن ہوتیں یا کوئی عبارت قرآن کے معارضہ میں کھی جاتی تووہ ضرور اس کو منتشر کرتے اور لاریب یہود ونصاریٰ ان کی حفاظت کرتے اور دوسرے ملکوں تک پہنچاتے اور آج کسی نہ کسی فرقہ کفار کی کتب میں وہ عبارتیں پائی جاتیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ زمانہ جاہلیت کے کلام کو اہل اسلام نے بڑی قدر ومنزلت سے رکھا ہے اور ان کے اشعار کو اکثروں نے حفظ اور نوک زبان یاد کیا ہے۔ اور جامعین قواعد فصاحت تو اس تمنا میں مرگئے کہ کوئی کتاب زمانہ جاہلیت کی اس فن میں میسر آئے اگر مسلمان ان کو گم کر ڈالتے تو دیوان عقد ثمین شعرائے جاہلیت اور سبعہ معلقہ کیونکر باقی رہتا اور دیوان حماسہ کے اشعار کتب لغت کہاں سے نصیب ہوتے کیا یہ سب نصارےٰ بحزان کے ذریعے سے ملے ہیں اور خیر بالفرض مسلمانوں نے گم بھی کر ڈالیں ، تو پادری صاحب کو لازم ہے کہ ان کتب گم شدہ کے نام اور ان کے مصنفوں کے نام اور گم کرنے والوں کے نام بتلائیں۔" صفحہ 32

تعجب ہے کہ عرب کا لٹریچر بھی مسلمہ عرب کے فصحاء وبلغاء کا کمال بھی مسلمہ اور یہ بھی مسلمہ ہے بجز دو تین کتابوں کے کچھ بھی نہیں رہا پھر اس میں حجت کہ عرب کی کتابیں گم نہیں ہوئیں بلکہ " جاہلیت کے کلام کو اہل اسلام نے بڑی قدر ومنزلت سے رکھا ۔" جاہلیت کے کلام کی حفاظت جو کچھ اہل اسلام نے کی وہ تو اسی بات سے ثابت ہو گئی کہ جاہلیت کا کلام ہی ناپید ہو گیا۔ میں کھتاہوں کہ طبقہ اولےٰ کے مسلمانوں نے تو اسلام کے زمانے کا کلام بھی گم کر ڈالا اور ایسا کلام جس سے زیادہ قابل قدر کوئی کلام ان کے اپنے خیال میں نہیں آسکتا تھا۔ انہوں نے سارا کتب خانہ صحفِ قرآن کا جو خلیفہ عثمان کے عہد تک تیار ہوچکا تھا آن کی آن میں خاکستر ہوجانے دیا۔ کسی جانباز ایماندار نے کسی ملک میں کوئی صحیفہ قرآن بچا نہ رکھا۔ پھر بھی ہم سے فرمائش کی جاتی ہے کہ ہم گمشدہ کتابوں کا پتہ بتائیں ان کے مصنفین کا نام لکھائیں اور ان کا نام بھی جنہوں نے ان کتابوں کو گم کردیا۔ مولوی صاحب نے ہم کو بہت شرمندہ کیا اگر کوئی ہم سے ہر کولیم اور پمپائی کے امراء کے نام بقید ولدیت اور ان کی تعداد پوچھتا توہم کو زیادہ مشکل درپیش نہ آتی۔

گم شدہ قیمتی کتابیں

پھر بھی ہم مولوی صاحب کو کچھ نام بتائے دیتے ہیں جس پر وہ اوروں کا حال قیاس کرلیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا صحیفہ قرآن ، حضرت علی کا جمع کیا ہوا قرآن ، ورقہ بن نوفل کی الکتاب العربی، لقمان کا صحیفہ حکمت ،اور وہ مابین الدفتین جسے حضرت نے خود بطور ترکہ چھوڑا تھا۔

ذرا انصاف کرو مدینہ میں سینکڑوں علماء وشعراء یہود تھے ایک سے ایک بڑھ کر سینکڑوں برس سے وہاں آباد تھے آخر ان کا دینی لٹریچر کہاں گیا کس نے گم کردیا کہ صدیوں کا اندوختہ آن واحد میں ستیاناس ہو گیا۔

گو یہ سچ ہے کہ " جامعین قواعدِ فصاحت اس تمنا میں مرگئے کہ کوئی کتاب زمانہ جاہلیت کی اس فن میں میسر آئے ۔" مگر افسوس یہ جامعین بہت بعد از وقت جاگے ۔ع۔ پس انا نکہ من نمام بچہ کا رخواہی آمد، خلفائے عباسیہ کے عہد میں جب جاہلیت کے علمی سرمایہ پر پانی پھر چکا تھا ۔ جب بقول ۔ع

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

پھر بھی وہ زمانہ آج کے زمانہ کے مقابل میں قریب زمانہ تھا۔ کیا آپ ہم کو" جامعین قواعدِ فصاحت " کی اس "تمنا " کا مفہوم سمجھا سکتے ہیں کہ کیوں وہ کوئی کتاب زمانہ جاہلیت کی اس فن میں

کھوج کرتے تھے ؟ ہم بتائیں ان کو خوب معلوم تھا کہ عرب کا علم ادب بہت ہی وسیع رہ چکا تھا۔ یہ فن ان کا کوئی نیا فن نہ تھا۔ وہ اس میں کہنہ مشق تھے منجھی ہوئی سینکڑوں کتابیں اس زمانہ میں تالیف وتصنیف ہوچکی تھیں اور اس حقیقت نے ان کے دل میں " تمنا " ڈالی تھی اور ان کو گمان تھا کہ اگر تلاش کی جائے تو عجب نہیں کسی مومن یامنافق کے پاس کوئی چھپاہوا نسخہ کھیں دستیاب ہوجائے مگر ان کا گمان حق تھا گو کوشش بے سود۔ ان کے مولویوں نے ان سے بھی زیادہ کھوج کی تھی اور وہ کامیاب ہوئے تھے اور سب کو جلاڈالا تھا۔ اور اس جلاڈالنے کی شکایت نہیں۔ انہوں نے تو سینکڑوں قرآنوں کو جلاڈالا تھا۔ انہوں نے حدیثوں کو جلاڈالا تھا ۔ قرآن جلانے والے حضرت عثمان ذو النورین تھے۔ حدیث جلانے والے حضرت ابوبکر صدیق تھے۔ (دیکھو تاویل القران)۔

اب یہود ونصاریٰ اور کفار کی شکایت عبث ہے کہ انہوں نے کچھ کیوں نہ بچارکھا اگر کسی نے اپنا سر بچارکھا یا اپنا ایمان یہی غنیمت تھا جہاں جان کے لالے پڑے تھے وہاں کتب خانوں کی حفاظت کا سودا کس کو دامنگیر ہوسکتا تھا۔

تمدنِ ایران

خیر عرب کے ساتھ جو ہوا سو ہوا ، ایران کو دیکھئے ۔ ایران کا تمدن وتہذیب ومذہب وفلسفہ کیسے قدیم اور کیسے سر برآوردہ تھے جن کا انکار نہیں ہوسکتا ۔ پھر جب اسلام کی افواج کادریا اس پر امنڈا تو رطب چھوڑا نہ یا بس کچھ بھی باقی نہ رہا۔ ہاں شاید مولوی صاحب کہہ دیں کہ ان کی روایات کو اہل اسلام نے محفوظ رکھا اور شاہنامہ میں درج کردیں پس اگر شاہنامہ اس ہزاروں برس کے تمدن کی یادگار مان لیا جائے تو فیصلہ ہوچکا۔ یا یہ کہہ دیا جائے جومدعی ہو کتابوں کا نام بتائے مصنفین کا شمار گنائے۔ پھر بھی ایران اچھا رہا کچھ آتش پرست بھاگ کر ہندوستان میں آئے ورنہ ژندو اوستا بھی حکمتہ لقمان کی طرح عنقاد ہوجاتی ۔ عرب کے لئے اتنا بھی نا ممکن ہوا۔ سب کے سب کھیت رہے گویا عرب قدیم کے پاس حماسہ اور سبعہ معلقہ سے بہتر کچھ تھا ہی نہیں اور گویا صرف قرآن ان کی پہلی اور پچھلی دینی نثر تھی۔

قرآن کو رواج نے پیارا کردیا

دوم۔ جس بات کا چرچار ہے جو عبارت نوک زبان بن جائے جس سے سب لوگ آشنا ہوں وہ زبان پر رواں ہوجاتی ہے اور روانی اس کی اس کو فصاحت کا درجہ دے دیتی ہے ۔ ضرب المثل اسی لئے سب سے فصیح کلام سمجھا جاتا ہے۔ قرآن ایک دینی کتاب تھی اور ایک ایسی قوم کی کتاب جو اپنا لٹریچر برباد کرچکی تھی۔ مدتوں صرف قرآن ہی ایک کتاب رہا جس تک لوگوں کی رسائی ہوسکتی تھی جس کا پڑھنا برکت شمار کیاجاتا تھا جس کی یاد کرنا عزت بچوں کو اس کے الفاظ پڑھائے جانے لگے ۔ بوڑھے اس کی تسبیح پھیرنے لگے ۔ اگر نثر تھی تو قرآن ۔ اگر نظم تھی تو قرآن ۔ سوائے قرآن کے کچھ باقی نہ تھا۔ ایک زمانے تک قرآن ہی مسلمانوں کاسارا علم تھا۔ حافظِ قرآن ہوجانا یہی ایک کمال تھا جو دنیا ودین میں آدمی کو آبرومند بناتا تھا۔ جب قرآن نوک زبان کیا گیا تو سب سے فصیح تر ہوگیا۔ وہ ایک ضرب المثل بلکہ اس سے بھی زیادہ بن گیا۔ غلط العام فصیح یہ بھی تو ایک مثل ہے۔ اس کی بھی ایک حقیقت ہے اس کی ایک فلاسفی ہے اور قرآن کی فصاحت اور اس کے بے نظیری کے عقدے کو حل کرنے والی۔ 1*

1* جو الفاظ محاورات فقرات اشد کسی زبان کے روزمرہ میں داخل ہو کر عام بول چال میں آنے لگتے ہیں وہ کثرت استعمال سے منجہ منجہ کر زبان خلق پر پڑھے جاتے ہیں پھر گو ابتدا میں وہ کیسے ہی ثقیل یا غیر فصیح بلکہ غلط رہے ہوں رفتہ رفتہ فصاحت کے رتبہ کو پہنچ جاتے ہیں۔ ابو العلامعری جس کا ادب عربی ضرب المثل ہے وہ زبان کے اس فطرتی قانون سے بوجہ ماہر فن ہونیکے خوب واقف تھا اور قرآن کی حقیقت اور اس کی کامیابی کا راز اس پر کھلا ہوا تھا۔ اس نے بھی قرآن شریف کے معارضہ میں ایک قرآن لکھا تھا لیکن جب کسی نے اس سے کہا کہ تمہاری کتاب فصیح وبلیغ تو ہے لیکن اس میں قرآن سی دلربائی اور روانی نہیں اماھذا الاحید الاانہ لیس علیہ طلاوۃ القرآن) تو اس نے اسی اصول کو سمجھا کر کہا صبر کرو اس پر بھی چار سو سال گزر جانے دو جب منبروں پر پڑھ پڑھ کر یہ بھی زبانوں پر منجہ جائیگا تو دیکھ لینا۔ (حتے تصقلہ الاسن فی المحارب اربعمائتہ سنتہ عند ذالکہ انظر وا کیف یکون) صبح النبی صفحہ 32۔

پس ہم اگر بے ادبی معاف ہو تو یہ کہہ دیں کہ قرآن فصیح نہیں غلط العام فصیح ہے پس فصیح سے بڑھ کر ۔ پھر اس کے پڑھنے کے لئے قواعد تراشے گئے اور خوش الحانی مستزاد کی گئی غرضیکہ اس

کو زینت دی گئی جو اس میں موجود نہ تھی فصیح تھا یا نہ تھا اس کو فصیح بنادیا گیا۔ ذرا سوچو تو کہ جب کانوں کو اس کی آواز سے آشنا کیا۔ زبان کو اس کی نشست کے تابع تو اگروہ مسلمانوں کو عظیم معلوم ہو تو۔ بجا ہے۔ مگر جب دوسرے لوگ جو اس کو صرف ایک عربی کی کتاب سمجھ کر ہاتھ میں لیتے ہیں اور اس کو مصنوعی زینتوں سے علیحدہ کرکے پڑھتے ہیں اور اس پر فلسفیانہ رائے قائم کرتے ہیں تو مسلمانوں کو تعجب نہ کرنا چاہیے اگروہ ان کے مولویوں کی رائے پر صاد نہیں کرسکتے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تعریف جو کوئی صاحب علم غیر مسلمان مداح قرآن کو کرسکتا ہے وہ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی جو ڈاکٹر لیبان نے کی۔ " اگرچہ قرآن من جانب اللہ نازل ہوا لیکن اس کے اجزا میں بہت کم تناسب ہے۔ عبارت تو اس کی حیرت انگیز ہے لیکن سلسلہ مضامین اور دلائل منطقی اس میں اکثر مفقود ہیں۔۔۔۔ عربوں کے خیال میں قرآن سے زیادہ حیرت انگیز اس وقت تک کوئی کتاب دنیا میں نہیں ہوئی یہ قول البتہ مبالغہ سے خالی نہیں ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اس کتاب میں بعض مقامات پر فی الواقع ایک ایسی اعلیٰ درجے کی شاعری کا زور ہے کہ دوسری کسی مذہبی کتاب میں نہیں ملتا۔" تمدن صفحہ 109 " قرآن بلحاظ ترتیبِ مضامین ایک ایسی قسم کی کتاب ہے کہ گویا اس کے اوراق کو لکھ کر بلا ترتیبِ مضامین آپس میں ملادیا ہے۔" صفحہ 111

ڈاکٹر لیبان دنیا میں کسی کتاب کو بھی " منجانب اللہ نازل ہوا " نہیں مانتے مگر انہوں نے ایک ظریفانہ پیرایہ میں اپنا مدعا ظاہر کیا ہے اور بعض نقص دکھلا کر گویا سمجھایا ہے کہ اس کو خدا سے منسوب کرنا جیسا مسلمان کرتے ہیں حقیقت نہیں۔

قرآن کی عربیت کی اصلاح کی گئی

سوم۔ ایک اور بڑی بات ہے جس کی طرف کسی نے خیال ہی نہیں کیا۔ باوجود ان تمام رعائتوں کے جو کسی کتاب کو نصیب نہیں ہوئیں قرآن میں عیوب رہ گئے جو آج تک موجود ہیں اور ان عیوب کی تعداد اس زمانہ میں جب وہ قرآن کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے آیا۔ ایسی بڑی تھی کہ اہل عصر نے اس کو بالکل رد کردیا تھا مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد قرآن کے حامیوں نے ندوہ اور کمیٹیاں کرکے ان عیبوں میں ہزاروں کو چھانٹ کر نکال ہی ڈالا۔ یہ عیب زبان کے متعلق تھے یعنی عربیت کے جو شاید فصحائے عرب کا مضحکہ بن چکے تھے اور ایسے الم نشرح ہوگئے تھے کہ ان کا قرآن میں موجود رہنا باعث فتنہ عظیم کا متصور تھا۔ یہ نقائص عبارت اور انشاء کے تھے۔ قواعد مروجہ زبان کی نقیض جن کی اصلاح اس وقت کہ اسلام کو پوری قوت حاصل ہوچکی تھی نہ صرف پرضرور تھی تھی بلکہ آسان بھی۔ یہ اہم کام حضرت عثمان نے اس نامور کمیٹی کے سپرد کیا تھا جو قرآن شریف کی نظر ثانی اور تالیف کے لئے بٹھلائی گئی تھی جس کا مشرح تذکرہ رسالہ تاویل القران میں ہوچکا۔ علاوہ اور خدمات کے اس کمیٹی کی ایک خدمت یہ بھی تھی کہ قرآن کی عربیت کو درست کرے۔ چنانچہ بخاری شریف کتاب فضائل القرآن کے باب نزل القرآن بلسان قریش میں یہ نہایت معتبر اور مطلب خیز حدیث وارد ہے۔"عثمان نے حکم دیا زید بن ثابت اور سعد بن عاص اور عبداللہ بن زبیرو عبدالرحمٰن بن حارث بن حشام کو کہ لکھیں قرآن کو صحیفوں میں اور ان سے کہا کہ جب تم لوگ اور زید بن ثابت اختلاف کرو کسی جگہ عربیتہ کے اعتبار سے قرآن کی عربی میں تو اس کو لکھو قریش کی زبان میں کیونکہ قرآن انہیں کی زبان میں نازل ہوا۔ پس ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔" (اذا اختلفتمہ انتمہ وزید بن ثاقبٍ فی عربیتہٍ القرآن فاکتبوھا بلسان قریشٍ) اب اس سے صاف صاف روشن ہے کہ قرآن کی عربیت ناقص تھی اور اس کی اصلاح ان چار شخصوں نے اپنے علم وواقفیت کے اندازہ سے کردی۔ اس میں بہت الفاظ وعبارات ومحاورات وغیرہ قریش کی زبان کے خلاف تھے۔ ان کو جہاں تک ہوسکا قریش کی عربیت سے مطابق کرکے قرآن کی اصلی عربی کی اصلاح کی اور بہت کچھ جو قابل اصلاح نہ تھا اس کو ترک بھی کردیا۔ مثلاً ہم سورہ بقرع 3 میں پڑھتے ہیں ان اللہ لایستحی الخ " اللہ نہیں شرماتا کہ بیان کرے کوئی تمثیل مچھر کی یا اس سے اوپر پھر جو ایمان لائے وہ جانتے ہیں کہ وہ ٹھیک ہے ان کے رب کی طرف سے مگر جو منکر ہیں سوکہتے ہیں بھلا اللہ کو ایسی تمثیل سے کون غرض تھی۔" اب یہاں صاف ظاہر ہے کہ قرآن شریف میں کوئی مچھر کی تمثیل کوشش بھی کی گئی تھی مگر اب وہ تمثیل قرآن کے اندر کہیں نہیں۔ ممبران کمیٹی اصلاح کے گمان میں قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا تھا اور وہ اپنا فرض سمجھتے تھے کہ اس کو اسی زبان سے مطابق کردیں غرضیکہ قرآن کی عربیت موجودہ وہ عربی نہیں جس

میں وہ ابتداً نازل ہوچکا تھا یہ وہ عربی ہے جس پر اس کو ان چار اماموں کی کمیٹی نے زیر ہدایت و نگرانی حضرت عثمان جو اس کمیٹی کے پریذیڈینٹ تھے کردیا۔

اس کی مثال یہ ہو گی کہ فرض کرو دہلی کا کوئی بزرگ ایک اردو کتاب لکھے جس میں زبان کے اعتبار سے بہت سقم ہوں۔ اس میں بعض محاورات پنجابی ہوں بعض بنگالی اور بعض بیسواڑے کے جو زبان کے لطف کو کھونے والے ہیں۔ پھر کوئی کمیٹی ایک زمانہ بعد ان بزرگ کے مریدوں کی جمع ہو جو اس کتاب کو شائع کرنے کی خاطر از سر نو اس کی نظر ثانی کرنے بیٹھیں اور یہ لوگ زباندان بھی ہوں اور اس بات پر اتفاق کرلیں کہ ہمارے بزرگ تو خاص شہر دہلی کے باشندے تھے۔ ان کی زبان اردوئے معلی تھی اور یہ کتاب بھی دہلی والوں کے لئے لکھی گئی تھی لہذا جہاں کہیں زبان کا نقص اس کتاب میں ملتا ہے ۔ اس کو رفع کردینا چاہیے۔ اس میں جو غلط رہ گئیں وہ اس بزرگ سے نہیں منسوب ہوسکتیں کیونکہ وہ اہل زبان تھے اور پھر دہلی کے زبان کے موافق ہر اختلاف کو مٹا یا جائے تو کوئی کلام نہیں کہ وہ کتاب اپنے اصل شئے سے بہت ہی افضل ہوجائے گی ۔کچھ اس قسم کی اصلاح و تصحیح حضرت عثمان نے قرآن شریف میں کرادی جس پر ابن مسعود و ابی بن کعب و دیگر صحابہ نے واویلا مچایا اور اس کے بعد بھی جو اغلاط اس میں رہ گئے ان کو امتداد زمانہ اور عادت اور روانیِ زبان اور خوش اعتقادی اور حمایتِ علمائے اسلام نے غلط العام فصیح کے رتبے پر پہنچادیا اور بحکم ہر عیب کی سلطان بہ پسند ہنر است۔ جب قرآن زبانِ عرب کا سلطان قرار پا گیا تو اس کے معائب محاسن ہوگئے۔